اصلاحی خطبات

جلد ۱۲

- نیک بختی کی تین علامتیں
- جمعۃ الوداع کی شرعی حیثیت
- عید الفطر - ایک اسلامی تہوار
- جنازے کے آداب
- چھینکنے کے آداب
- بیان بر ختم قرآن کریم و دعا
- خندہ پیشانی سے ملنا سنت ہے
- حضور ﷺ کی آخری وصیتیں
- یہ دنیا کھیل تماشا ہے
- دنیا کی حقیقت
- سچی طلب پیدا کریں۔

حضرت مولانا مفتی محمد تقی عثمانی مدظلہم

میمن اسلامک پبلشرز

اصلاحی خطبات

۱۲

شیخ الاسلام حضرت مولانا مفتی محمد تقی عثمانی صاحب مدظلہم

ضبط و ترتیب
محمد عبداللہ میمن

میمن اسلامک پبلشرز
۱۸۸/۱۔ لیاقت آباد، کراچی ۱۹

جملہ حقوق بحق ناشر محفوظ ہیں

خطاب ☜ حضرت مولانا محمد تقی عثمانی صاحب مدظلہم

ضبط و ترتیب ☜ محمد عبداللہ میمن صاحب

تاریخ اشاعت ☜ جولائی ۲۰۰۲ء

مقام ☜ جامع مسجد بیت المکرم گلشن اقبال کراچی

باہتمام ☜ ولی اللہ میمن صاحب

ناشر ☜ میمن اسلامک پبلشرز

کمپوزنگ ☜ عبدالماجد پراچہ (فون: 0333-2110941)

قیمت ☜ /- روپے

ملنے کے پتے

- میمن اسلامک پبلشرز، ۱۸۸/۱، لیاقت آباد، کراچی ۱۹
- دارالاشاعت، اردو بازار، کراچی
- مکتبہ دارالعلوم کراچی ۱۴
- ادارۃ المعارف، دارالعلوم کراچی ۱۴
- کتب خانہ مظہری، گلشن اقبال، کراچی
- اقبال بک سینٹر صدر کراچی

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْم ط

پیش لفظ

شیخ الاسلام حضرت مولانا مفتی محمد تقی عثمانی صاحب مدظلہم العالی

الحمدللہ و کفی، وسلام علی عبادہ الذین اصطفی۔ امابعد!

اپنے بعض بزرگوں کے ارشاد کی تعمیل میں احقر کئی سال سے جمعہ کے روز عصر کے بعد جامع مسجد البیت المکرّم گلشن اقبال کراچی میں اپنے اور سننے والوں کے فائدے کے لئے کچھ دین کی باتیں کیا کرتا ہے۔ اس مجلس میں ہر طبقہ خیال کے حضرات اور خواتین شریک ہوتے ہیں، الحمدللہ احقر کو ذاتی طور پر بھی اس کا فائدہ ہوتا ہے اور بفضلہٖ تعالیٰ سامعین بھی فائدہ محسوس کرتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ اس سلسلے کو ہم سب کی اصلاح کا ذریعہ بنائیں۔ آمین۔

احقر کے معاون خصوصی مولانا عبداللہ میمن صاحب سلمہ نے کچھ عرصے سے احقر کے ان بیانات کو ٹیپ ریکارڈ کے ذریعے محفوظ کر کے ان کے کیسٹ تیار کرنے اور ان کی نشر واشاعت کا اہتمام کیا، جس کے بارے میں دوستوں سے معلوم ہوا کہ بفضلہٖ تعالیٰ ان سے بھی مسلمانوں کو فائدہ پہنچ رہا ہے۔

ان کیسٹوں کی تعداد اب غالباً سو سے زائد ہوگئی ہے۔ انہی میں سے کچھ کیسٹوں کی تقاریر مولانا عبداللہ میمن صاحب سلمہ نے قلمبند بھی فرمالیں اور ان کو چھوٹے چھوٹے کتابچوں کی شکل میں شائع کیا۔ اب وہ ان تقاریر کا ایک مجموعہ "اصلاحی

خطبات'' کے نام سے شائع کر رہے ہیں۔

ان میں سے بعض تقاریر پر احقر نے نظر ثانی بھی کی ہے۔ اور مولانا موصوف نے ان پر ایک مفید کام یہ بھی کیا ہے کہ تقاریر میں جو احادیث آئی ہیں، ان کی تخریج کر کے ان کے حوالے بھی درج کر دیئے ہیں، اور اس طرح ان کی افادیت بڑھ گئی ہے۔

اس کتاب کے مطالعے کے وقت یہ بات ذہن میں رہنی چاہئے کہ یہ کوئی باقاعدہ تصنیف نہیں ہے، بلکہ تقریروں کی تلخیص ہے جو کیسٹوں کی مدد سے تیار کی گئی ہے، لہٰذا اس کا اسلوب تحریری نہیں، بلکہ خطابی ہے۔ اگر کسی مسلمان کو ان باتوں سے فائدہ پہنچے تو یہ محض اللہ تعالیٰ کا کرم ہے، جس پر اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کرنا چاہئے، اور اگر کوئی بات غیر محتاط یا غیر مفید ہے، تو وہ یقیناً احقر کی کسی غلطی یا کوتاہی کی وجہ سے ہے۔ لیکن الحمد للہ ان بیانات کا مقصد تقریر برائے تقریر نہیں، بلکہ سب سے پہلے اپنے آپ کو اور پھر سامعین کو اپنی اصلاح کی طرف متوجہ کرنا ہے۔

نہ بہ حرف ساختہ سرخوشم، نہ بہ نقش بستہ مشوشم
نفسے بیاد تو می زنم، چہ عبارت وچہ معانیم

اللہ تعالیٰ اپنے فضل و کرم سے ان خطبات کو خود احقر کی اور تمام قارئین کی اصلاح کا ذریعہ بنائیں، اور یہ ہم سب کے لئے ذخیرہ آخرت ثابت ہوں۔ اللہ تعالیٰ سے مزید دعا ہے۔ کہ وہ ان خطبات کے مرتب اور ناشر کو بھی اس خدمت کا بہترین صلہ عطا فرمائیں۔ آمین۔

محمد تقی عثمانی

دارالعلوم کراچی ۱۴

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْم ؕ

عرضِ ناشِر

الحمد اللہ ''اصلاحی خطبات'' کی بارہویں جلد آپ تک پہنچانے کی ہم سعادت حاصل کر رہے ہیں۔ گیارہویں جلد کی مقبولیت اور افادیت کے بعد مختلف حضرات کی طرف سے بارہویں جلد کو جلد از جلد شائع کرنے کا شدید تقاضہ ہوا، اور اب الحمدللہ، دن رات کی محنت اور کوشش کے نتیجے میں صرف ایک سال کے عرصہ میں یہ جلد تیار ہوکر سامنے آ گئی اس جلد کی تیاری میں برادرمکرم جناب مولانا عبداللہ میمن صاحب نے اپنی دوسری مصروفیات کے ساتھ ساتھ اس کام کے لئے اپنا قیمتی وقت نکالا، اور دن رات کی انتھک محنت اور کوشش کر کے بارہویں جلد کے لئے مواد تیار کیا، اللہ تعالیٰ ان کی صحت اور عمر میں برکت عطا فرمائے۔ اور مزید آگے کام جاری رکھنے کی ہمت اور توفیق عطا فرمائے۔ آمین۔

ہم جامعہ دارلعلوم کراچی کے استاد حدیث جناب مولانا محمود اشرف عثمانی صاحب مدظلہم اور مولانا راحت علی ہاشمی صاحب مدظلہم کے بھی شکر گزار ہیں جنہوں نے اپنا قیمتی وقت نکال کر اس پر نظر ثانی فرمائی اور مفید مشورے دیئے، اللہ تعالیٰ دنیا و آخرت میں ان حضرات کو اجر جزیل عطا فرمائے۔ آمین۔

تمام قارئین سے دعا کی درخواست ہے کہ اللہ تعالیٰ اس سلسلے کو مزید آگے جاری رکھنے کی ہمت اور توفیق عطا فرمائے۔ اور اس کے لئے وسائل اور اسباب میں آسانی پیدا فرما دے۔ اور اس کام کو اخلاص کے ساتھ جاری رکھنے کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین۔

ولی اللہ میمن
میمن اسلامک پبلشرز

اجمالی فہرست

جلد۱۲

فہرست مضامین

صفحہ	عنوان

نیک بختی کی تین علامتیں

صفحہ	عنوان

عید الفطر ...... ایک اسلامی تہوار

صفحہ	عنوان

جنازے کے آداب اور چھینکنے کے آداب

حضور ﷺ کی آخری وصیتیں

صفحہ	عنوان

یہ دنیا کھیل تماشہ ہے

صفحہ	عنوان

دنیا کی حقیقت

نیک بختی کی تین علامتیں

شیخ الاسلام حضرت مولانا مفتی محمد تقی عثمانی صاحب مدظلہم

ضبط و ترتیب
محمد عبد اللہ میمن

میمن اسلامک پبلشرز
۱۸۸/۱۔ لیاقت آباد، کراچی ۱۹

موضوع خطاب :

مقام خطاب : جامع مسجد بیت المکرّم
گلشن اقبال کراچی

وقت خطاب : بعد نماز عصر تا مغرب

اصلاحی خطبات : جلد نمبر ۱۲

صفحات :

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْم ط

نیک بختی کی تین علامتیں

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ نَحْمَدُہٗ وَ نَسْتَعِیْنُہٗ وَ نَسْتَغْفِرُہٗ وَ نُؤْمِنُ بِہٖ وَنَتَوَکَّلُ عَلَیْہِ وَنَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنْ شُرُوْرِ اَنْفُسِنَا وَمِنْ سَیِّئَاتِ اَعْمَالِنَا۔ مَنْ یَّھْدِہِ اللّٰہُ فَلَا مُضِلَّ لَہٗ وَمَنْ یُّضْلِلْہُ فَلَا ھَادِیَ لَہٗ وَنَشْھَدُاَنْ لَّا اِلٰـہَ اِلَّا اللّٰہُ وَحْدَہٗ لَاشَرِیْکَ لَہٗ وَأَشْھَدُاَنَّ سَیِّدَنَا وَنَبِیَّنَا وَمَوْلَانَا مُحَمَّداً عَبْدُہٗ وَ رَسُوْلُہٗ صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَعَلٰی اٰلِہٖ وَاَصْحَابِہٖ وَبَارَکَ وَسَلَّمَ تَسْلِیْمًا کَثِیْرًا۔ أَمَّا بَعْدُ!

عن نافع بن عبدالحارث رضی اللّٰہ تعالٰی عنہ

عن النبی صلی اللّٰہ علیہ وسلم قال: من

سعادۃ المسلم المسکن الواسع والجار

الصالح والمركب الهنیئ

(مسند احمد بن حنبل: ج ۳، ص ۴۰۷)

حضرت نافع بن عبدالحارث رضی اللہ تعالیٰ عنہ روایت کرتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: مسلمان کی خوش نصیبی میں تین چیزیں خاص اہمیت رکھتی ہیں۔ یعنی یہ تین چیزیں مسلمان کی خوش نصیبی کا حصہ ہیں۔ پہلی چیز: کشادہ مکان، دوسری چیز: نیک پڑوسی، تیسری چیز: خوشگوار سواری۔ یہ تین چیزیں مسلمان کی خوش نصیبی کا حصہ ہیں، گویا کہ اگر کسی انسان کو یہ تین چیزیں میسّر آجائیں تو یہ دنیا کی نعمتوں میں بڑی عظیم نعمت ہیں۔

پہلی چیز: کشادہ گھر

حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے گھر کے سلسلے میں جس چیز کی تعریف فرمائی، وہ اس کی کشادگی اور وسعت ہے، گھر کی خوبصورتی، اس کی زیب و زینت، اور اس کی ٹیپ ٹاپ ایک فضول چیز ہے۔ اصل چیز مکان کی وسعت ہے، جس کی وجہ سے انسان تنگی محسوس نہ کرے اور آرام اور سکون کے ساتھ اس میں زندگی گزار سکے۔

وضو کے بعد کی دعا

چنانچہ وضو کے بعد جو دعا حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے ثابت ہے، وہ یہ ہے:

اَللّٰهُمَّ اغْفِرْلِیْ ذَنْبِیْ وَوَسِّعْ لِیْ فِیْ دَارِیْ
وَبَارِکْ لِیْ فِیْ رِزْقِیْ۔
(کنز العمال، حدیث نمبر ۳۶۳۳)

اے اللہ! میرے گناہوں کو معاف فرما دیجئے اور میرے گھر میں وسعت عطا فرمایئے اور میرے رزق میں برکت عطاء فرمایئے۔ گویا کہ وضو کے بعد آپ تین چیزیں مانگا کرتے تھے، ان میں سے ایک گناہوں کی معافی ہے، یہ ایسی چیز ہے کہ اگر اللہ تعالیٰ عطا فرمادیں تو بس آخرت سنور گئی۔ لہٰذا پہلا سوال آخرت کی درستی کا فرمایا، اور دنیا میں اللہ تعالیٰ سے دو چیزیں مانگیں، ایک گھر کی کشادگی، دوسرے رزق میں برکت، اس سے معلوم ہوا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو کشادہ گھر پسند تھا۔

انسان کا اپنا گھر ہو

میرے والد ماجد حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحب رحمۃ اللہ علیہ فرمایا کرتے تھے کہ لوگ دنیا کی بہت سی چیزوں کے پیچھے دوڑتے ہیں اور لوگوں کی خواہش یہ ہوتی ہے کہ اگر پیسہ مل جائے تو فلاں چیز حاصل کرلیں اور فلاں چیز حاصل کرلیں، لیکن دنیا کی ضروریات میں جس چیز کی خاص اہمیت ہے اور جس چیز کی انسان کو فکر کرنی چاہئے وہ یہ ہے کہ انسان کا اپنا گھر ہو اور رہائش کے سلسلے میں وہ کسی کا محتاج نہ ہو، اس کی کوشش انسان کو کرنی چاہئے، اور اس مد میں جو پیسہ لگا وہ ٹھکانے لگ گیا، اور باقی فضولیات میں انسان جو کچھ خرچ کرتا

ہے اس کا کچھ حاصل نہیں۔ بہر حال! گھر کی وسعت ایک نعمت اور سعادت ہے جس کی حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے وضو کے وقت دعا فرمائی۔

ہر عضو دھونے کی علیٰحدہ دُعا

یہاں یہ بات عرض کردوں کہ وضو کے وقت عام طور پر کچھ دعائیں مشہور ہیں کہ فلاں عضو دھوتے وقت فلاں دعا مانگی جائے، یہ دعائیں بڑی اچھی ہیں۔ مثلاً جب کلّی کرے تو یہ دعا پڑھے۔

اَللّٰھُمَّ اَعِنِّیْ عَلٰی تِلَاوَۃِ ذِکْرِکَ۔

اے اللہ: اپنے ذکر کی تلاوت کرنے پر میری اعانت اور مدد فرما۔

(کنزالعمال، حدیث نمبر ۲۶۹۹۰)

اور جب ناک میں پانی ڈالے تو یہ دعا پڑھے۔

اَللّٰھُمَّ لَا تَحْرِمْنِیْ رَائِحَۃَ الْجَنَّۃِ۔

اے اللہ: مجھے جنّت کی خوشبو سے محروم نہ فرمایئے۔

اور جب چہرہ دھوئے تو یہ دعا پڑھے:

اَللّٰھُمَّ بَیِّضْ وَجْھِیْ یَوْمَ تَبْیَضُّ وُجُوْہٌ وَّتَسْوَدُّ وُجُوْہٌ۔

اے اللہ: میرا چہرہ اس دن سفید کر دیجئے جس دن بہت سے چہرے سفید ہوں گے، اور بہت سے چہرے سیاہ

ہوں گے یعنی آخرت میں۔

(کنز العمال، ایضاً)

اور جب دایاں ہاتھ دھوئے تو یہ دعا پڑھے:

اَللّٰهُمَّ اَعْطِنِیْ كِتَابِیْ بِیَمِیْنِیْ وَحَاسِبْنِیْ حِسَابًا یَّسِیْراً۔

اے اللہ: مجھے میرا اعمال نامہ میرے داہنے ہاتھ میں عطا فرمائیے۔ کیونکہ جو نیک بندے ہیں، ان کو اعمال نامہ دائیں ہاتھ میں دیا جائے گا۔ اور میرا حساب آسان فرمادیجئے۔

(کنز العمال، ایضاً)

اور جب بایاں ہاتھ دھوئے تو یہ دعا کرے:

اَللّٰهُمَّ لَاتُعْطِنِیْ كِتَابِیْ بِشِمَالِیْ وَلَا مِنْ وَّرَاءِ ظَهْرِیْ۔

اے اللہ: آخرت میں میرا اعمال نامہ مجھے بائیں ہاتھ میں نہ دیجئے اور نہ مجھے میری پشت کی طرف سے دیجئے۔ کیونکہ کافروں اور جہنّمیوں کو ان کا اعمال نامہ پیچھے سے بائیں ہاتھ میں دیا جائے گا۔

(کنز العمال، ایضاً)

اور سر کا مسح کرے تو یہ دعا کرے:

اَللّٰھُمَّ اَظِلَّنِیْ تَحْتَ ظِلِّ عَرْشِکَ یَوْمَ لَاظِلَّ
اِلَّاظِلُّ عَرْشِکَ۔

اے اللہ: مجھے اس دن اپنے عرش کا سایہ عطا فرمایئے
جس دن آپ کے عرش کے سایہ کے علاوہ کوئی سایہ
نہیں ہوگا۔

(کنز العمال، ایضاً)

جب کانوں کا مسح کرے تو یہ دعا پڑھے:

اَللّٰھُمَّ اجْعَلْنِیْ مِنَ الَّذِیْنَ یَسْتَمِعُوْنَ الْقَوْلَ
فَیَتَّبِعُوْنَ اَحْسَنَہٗ۔

اے اللہ! مجھے ان لوگوں میں سے کیجئے جو سنی ہوئی
باتوں میں سے اچھی باتوں کی پیروی کرتے ہیں۔

(کنز العمال، حدیث نمبر ۲۶۹۹۱)

جب گردن کا مسح کرے تو یہ دعا کرے:

اَللّٰھُمَّ غَشِّنِیْ بِرَحْمَتِکَ

اے اللہ! آپ مجھے اپنی رحمت میں ڈھانپ لیجئے۔

(کنز العمال، حدیث نمبر ۲۶۹۹۰)

اور جب دایاں پاؤں دھوئے تو یہ دعا پڑھے:

اَللّٰھُمَّ ثَبِّتْ قَدَمَیَّ عَلَی الصِّرَاطِ یَوْمَ تَزِلُّ فِیْہِ
الْاَقْدَامُ۔

اے اللہ: میرے قدم پل صراط پر ثابت رکھئے اس دن
جس دن بہت سے قدم ڈگمگا جائیں گے۔
(کنز العمال، ایضاً)

اور جب بایاں پاؤں دھوئے تو یہ دعا پڑھے۔

اَللّٰهُمَّ اجْعَلْ لِیْ سَعْیاً مَّشْكُوْراً وَذَنْباً مَّغْفُوْراً
وَتِجَارَةً لَّنْ تَبُوْرَ۔

اے اللہ: میرے عمل کو قبول فرمالیجئے اور میری مغفرت
فرمایئے اور میری تجارت کو نفع بخش بنا دیجئے۔
(کنز العمال، حدیث نمبر ۲۶۹۹۱)

یہ اچھی دعائیں ہیں

یہ دعائیں بزرگوں نے وضو کرتے وقت پڑھنے کے لئے بتائی ہیں اور بڑی اچھی دعائیں ہیں، اگر اللہ تعالیٰ ان دعاؤں کو ہمارے حق میں قبول فرمالے تو بیڑہ پار ہو جائے۔ لیکن ان مواقع پر حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کا ان دعاؤں کو پڑھنا یا پڑھنے کے لئے کہنا ثابت نہیں، لہٰذا یہ دعائیں پڑھنا اس اعتبار سے سنّت نہیں ہیں کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے ہاتھ دھوتے وقت یہ دعا پڑھی، چہرہ دھوتے وقت یہ دعا پڑھی وغیرہ، اس لئے سنّت سمجھ کر ان دعاؤں کو نہیں پڑھنا چاہئے، لیکن ویسے ہی پڑھنا بڑی اچھی بات ہے۔ خود حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم سے دوسرے مواقع پر ان دعاؤں کا پڑھنا ثابت ہے،

بڑی اچھی دعائیں ہیں، ان کو ضرور پڑھیں، لیکن سنّت سمجھ کر نہیں پڑھنا چاہئے۔

مسنون دعائیں

لیکن وہ مسنون دعا جو حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے وضو کے دوران پڑھی، وہ دعا یہ ہے:

اَللّٰھُمَّ اغْفِرْلِیْ ذَنْبِیْ وَوَسِّعْ لِیْ فِیْ دَارِیْ
وَبَارِکْ لِیْ فِیْ رِزْقِیْ۔

اور دوسری دعا یہ پڑھا کرتے تھے:

اَشْھَدُ اَنْ لاَ اِلٰہ اِلّا اللّٰہُ وَاَشْھَدُ اَنَّ مُحَمَّدًا
عَبْدُہٗ وَرَسُوْلُہٗ

اور جب وضو ختم فرماتے تو یہ دعا فرماتے:

اَللّٰھُمَّ اجْعَلْنِیْ مِنَ التَّوَّابِیْنَ وَاجْعَلْنِیْ مِنَ
الْمُتَطَھِّرِیْنَ۔

اور دوسری دعا یہ پڑھا کرتے تھے:

سُبْحَانَکَ اللّٰھُمَّ اَشْھَدُ اَنْ لَا اِلٰہ اِلَّا اَنْتَ
وَحْدَکَ لَا شَرِیْکَ لَکَ۔ اَسْتَغْفِرُکَ
وَاَتُوْبُ اِلَیْکَ۔

دونوں دعاؤں میں فرق کرنا چاہئے

یہ دعائیں حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم سے پڑھنا ثابت ہیں۔ لہٰذا جو دعائیں آپ سے پڑھنا ثابت ہیں، ان کا تو خاص اہتمام کرے اور جو دعائیں ہر عضو دھوتے وقت بزرگوں سے پڑھنا منقول ہیں، وہ دعائیں بھی بہت اچھی ہیں، ان کو بھی یاد کر لینا چاہئے، ان کو بھی پڑھ لینا چاہئے۔ لیکن دونوں قسم کی دعاؤں میں فرق رکھنا چاہئے کہ جو دعائیں آپ سے براہ راست ان مواقع پر پڑھنا ثابت ہیں، ان کا اہتمام زیادہ ہونا چاہئے اور جو دعائیں آپ سے ثابت نہیں، ان کا اس درجہ اہتمام نہ ہونا چاہئے، بلکہ ان کو دوسرے درجہ پر رکھنا چاہئے۔

اصل چیز ''برکت'' ہے

بہر حال! وضو کے وقت حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے جو دعا مانگی، اس میں گھر کی وسعت کی دعا مانگی اور رزق میں برکت کی دعا مانگی۔ ذرا اس میں غور کریں کہ آپ ﷺ نے رزق کی کثرت کی دعا نہیں فرمائی کہ یا اللہ! مجھے رزق بہت زیادہ دیجئے، بلکہ یہ فرمایا کہ یا اللہ! میرے رزق میں برکت عطا فرمائیے۔ یعنی گنتی کے اعتبار سے چاہے رزق میں کثرت نہ ہو، پیسے بہت زیادہ نہ ہوں، مال و دولت بہت زیادہ نہ ہو، لیکن اس رزق میں برکت ہو۔ آج کی دنیا گنتی کی دنیا ہے، ہر چیز میں گنتی کی فکر ہے کہ گنتی میں میرا مال بڑھ جائے،

میرا بینک بیلنس بڑھ جائے، اور اس فکر کے نتیجے میں ہر وقت انسان اپنے پیسے گنتا رہتا ہے کہ میرے پاس کتنے پیسے ہوگئے۔ اسی کے بارے میں قرآن کریم میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

اَلَّذِیْ جَمَعَ مَالاً وَّعَدَّدَهٗ ○ یَحْسَبُ اَنَّ مَالَهٗ اَخْلَدَهٗ ○

یعنی یہ وہ شخص ہے جو مال جمع کرتا ہے اور ہر وقت گنتا رہتا ہے کہ کتنے ہوئے، اور خوش ہو رہا ہے کہ ہزار کے لاکھ ہوگئے اور لاکھ کے کروڑ ہوگئے۔ لیکن اس کو یہ معلوم نہیں کہ اس کی گنتی کے ذریعہ راحت حاصل نہیں ہوسکتی۔

پیسہ بذات خود راحت کی چیز نہیں

''پیسہ'' بذاتِ خود راحت کی چیز نہیں، بذات خود انسان کو آرام نہیں پہنچا سکتا، اگر انسان کے پاس پیسہ ہو، لیکن اس میں اللہ تعالیٰ کی طرف سے برکت نہ ہو، تو وہ پیسہ راحت کا سبب بننے کے بجائے الٹا عذاب کا سبب بن جاتا ہے۔

عبرت ناک واقعہ

حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی صاحب تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے مواعظ میں ایک واقعہ بیان فرمایا ہے کہ ایک شخص کے پاس سونے چاندی کے بڑے خزانے تھے، اور وہ ہر ہفتے ان خزانوں کا معائنہ کرنے جایا کرتا تھا، اس کا

ایک چوکیدار بھی رکھا ہوا تھا، اور اس خزانے کے تالے ایسے تھے کہ کوئی آدمی اندر سے وہ تالے نہیں کھول سکتا تھا، ایک دن وہ ان خزانوں کی گنتی کرنے کے لئے اور ان کا معائنہ کرنے کے لئے اندر گیا تو وہ دروازہ بند ہوگیا۔ اب وہ اندر سے اس دروازے کو کھولنے کی ہزار کوشش کرتا، مگر نہیں کھلتا، اب وہ سارے خزانوں کے درمیان بیٹھا ہے، وہاں سونا ہے، چاندی ہے، روپیہ پیسہ ہے، زمین سے لے کر چھت تک سونا بھرا ہوا ہے، لیکن وہ نہ تو اس کی بھوک مٹا سکتا ہے، نہ اس کی پیاس بجھا سکتا ہے، یہاں تک کہ اس کو باہر نکلنے کے لئے راستہ بھی فراہم نہیں کرسکتا، وہ سارا خزانہ ویسے ہی دھرا رہ گیا، اور اسی خزانے کے اندر بھوک اور پیاس کی وجہ سے اس کی موت واقع ہوگئی۔

روپے سے راحت نہیں خریدی جاسکتی

بہرحال! یہ روپیہ پیسہ نہ بھوک مٹا سکتا ہے، نہ پیاس بجھا سکتا ہے، اور نہ راحت پہنچا سکتا ہے، یہ راحت پہنچانا تو کسی اور ہی کی عطا ہے، وہ اگر راحت پہنچانا چاہے تو دس روپے میں پہنچادے، اور اگر نہ پہنچانا چاہے تو دس کروڑ میں نہ پہنچائے۔ کتنے بڑے بڑے امیر وکبیر ہیں، دولت مند ہیں، سرمایہ دار ہیں، خزانہ رکھنے والے ہیں، لیکن رات کو جب سونے کے لئے بستر پر لیٹتے ہیں تو نیند نہیں آتی، کروٹیں بدلتے رہتے ہیں، باوجودیکہ خزانے موجود ہیں، بینک بیلنس موجود ہے، کوٹھیاں کھڑی ہیں، کارخانے چل رہے ہیں، لیکن رات کو نیند نہیں آتی، رات کی نیند کی لذّت سے محروم ہیں۔ اور کتنے مزدور ایسے ہیں جنہوں

نے صبح سے لے کر شام تک بمشکل پچاس ساٹھ روپے کمائے، اور پھر شام کو خوب بھوک کی حالت میں ڈٹ کر روٹی کھائی، اور رات کو جو سوئے تو آٹھ گھنٹے کی بھرپور نیند لے کر صبح تازہ دم ہوکر بیدار ہوئے۔ اب بتایئے کہ وہ لاکھ روپے زیادہ فائدہ مند ہیں یا پچاس روپے زیادہ فائدہ مند ہیں، اس پچاس روپے نے اس کو فائدہ اور آرام اور راحت تو پہنچایا، اور وہ لاکھ روپے کمانے کے بعد بستر پر کروٹیں بدل رہا ہے۔

خراب پیسہ کام نہیں آتا

لہٰذا اللہ تعالیٰ سے جو چیز مانگنے کی ہے، وہ پیسے کی زیادتی نہیں ہے، بلکہ پیسے کی برکت مانگنے کی چیز ہے۔ آج یہ تصور ہمارے ذہنوں سے اوجھل ہوگیا ہے، آج تو یہ فکر ہے کہ کسی طرح پیسے بڑھ جائیں، اِدھر سے اُدھر سے، حلال و حرام سے، جائز و ناجائز طریقے سے، سچ بول کر یا جھوٹ بول کر، کسی طرح پیسے زیادہ ہو جائیں۔ مثلاً کسی سے ہزار روپے رشوت کے لے لئے، اور بہت خوش ہیں کہ آج ہزار روپے کما کر گھر لے جا رہا ہوں، لیکن جب گھر پہنچے تو معلوم ہوا کہ فلاں بچہ بیمار ہے، اس کو لے کر ڈاکٹر کے پاس لے گئے، ڈاکٹر نے ٹیسٹ لکھ دیے، اس کے ٹیسٹ کرانے میں ہی ہزار روپے خرچ ہوگئے، اب دیکھئے کہ اس کو ہزار روپے تو ملے، لیکن ان کا فائدہ حاصل نہیں ہوا۔ ایک شخص حلال کمانے والا شام کو سو روپے کما کر گھر لایا، اس کا ایک ایک روپیہ اس کی جان کو لگا، اور اس کا ایک ایک روپیہ اس کو راحت پہنچانے کا سبب بنا، اور اللہ

تعالیٰ نے اس کو بے شمار مصیبتوں سے بچالیا۔ لہٰذا اللہ تعالیٰ سے جو چیز مانگنے کی ہے، وہ رزق میں برکت ہے، اللہ تعالیٰ ہم سب کو عطا فرمادے۔ آمین۔

مالدار طبقہ زیادہ پریشان ہے

جب اللہ تعالیٰ یہ برکت عطا فرماتے ہیں تو روکھی سوکھی روٹی میں بھی عطا فرمادیتے ہیں، اسی میں زندگی کا عیش عطا فرمادیتے ہیں، اور اگر برکت نہیں ملتی تو پھر کروڑوں میں نہیں ملتی۔ لوگ میرے پاس آکر اپنے حالات بتاتے ہیں، اور مشورہ کرتے ہیں، اس سے معلوم ہوتا ہے کہ لوگ کن حالات میں زندگی گزار رہے ہیں۔ میں آپ کو یقین سے کہتا ہوں کہ بعض ایسے لوگ جن کی ظاہری حالت دیکھ کر لوگ ان پر رشک کرتے ہیں کہ ان کے پاس کتنی بڑی دولت ہے، کیسے ان کی کوٹھی بنگلے ہیں، کتنے ان کے نوکر چاکر ہیں، کیسی ان کی گاڑیاں اور کاریں ہیں۔ لیکن جب وہ اندر کی زندگی کا حال آکر بیان کرتے ہیں، اور اپنی بے چینی اور بے تابی کا اظہار کرتے ہیں، تو اس وقت پتہ چلتا ہے کہ یہ ظاہر میں جو کچھ نظر آرہا ہے، وہ ان مصیبتوں کے سامنے ہیچ ہیں جن کا یہ لوگ شکار ہیں۔ ان کے بارے میں کوئی تصور نہیں کرسکتا کہ اتنا مال و دولت رکھنے والا آدمی پریشان ہوگا اور اتنی مصیبت میں ہوگا، لیکن ایسے لوگ موجود ہیں۔ اور دوسری طرف ایسے لوگ بھی ہیں جو تھوڑا کماتے ہیں، لیکن ان کو اللہ تعالیٰ نے اپنے فضل سے راحت عطا فرمارکھی ہے۔

برکت نہیں تو مال بیکار ہے

بہر حال! اللہ تعالیٰ ہمارے ذہنوں میں یہ نکتہ بٹھا دے کہ گنتی کوئی چیز نہیں، اصل چیز برکت ہے۔ اس لئے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ دعا نہیں فرمائی کہ یا اللہ! میرے رزق میں اضافہ کر دیجئے، بلکہ یہ دعا فرمائی کہ اے اللہ! میرے رزق میں برکت عطا فرمایئے۔ یہ برکت ان کی عطا ہے، وہیں سے یہ برکت حاصل ہوتی ہے، اگر تم دنیا کا مال و دولت خوب کمالو، لیکن اگر اس میں اللہ تعالیٰ کی طرف سے برکت نہیں ہے تو وہ سب بیکار ہے، اور اگر ان کی طرف سے برکت حاصل ہے تو پھر تھوڑی چیز میں بھی راحت حاصل ہو جاتی ہے۔

گھر کی کشادگی مانگنے کی چیز ہے

حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے کیسی کیسی دعائیں ہمیں سکھا دی ہیں، اگر انسان اپنی ساری حاجتوں کا تصور بھی کرے کہ مجھے اس دنیا میں کیا کیا چیزیں درکار ہے اور تصور کرکے مانگنا چاہے تب بھی وہ چیز نہیں مانگ سکتا جس کا مانگنا حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم سکھا گئے۔ بہر حال! دنیا کی چیزوں میں گھر کی کشادگی ایسی چیز ہے جو اللہ تعالیٰ سے مانگنے کی چیز ہے اور حاصل کرنے کی چیز ہے اور انسان کی سعادت کا حصہ ہے۔

•

''نیک پڑوسی'' عظیم نعمت

دوسری چیز جو مسلمان کی سعادت اور خوش نصیبی کا حصہ ہے، وہ ''نیک پڑوسی'' ہے۔ اگر کسی کو نیک پڑوسی مل جائے تو یہ عظیم نعمت ہے، آج کے دور میں لوگوں نے اس نعمت کو بھلا دیا ہے، آج کے کوٹھی بنگلوں میں پڑوس کا تصور ہی نہیں رہا، سالہا سال سے ایک جگہ پر رہتے ہیں، مگر یہ پتہ نہیں ہے کہ دائیں طرف کون رہتا ہے اور بائیں طرف کس کا مکان ہے۔ لیکن حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ پڑوس کے اتنے حقوق ہیں اور حضرت جبرئیل امین علیہ السلام مجھے اس کی اتنی تاکید فرماتے رہے کہ مجھے خیال ہونے لگا کہ شاید پڑوس کو انسان کی میراث میں وارث ہی بنا دیا جائے گا، پڑوس کی اتنی اہمیت ہے۔ لہٰذا جب مکان تلاش کرو تو جہاں اس میں اور چیزیں دیکھو، وہاں یہ بھی دیکھ لو کہ اس کا پڑوس کیسا ہے؟ آیا شریف اور نیک لوگوں کا پڑوس ہے تو سمجھو کہ یہ نعمت ہے، اس لئے کہ انسان کا صبح شام پڑوس سے واسطہ پڑتا ہے اور اس کی صحبت انسان کو اٹھانی پڑتی ہے، اب جیسا پڑوس ہوگا، ویسی صحبت ہوگی، اور صحبت کا انسان کی زندگی پر انتہائی اثر پڑتا ہے، اچھی صحبت انسان کو اچھا بنا دیتی ہے اور بری صحبت انسان کو برا بنا دیتی ہے، اس لئے فرمایا کہ نیک پڑوسی بڑی عظیم نعمت ہے۔

حضرت ابوحمزہؒ کا واقعہ

محدّثین میں ایک بزرگ ہیں جن کی کنیت ''ابوحمزہ'' ہے، ان کو ''سُکَّرِی'' یا ''سَکَّرِی'' بھی کہا جاتا ہے، عربی میں 'سُکر'' نشے کو کہتے ہیں اور ''سُکَّر'' چینی کو کہتے ہیں۔ کہتے ہیں کہ ان کا نام ''ابوحمزہ سکری'' اس لئے پڑ گیا تھا کہ ان کی باتوں میں اتنا نشہ تھا کہ جب یہ لوگوں سے باتیں کرتے تھے تو ان کی باتیں اتنی لذیذ ہوتی تھیں کہ سننے والوں کو لذت کا نشہ آجاتا تھا۔ اور ''سُکری'' اس لئے کہا جاتا ہے کہ ان کی باتیں چینی کی طرح میٹھی ہوتی تھیں، ان کی باتوں میں حلاوت اور مٹھاس تھی۔

ایک مرتبہ ان کو پیسوں کی ضرورت پیش آئی، ان کے پاس ایک بڑا مکان تھا، مکان کے علاوہ کوئی اور چیز نہیں تھی جس کو بیچ کر پیسے حاصل کریں، انہوں نے ارادہ کیا کہ اس بڑے مکان کو بیچ کر کسی اور جگہ پر چھوٹا مکان خرید لوں اور جو پیسے بچیں اس سے اپنی ضرورت پوری کرلوں۔ چنانچہ انہوں نے ایک خریدار سے مکان کا سودا کرلیا اور ایک دو دن کے اندر مکان خالی کرکے اس کے حوالے کرنے کا وعدہ کرلیا۔

پڑوسیوں کو جب معلوم ہوا کہ ''ابوحمزہ سکری'' مکان بیچ کر کہیں اور جا رہے ہیں تو سارے پڑوسی مل کر ان کے پاس حاضر ہوئے اور ان سے کہا کہ ہم نے سنا ہے کہ آپ ہمارا محلّہ چھوڑ کر جا رہے ہیں، ہماری درخواست یہ ہے کہ آپ ہمارا محلّہ نہ چھوڑیں، اور جتنے پیسے خریدار اس مکان کے بدلے آپ کو

دے رہا ہے، ہم سب مل کر اتنے پیسے آپ کو دینے کے لئے تیار ہیں، لیکن آپ کا یہاں سے ہمارا پڑوس چھوڑ کر جانا قابل برداشت نہیں، اس لئے کہ آپ کے پڑوس کی بدولت ہمیں بہت سی نعمتیں میسر ہیں، ہمیں ایسا پڑوس ملنا مشکل ہے۔ بہرحال! اگر نیک اور خوش اخلاق اور اللہ والا پڑوس مل جائے تو یہ اتنی بڑی نعمت ہے کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کو انسان کی خوش نصیبی کی علامت قرار دیا۔

خوش گوار سواری، عظیم نعمت

تیسری چیز جو ایک مسلمان کی سعادت اور خوش نصیبی کی علامت ہے، وہ ہے "خوش گوار سواری" یعنی اگر انسان کو اچھی سواری مل جائے تو یہ بھی اللہ تعالیٰ کی عظیم نعمت اور انسان کی خوش نصیبی ہے اور خوش گوار ہونے کا مطلب یہ ہے کہ جس میں انسان آرام سے سفر کر سکے۔

تین چیزوں میں نحوست

ایک اور حدیث میں حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کے بالکل برعکس بات ارشاد فرمائی، آپ ﷺ نے فرمایا کہ دنیا میں نحوست تین چیزوں میں ہے، یعنی اگر نحوست ہوتی تو ان تین چیزوں میں ہوتی، ایک گھر، دوسری سواری، تیسری عورت۔ ویسے تو بدشگونی لینے کو اور کسی چیز کو منحوس قرار دینے کو حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے سختی سے منع فرمایا ہے۔ مثلاً یہ سوچنا کہ فلاں

چیز کی وجہ سے مجھ پر آفتیں آ رہی ہیں، یا فلاں چیز کی وجہ سے مصیبتیں اور بیماریاں آ رہی ہیں، یہ بدشگونی لینا کہ میری بیوی میں بدشگونی ہے، یا میرے گھر میں بدشگونی ہے، یا میری سواری میں بدشگونی ہے، حدیث شریف کی رو سے یہ سب ممنوع ہے۔

مکان میں نحوست کا مطلب

اس لئے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے بیان کرنے کا مقصد یہ ہے کہ اگر نحوست ہوتی تو ان تین چیزوں میں ہوتی، کیونکہ نحوست کا مطلب یہ ہے کہ اس کی وجہ سے انسان ہر وقت مشکلات کا شکار رہے۔ بالفرض اگر کسی انسان کو خراب گھر مل گیا، اب چونکہ گھر ایسی چیز نہیں ہے جس کو انسان صبح شام بدلتا رہے، بلکہ ایک عرصہ تک اس کے اندر انسان کو رہنا پڑتا ہے، لہٰذا جب تک وہ گھر موجود ہے، اس وقت تک اس کی تکلیفیں اٹھانی پڑیں گی، اور جتنے دن وہ اس میں رہے گا، وہ جان کو آ جائے گا، اس اعتبار سے مکان کے اندر نحوست ہے۔

سواری میں نحوست

دوسری چیز ''سواری'' ہے، اگر انسان کو سواری خراب مل گئی، تو سواری ایسی چیز نہیں ہے کہ انسان روز روز اس کو بدلتا رہے، اگر غلط سواری مل گئی تو وہ روز جان کھائے گی، مثلاً آج کل لوگوں کے پاس گاڑیاں ہیں، اگر کسی انسان کو

خراب گاڑی مل گئی تو اس کے لئے مصیبت بن جائے گی، کبھی راستے میں رک جائے گی، کبھی اس کو دھکے مار کر اسٹارٹ کرنا پڑے گا۔ ہمارے پڑوس میں ایک صاحب رہتے تھے، ان کے پاس ایک گاڑی تھی، ان کے بارے میں سارے محلّے میں یہ بات مشہور تھی کہ اگر ان کو شام کے پانچ بجے کہیں جانا ہوتا تو صبح نو بجے سے وہ گاڑی کو ٹھیک کرنے میں لگ جاتے، کبھی اس کے اوپر لیٹے ہیں اور کبھی نیچے لیٹے ہیں، کبھی دائیں طرف لیٹے ہیں اور کبھی بائیں طرف لیٹے ہیں، اور سارا دن اس کی مرمّت میں لگے رہتے تھے۔ لہٰذا اگر انسان کو گاڑی خراب مل جائے تو اس کی وجہ سے انسان کو اتنی تکلیف برداشت کرنی پڑتی ہے کہ اگر انسان اس پر سواری کرنے کے بجائے پیدل چلا جائے تو اچھا ہے۔ اس لئے فرمایا کہ سواری میں نحوست ہے، یعنی اس کی تکلیف مستقل ہے۔ اس لئے اگر اللہ تعالیٰ توفیق دے تو اس کو بدل ڈالو اور اچھی سواری خریدلو۔

اچھی بیوی دنیا کی جنّت

تیسری چیز ''بیوی'' ہے۔ اگر شوہر کو بیوی خراب مل جائے یا بیوی کو شوہر خراب مل جائے تو پھر زندگی بھر کا عذاب ہے، اگر شوہر کو اچھی بیوی مل جائے اور بیوی کو اچھا شوہر مل جائے تو اللہ تعالیٰ کی نعمت ہے اور دنیا کی جنّت ہے۔ حضرت علامہ شبیر احمد عثمانی رحمۃ اللہ علیہ بڑا خوبصورت جملہ ارشاد فرماتے تھے کہ:

''دنیا کی جنّت یہ ہے کہ میاں بیوی ایک ہوں اور نیک

ہوں"۔

مطلب یہ ہے کہ دونوں کی طبیعتیں ملی ہوئی ہوں اور دونوں نیک ہوں تو یہ دنیا کی جنّت ہے۔ لیکن اگر اس کے برعکس ہو تو زندگی بھر کا عذاب ہے، روزانہ صبح سے شام تک جھک جھک ہوتی ہے، کوئی راحت نہیں، بلکہ ہر وقت کی ایک مصیبت ہے۔ بہرحال! حدیث میں حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ان تین چیزوں میں نحوست ہے، لہٰذا ان کے شر سے اللہ تعالیٰ کی پناہ مانگنی چاہئے کہ یا اللہ! ان کے شر سے محفوظ رکھئے، اور اللہ تعالیٰ سے یہ دعا کریں کہ یا اللہ! گھر دیجئے تو راحت کا گھر عطا فرمائیے، سواری دیجئے تو راحت کی سواری عطا فرمائیے، اور زندگی کا ساتھی دیجئے تو راحت کا ساتھی عطا فرمائیے۔ اللہ تعالیٰ اپنی رحمت سے وہ تمام سعادتیں عطا فرمائے جو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے بیان فرمائی ہیں۔

بُرے پڑوسی سے پناہ مانگنا

اگلی حدیث میں حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے بُرے پڑوسی سے اللہ تعالیٰ کی پناہ مانگی ہے۔ چنانچہ حضرت ابو ہریرۃ رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ:

كان من دعاء النبى صلى الله عليه وسلم:

اَللّٰهُمَّ إنى أعُوْذُ بِكَ مِنْ جَارِ السُّوْءِ فِيْ دَارِ الْمَقَامِ فَإِنَّ جَارَ الْبَادِيَةِ يَتَحَوَّلُ ۔

یعنی حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم جو دعائیں مانگا کرتے تھے، ان میں ایک دعا

یہ بھی تھی کہ اے اللہ! میں آپ کی بُرے پڑوسی سے پناہ مانگتا ہوں، لیکن ساتھ یہ بھی فرما دیا کہ ایسی جگہ جہاں پر مجھے کافی عرصہ رہنا ہو، وہاں مجھے بُرا پڑوسی نہ ملے، اس لئے کہ ایسا پڑوسی جو راستے میں سفر کے دوران ساتھ ہو گیا، وہ تو تھوڑی دیر کا پڑوسی ہے، وہ تو مجھ سے جدا ہو جائے گا، لیکن میں ایسے پڑوسی سے پناہ مانگتا ہوں جس کے ساتھ مستقل رہنا ہو۔ اس سے معلوم ہوا کہ بُرا پڑوسی بھی پناہ مانگنے کی چیز ہے۔ اللہ تعالیٰ ہم سب کو بُرے پڑوسی سے پناہ عطا فرمائے۔ آمین۔

یہ خاتون جہنّمی ہے

ایک اور حدیث جو حضرت ابوہریرۃ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے، وہ فرماتے ہیں کہ:

قال رجل یا رسول اللّٰہ! إن فلانة تقوم اللیل و تصوم النهار و تفعل وتصدّق و تؤذی جیر انها بلسا نها، فقال رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم: لا خیر فیها هی من أهل النار۔ قالوا: وفلانة تصلی المکتوبة وتصدق بالاثوار ولا تؤذی أحدًا، فقال رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم: هی من أهل الجنّة۔

حضرت ابو ہریرۃ رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم سے کسی نے کہا کہ یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! دو عورتیں ہیں، ان میں سے ایک عورت ایسی ہے جو رات بھر تہجد پڑھتی ہے اور دن میں روزہ رکھتی ہے اور بہت سے نیک عمل کرتی ہے۔ ''تفعل'' میں معلوم نہیں کتنے نیک اعمال کا ذکر ہوگا، مثلاً تلاوت کرتی ہے، تسبیح پڑھتی ہے، اللہ تعالیٰ کا ذکر کرتی ہے، اور صدقہ بھی کرتی ہے، یعنی اللہ کے راستے میں پیسے بھی خرچ کرتی ہے، لیکن ساتھ ساتھ اپنے پڑوسیوں کو اپنی زبان سے تکلیف پہنچاتی ہے۔ یہ اوصاف ذکر کرنے کے بعد آپ سے پوچھا کہ اس عورت کا کیا حکم ہے؟ سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اس عورت میں کوئی بھلائی نہیں، یہ عورت جہنمی ہے۔ العیاذ باللہ۔ اب آپ اندازہ لگائیں کہ وہ عورت رات کو تہجد پڑھ رہی ہے اور دن میں روزہ رکھ رہی ہے، اس کے علاوہ ''تلاوت، ذکر، صدقہ خیرات'' سب کچھ کر رہی ہے، لیکن ان سب چیزوں کے باوجود حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ یہ عورت جہنمی ہے، کیونکہ یہ عورت اپنی زبان سے اپنے پڑوسیوں کو تکلیف پہنچا رہی ہے۔

یہ خاتون جنتی ہے

پھر ایک دوسری عورت کے بارے میں سوال کیا کہ یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! ایک اور عورت ہے جو صرف فرض نماز پڑھتی ہے، نفلی نماز وغیرہ نہیں پڑھتی، یعنی تہجد وغیرہ کی پابند نہیں ہے، صرف فرائض وسنن پر اکتفا کر لیتی ہے،

اور اگر صدقہ بھی کرتی ہے تو بس پنیر کے چند ٹکڑے صدقہ کر دیتی ہے، یعنی کوئی قیمتی چیز بھی صدقہ نہیں کرتی، لیکن یہ خاتون کسی کو تکلیف بھی نہیں پہنچاتی۔ یہ اوصاف ذکر کرنے کے بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا کہ اس عورت کا کیا حکم ہے؟ آپ نے فرمایا کہ یہ خاتون جنتی ہے، یعنی جنّت والوں میں سے ہے۔

جہنّمی ہونے کی وجہ

اب آپ ذرا ان دونوں عورتوں میں مقابلہ کر کے دیکھیں کہ ایک عورت تو عبادت میں لگی ہوئی ہے، اور اللہ تعالیٰ کے ذکر و فکر میں لگی ہوئی ہے، تہجد پڑھتی ہے، اشراق پڑھتی ہے، چاشت پڑھتی ہے، اور صدقہ خیرات بہت کرتی ہے، لیکن اس کی زبان میں ڈنگ ہے، جب کسی سے بات کرتی ہے تو اس کو ڈنگ مارتی ہے اور اس سے لوگوں کو تکلیف پہنچتی ہے۔ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے اس عورت کو اہل جہنم میں سے قرار دیا، کیوں؟ اس لئے کہ تہجد، اشراق، چاشت، تسبیحات وغیرہ یہ سب نفلی عبادتیں ہیں، اگر کوئی کرے تو اس پر ثواب ہے اور اگر کوئی نہ کرے تو اس پر اس کو کوئی گناہ نہیں، لیکن دوسرے کو اپنی زبان سے تکلیف پہنچانا حرام قطعی ہے، اور دوسرے کو اپنی زبان کی تکلیف سے بچانا فرض عین ہے، اور زبان سے کوئی ایسا کلمہ نکالنا جس سے دوسرے کا دل ٹوٹ جائے یا ایسا انداز اختیار کرنا جس سے دوسرے کی دل شکنی ہو جائے، یہ بڑا خطرناک عمل ہے۔

یہ زبان جہنم میں ڈالنے والی ہے

ایک اور حدیث ہے جو بڑے ڈرنے کی حدیث ہے کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ لوگوں کو سب سے زیادہ جہنم میں اوندھے منہ گرانے والی چیز انسان کی زبان ہے۔ انسان کی زبان ایسی چیز ہے کہ اس کے غلط استعمال کرنے کے نتیجے میں انسان کو جہنم کے اندر اوندھے منہ گرایا جائے گا، اللہ تعالیٰ ہم سب کی حفاظت فرمائے۔ آمین۔

دوسری عورت کے بارے میں لوگوں نے بتایا کہ وہ نفلی عبادت تو زیادہ نہیں کرتی، لیکن وقت پر اپنے فرائض بجالاتی ہے، اور تھوڑا بہت نفلی صدقہ بھی کردیتی ہے، لیکن کسی کو تکلیف نہیں پہنچاتی، ایسی عورت کے بارے میں حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ وہ اہل جنّت میں سے ہے۔

نفلی عبادات گناہوں کے عذاب سے نہیں بچاسکتیں

اس کے ذریعہ یہ بتلانا منظور ہے کہ اللہ تعالیٰ نفلی عبادتوں کو بڑا پسند فرماتے ہیں اور نفلی عبادت کرنا اللہ تعالیٰ کی محبّت کا حق ہے، لیکن نفلی عبادتوں پر بھروسہ کرکے صریح گناہ کا ارتکاب کرنا، یا یہ سمجھنا کہ میں تو بہت زیادہ نفلی عبادتیں کرتا ہوں یا کرتی ہوں، لہٰذا میں تو بڑا عابد زاہد ہوں، اور پھر اس کے نتیجے میں مخلوق کو حقیر سمجھنا اور ان کے ساتھ حقارت کا برتاؤ کرنا، ان کے ساتھ ایسا برتاؤ کرنا جس سے ان کی دل شکنی ہو، یہ عمل اللہ تعالیٰ کو انتہائی ناپسند ہے،

اور اس صورت میں اس کی نفلی عبادتیں اس کو ان گناہوں کے عذاب سے نہیں بچا سکتیں جن کا تعلق حقوق العباد سے ہے، اس لئے کہ اس نے بندوں کے حق کو پامال کیا اور بندوں کی دل شکنی کی۔

زبان کی حفاظت کریں

حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی اس حدیث میں یہ الفاظ آئے ہیں کہ "توذی بلسانها" یعنی وہ عورت زبان سے تکلیف پہنچاتی ہے۔ بعض لوگوں کی طبیعت ایسی ہوتی ہے کہ جب بھی وہ کسی سے بات کریں گے تو ٹیڑھی بات کریں گے، یا کوئی اعتراض کر دیں گے، یا کوئی شکایت کر دیں گے، کوئی ایسا انداز اختیار کریں گے جس سے دوسرے کا دل ٹوٹ جائے گا، العیاذ باللہ۔ یہ بڑا خطرناک معاملہ ہے۔ جن لوگوں کو اس قسم کی عادت ہو، وہ اپنے گریبان میں منہ ڈال کر دیکھیں اور اپنی عاقبت اور آخرت کی فکر کرتے ہوئے اپنی زبان کی حفاظت کریں، اس لئے کہ یہ عمل انسان کو جہنم میں لے جانے والا ہے۔

مفتی اعظمؒ کا بیواؤں کی خدمت کرنا

میرے والد ماجد رحمۃ اللہ علیہ اپنے ایک استاذ حضرت مولانا مفتی عزیز الرحمٰن صاحب قدس اللہ سرہ کا ذکر فرمایا کرتے تھے، جو دارالعلوم دیوبند کے مفتی اعظم تھے اور میرے والد ماجد رحمۃ اللہ علیہ کے استاذ تھے۔ ان کے علم اور فقہ کا سارے ملک میں ڈنکا بجا ہوا تھا۔ ان کی حالت یہ تھی کہ جب وہ صبح

دارالعلوم دیوبند میں سبق پڑھانے کے لئے جاتے، تو مدرسہ کے آس پاس محلّے میں جو بیوہ عورتیں رہتی تھیں، پہلے ان کے پاس جاتے اور ان سے کہتے کہ بی بی! اگر بازار سے تمہیں کوئی سودا منگوانا ہے تو بتا دو، میں لا دیتا ہوں۔ اب ایک خاتون نے کہا کہ میرے لئے آلو لے آئیں، دوسری نے کہا کہ میرے لئے دال لے آئیں، کسی نے کہا کہ میرے لئے دھنیہ پودینہ لے آئیں۔ پھر بازار جاتے، وہاں سے سودا خریدتے، اور ان کی پوٹلیاں بنا کر گھر گھر تقسیم کرتے۔ بعض اوقات یہ بھی ہوتا کہ کوئی خاتون کہتی کہ مولوی صاحب میں نے تو ٹماٹر منگوائے تھے، آپ آلو لے آئے۔ کوئی خاتون کہتی کہ میں نے اتنا منگوایا تھا، آپ اتنا لے آئے۔ وہ جواب میں فرماتے کہ اچھا بی بی کوئی بات نہیں، میں دوبارہ بازار جا کر بدل کر لے آتا ہوں۔ چنانچہ دوبارہ بازار جا کر وہ چیز بدلواتے اور دوبارہ پہنچاتے۔ یہ آپ کا روزانہ کا معمول تھا کہ دارالعلوم دیوبند میں مفتی اعظم بن کر بیٹھنے سے پہلے اپنے محلّے کی بیواؤں کے یہ کام کرتے تھے۔

کسی کو منہ پر نہیں جھٹلانا چاہئے

آپ کی ایک عادت یہ تھی کہ کوئی شخص آپ کے سامنے چاہے کتنی ہی غلط بات کہہ رہا ہو، لیکن آپ سے اس کے منہ پر یہ نہیں کہا جاتا تھا کہ تم غلط بات کہہ رہے ہو، تاکہ کہیں اس کی دل شکنی نہ ہو جائے۔ لیکن ظاہر ہے کہ غلط بات کو صحیح تو نہیں کہہ سکتے، لہٰذا آپ اس شخص کی بات کی کوئی تاویل کر کے اس سے فرماتے کہ اچھا شاید آپ کی بات کا یہ مطلب ہے۔ خود ہی اس کی کوئی

تاویل کر کے اس کی بات کو صحیح کر دیتے تھے، لیکن کسی کے منہ پر اس کو جھٹلانے سے ہمیشہ پرہیز کیا کرتے تھے۔ یہ کون تھے؟ یہ ہندوستان کے "مفتی اعظم" تھے، جن کے فتویٰ پر ہندوستان کے تمام علماء سرِ تسلیم خم کیا کرتے تھے۔ آج ان کے فتاویٰ دس ضخیم جلدوں میں شائع ہونے کے باوجود بھی مکمل نہیں ہوئے، جنہوں نے اپنے فتووں سے ساری دنیا کو سیراب کیا۔ ان کی سادگی کا یہ عالم تھا کہ کوئی دیکھ کر پہچان نہیں سکتا تھا کہ یہ اتنا بڑا عالم ہوگا۔ لہٰذا اگر کوئی دوسرا بات کر رہا ہو، اگرچہ وہ بات غلط ہو، اس کی بات کو رد کرنے کے بجائے ایسا عنوان اختیار کرنا چاہئے جس سے اس کی دل شکنی نہ ہو۔

حقیقی مسلمان کون؟

یہ بڑے کانٹے کی بات ہے کہ آدمی ہر وقت اس کی فکر کرے کہ میری زبان سے کسی کو تکلیف نہ ہو۔ حدیث شریف میں حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے:

المسلم من سلم المسلمون من لسانه ويده

مسلمان وہ ہے جس کی زبان اور ہاتھ سے دوسرے مسلمان محفوظ رہیں۔ یہ ہے مسلمان کی تعریف۔ ہمارے والد ماجد حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحب رحمۃ اللہ علیہ ایک شعر پڑھا کرتے تھے کہ:

تمام عمر اسی اہتمام میں گزری
کہ آشیاں کس شاخ چمن پہ بار نہ ہو

یعنی میری وجہ سے کسی کو تکلیف نہ پہنچے۔ یہی سارے آداب معاشرت کا خلاصہ ہے۔

پڑوسن کی بکری کا روٹی کھاجانا

ایک حدیث میں حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے اپنا ایک واقعہ بیان فرمایا کہ ایک مرتبہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم میرے گھر تشریف لائے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ازواج مطہراتؓ کے پاس جانے کے لئے باریاں مقرر فرمائی ہوئی تھیں، ایک دن ایک کے پاس اور دوسرے دن دوسری کے پاس۔ حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا فرماتی ہیں کہ اس روز میری باری تھی۔ ویسے تو ہر بیوی کی خواہش ہوتی ہے کہ اپنے شوہر کی خوب خدمت کرے، اس کو اچھے سے اچھا کھانا کھلائے۔ اور حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم سے جتنی محبت کرتی تھیں، ایسی محبت تو دنیا میں کوئی بیوی کر ہی نہیں سکتی۔ اس لئے حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی یہ خواہش ہوئی کہ آج حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم میرے گھر تشریف لا رہے ہیں تو آپ ﷺ کے لئے اچھا کھانا بنالوں لیکن اچھا کھانا کس طرح بنائیں، اس لئے کہ جو کچھ آتا تھا وہ تو اللہ کی راہ میں خرچ ہو جاتا تھا۔ حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا فرماتی ہیں کہ گھر میں کچھ جو پڑے تھے، میں نے ان کو چکی میں پیس کر ان کا آٹا بنایا اور پھر اس کی ایک روٹی بنائی، خیال یہ تھا کہ جب حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لائیں گے تو ان کی خدمت میں پیش کروں گی، جب حضور اقدس صلی

اللہ علیہ وسلم گھر میں تشریف لائے تو چونکہ سردی کا موسم تھا اور آپ ﷺ کو سردی لگ رہی تھی، اس لئے آپ ﷺ نے حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے فرمایا کہ مجھے سردی لگ رہی ہے۔ حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے گرم بستر کا انتظام کر دیا، آپ ﷺ لیٹ گئے اور آپ ﷺ کی آنکھ لگ گئی۔ حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا فرماتی ہیں کہ میں اس انتظار میں تھی کہ جب آپ ﷺ بیدار ہوں تو جو روٹی میں نے آپ کے لئے پکائی ہے وہ آپ کی خدمت میں پیش کروں۔

اتنے میں پڑوس کے گھر کی بکری ہمارے گھر میں آئی اور وہ روٹی جو میں نے اتنی محنت اور چاہت سے پکائی تھی، وہ بکری اٹھا کر لے گئی، میں اس بکری کو اپنی آنکھوں سے روٹی لے جاتے ہوئے دیکھ رہی تھی، لیکن چونکہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم سو رہے تھے، اس لئے میں نے اس بکری کو نہیں روکا، تاکہ کہیں شور کی وجہ سے آپ کی آنکھ نہ کھل جائے، یہاں تک کہ وہ بکری روٹی اٹھا کر گھر سے باہر چلی گئی۔ اس کے روٹی لے جانے سے مجھے بہت سخت صدمہ ہوا۔ اس کے بعد حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم بیدار ہوئے، جیسے ہی آپ بیدار ہوئے تو میں دروازے کی طرف بھاگی کہ شاید وہ بکری کہیں نظر آ جائے۔

روٹی کی وجہ سے پڑوسی کو تکلیف مت دینا

جب حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کو گھبراہٹ کی حالت میں دیکھا تو ان سے پوچھا کہ کیا بات ہے؟ میں نے

سارا قصہ سنادیا کہ میں نے اتنی محنت سے روٹی آپ کے لئے پکائی تھی، مگر بکری وہ روٹی لے کر بھاگ گئی، اس لئے مجھے بڑا صدمہ ہو رہا ہے۔ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اس روٹی کا جو کچھ بچا ہوا حصّہ تمہیں مل جائے وہ لے آؤ، اور اس بکری کی وجہ سے اپنے پڑوسی کو کوئی تکلیف مت دینا اور اس کو بُرا بھلا مت کہنا کہ تمہاری بکری میری روٹی کھا گئی اور میرا نقصان کر گئی۔ اب دیکھئے کہ اس موقع پر بھی حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ تلقین فرمائی کہ اپنے پڑوسی کو برا بھلا مت کہنا، اس لئے کہ اس میں اس پڑوسی کا قصور نہیں ہے، اور اگر اس کا قصور بھی ہو تب بھی اگر تمہاری ایک روٹی چلی گئی تو کیا ہوا، اس کے ساتھ تو تمہیں عمر بھر نباہ کرنا ہے، اگر تم اس کے ساتھ لڑائی مول لوگی تو اس سے ہمیشہ کے لئے تعلّقات خراب ہوں گے، اور یہ تعلقات اس روٹی کے مقابلے میں زیادہ قیمتی ہیں۔

ہم اس روٹی کی قدر کیا جانیں

آج ہم لوگ اس زمانے کا ذرا تصور کریں تو ہم لوگ اس روٹی کی قدر و قیمت نہیں پہچان سکتے جو حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے پکائی تھی۔ اس لئے کہ آج تو اللہ تعالیٰ نے رزق کی فراوانی کر دی ہے، روٹی کی کوئی قدر و قیمت ہمارے دلوں میں نہیں ہے، اگر آج ایک روٹی چلی جائے تو کوئی فرق نہیں پڑتا، لیکن اس وقت تو یہ عالم تھا کہ ذرا سا جو پڑا ہوا تھا، اس کو پیس کر بمشکل ایک روٹی تیار کی، وہ روٹی بھی بکری اٹھا کر لے گئی۔ لیکن اس کے باوجود

حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے اہتمام کے ساتھ فرمایا کہ اس بکری کی وجہ سے اپنے پڑوسی کو تکلیف مت دینا۔

ایسا پڑوسی جنّت میں نہیں جائیگا

ایک اور حدیث میں حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ:

لایدخل الجنّة من لایأ من جاره بوائقه۔

(کنزالعمال، حدیث نمبر ۲۶۹۰۸)

وہ شخص جنّت میں داخل نہیں ہوگا جس کا پڑوسی اس کی تکلیف دہی سے محفوظ نہ ہو۔ گویا کہ جنّت میں داخل ہونے کی ایک بنیادی شرط یہ ہے کہ اپنی ذات سے پڑوسی کو تکلیف نہ پہنچے۔ ایک اور حدیث میں حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

نَظّفوا افنیتکم۔

(ترمذی شریف، کتاب الادب، باب ماجاء فی النظافۃ)

اپنے گھر کے سامنے والی جگہ کو صاف کیا کرو۔ یہ نہ ہو کہ گھر کے سامنے اور آس پاس کوڑے کرکٹ کے انبار لگا دو، جس کے نتیجے میں پڑوسیوں کو بھی اس سے تکلیف پہنچے اور آنے جانے والوں کو بھی تکلیف پہنچے۔ بعض لوگ اپنے گھر کے اندر جھاڑو دیکر سارا کوڑا دوسرے کے گھر کے دروازے پر پھینک دیتے ہیں، یہ ''بوائق الجار'' ہے، جس کے نتیجے میں وہ جنّت میں داخل نہیں ہوگا۔ اگر سب لوگ اس حدیث پر عمل کرلیں اور ہر شخص اپنے گھر کے آس پاس کا علاقہ صاف

ستھرا رکھنے کی کوشش کرے تو پھر شہر میں "بلدیہ" کی ضرورت نہ رہے۔

ایک نومسلم انگریز کا واقعہ

چونکہ یہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے، اس لئے صفائی ستھرائی بھی دین کا حصہ ہے۔ آج لوگ یہ سمجھتے ہیں کہ یہ صفائی ستھرائی دنیاداری کا کام ہے، اس کا دین سے کوئی تعلق نہیں۔ میرے والد ماجد رحمۃ اللہ علیہ ایک قصہ سنایا کرتے تھے کہ جامع مسجد دہلی کے پاس ایک انگریز رہتا تھا، وہ مسلمان ہوگیا، اب وہ مسجد میں نماز کے لئے آنے لگا، جب اس کو وضو کرنے کی ضرورت ہوتی تو وہ وضو خانے میں وضو کرتا۔ اس نے دیکھا کہ یہ وضوخانہ بہت گندا ہو رہا ہے، اس کی نالیاں بہت خراب ہو رہی ہیں، کہیں کائی جم رہی ہے، کہیں ناک کی ریزش پڑی ہوئی ہے، کہیں کچھ پڑا ہے، کہیں کچھ، کچھ دن تک تو دیکھتا رہا، ایک دن اس نے سوچا کہ جب کوئی اور آدمی اس کی صفائی نہیں کر رہا ہے تو چلو میں ہی اس کی صفائی کر دوں۔ چنانچہ اس نے جھاڑو لے کر وضوخانے کی نالیوں کو صاف کرنا شروع کر دیا، کسی شخص نے دیکھا کہ یہ انگریز نالیاں صاف کر رہا ہے تو اس نے دوسرے لوگوں سے کہا کہ یہ انگریز مسلمان تو ہوگیا ہے لیکن انگریزیت کی خوبو اس کے دماغ سے اب تک نہیں گئی۔

مطلب یہ تھا کہ یہ صفائی ستھرائی انگریزیت کی خوبو ہے، اس صفائی کا دین سے کوئی تعلق نہیں ہے۔ العیاذ باللہ۔ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کا تو یہ ارشاد ہے کہ اپنے گھر کے آس پاس کی جگہوں کو بھی صاف کرو، یہ بھی پڑوسیوں

کے حقوق میں داخل ہے۔

پڑوس کے ہدیہ کی قدر کرنی چاہئے

ایک روایت میں حضرت عمرو بن معاذ اشہلی رضی اللہ تعالیٰ عنہ اپنی دادی سے روایت کرتے ہیں، وہ فرماتی ہیں کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھ سے فرمایا:

یانساء المؤمنات: لاتحقرنّ احداکن لجارتها ولو کراع شاة محرقاً۔

(کنز العمال، حدیث نمبر ۲۴۹۳۷)

یہ روایت کرنے والی صحابیہؓ ہیں، ان کے ذریعہ آپ نے امت کی تمام عورتوں کو یہ پیغام دیا کہ اے مسلمان عورتوں! تم میں سے کوئی عورت اپنی پڑوسن کو حقیر نہ سمجھے، اور اگر کوئی پڑوسن تمہیں ہدیہ بھیج رہی ہے تو اس کے ہدیہ کو حقیر نہ سمجھے، چاہے وہ ہدیہ ایک بکری کا جلا ہوا پایہ ہی کیوں نہ ہو، اور یہ نہ کہو کہ اس پڑوسن نے کیسی معمولی چیز بھیج دی۔ ارے تم اس کو مت دیکھو کہ اس نے کیا چیز بھیجی، وہ چھوٹی ہے یا بڑی، اصل چیز دیکھنے کی یہ ہے کہ اس نے کس محبّت اور خلوص کے ساتھ وہ ہدیہ بھیجا ہے، لہٰذا اس ہدیہ کی قدر کرو اور اس کا حق ادا کرنے کی کوشش کرو۔

یہودی پڑوسی کو گوشت کا ہدیہ

حضرت مجاہد رحمۃ اللہ علیہ حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے خاص شاگرد ہیں، وہ فرماتے ہیں کہ ایک مرتبہ میں ان کے پاس بیٹھا ہوا تھا، ان کا غلام ایک بکری کی کھال اتار رہا تھا، حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اس غلام سے فرمایا کہ اے لڑکے! جب تم کھال اتار چکو تو سب سے پہلے اس کا گوشت ہمارے یہودی پڑوسی کو بھیجنا۔ ایک صاحب جو قریب میں بیٹھے ہوئے تھے، انہوں نے تعجب سے کہا: "الیھودی! أصلحک اللّٰہ" کیا یہودی کو گوشت بھیجنا، اللہ تعالیٰ آپ کی اصلاح کرے۔ مطلب یہ تھا کہ یہودی جو خدا کا دشمن ہے، آپ اس کو ہدیہ بھیج رہے ہیں، آپ کا یہ عمل قابل اصلاح ہے۔ اس پر حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا کہ:

إنی سمعت رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم

یوصی بالجار حتی خشینا أنہ سیورثہ۔

(مصنف ابن أبي شیبہ۔ کتاب الادب، باب ماجاء فی حق الجوار)

میں نے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا ہے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم پڑوسی کے بارے میں وصیّت فرماتے تھے کہ پڑوسیوں کے ساتھ حسن سلوک کرو، یہاں تک کہ ہمیں یہ اندیشہ ہوا کہ آپ اس کو ہمارا وارث بنا دیں گے۔

پڑوسی کے ساتھ حسن سلوک

اس حدیث کے ذریعہ حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے یہ بتلا دیا کہ پڑوسی کے ساتھ حسن سلوک کی جو تعلیم حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے دی ہے، اس کا تعلق ایمان اور کفر سے نہیں ہے، لہٰذا اگر پڑوسی کافر بھی ہے تب بھی بحیثیت پڑوسی کے اس کے ساتھ حسن سلوک کرنا ہے، اس کے کفر سے نفرت کرو، اس کے فسق و فجور سے نفرت کرو، لیکن اس کے ساتھ حسن سلوک کرو، اس لئے کہ یہی حسن سلوک بالآخر دعوت کا ذریعہ بنتا ہے، کیونکہ جب تم اس کے ساتھ اچھا سلوک کرو گے اور اس کے ساتھ خوش اخلاقی کا معاملہ کرو گے تو اس کی برکت سے ہوسکتا ہے کہ اللہ تعالیٰ اس کے دل میں ایمان ڈال دیں۔ قرون اولیٰ میں جو اسلام پھیلا، وہ درحقیقت اسی خوش اخلاقی سے پھیلا، اسی حسن سلوک سے پھیلا، لہٰذا اگر کوئی کافر ہے تو اس کے کفر سے اور اس کی بداعمالیوں سے نفرت کرو اور اس کے قریب مت پھٹکو، لیکن جہاں تک اس کے اداء حقوق کا تعلق ہے، وہ تمہارے ذمے ضروری ہیں، اگر وہ پڑوسی ہے تو پڑوس ہونے کا حق ادا کرنا چاہئے۔ اللہ تعالیٰ مجھے اور آپ سب کو اس پر عمل کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین۔

وَآخِرُ دَعْوَانَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ

جمعۃ الوداع کی شرعی حیثیت

شیخ الاسلام حضرت مولانا مفتی محمد تقی عثمانی صاحب مدظلہم

ضبط و ترتیب
محمد عبداللہ میمن

میمن اسلامک پبلشرز
۱۸۸/۱۔ لیاقت آباد، کراچی ۱۹

موضوع خطاب :

مقام خطاب : جامع مسجد بیت المکرّم
گلشن اقبال کراچی

وقت خطاب : بعد نماز عصر تا مغرب

اصلاحی خطبات : جلد نمبر ۱۲

صفحات :

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْم ط

جمعۃ الوداع کی شرعی حیثیت

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ نَحْمَدُهٗ وَ نَسْتَعِيْنُهٗ وَ نَسْتَغْفِرُهٗ وَ نُؤْمِنُ بِهٖ وَنَتَوَكَّلُ عَلَيْهِ وَنَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنْ شُرُوْرِ اَنْفُسِنَا وَمِنْ سَيِّئَاتِ اَعْمَالِنَا۔ مَنْ يَّهْدِهِ اللّٰهُ فَلَا مُضِلَّ لَهٗ وَمَنْ يُّضْلِلْهُ فَلَا هَادِىَ لَهٗ وَأَشْهَدُاَنْ لَّا إِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَحْدَهٗ لَاشَرِيْكَ لَهٗ وَاَشْهَدُاَنَّ سَيِّدَنَا وَنَبِيَّنَا وَمَوْلَانَا مُحَمَّداً عَبْدُهٗ وَ رَسُوْلُهٗ صَلَّى اللّٰهُ تَعَالٰى عَلَيْهِ وَعَلٰى اٰلِهٖ وَاَصْحَابِهٖ وَبَارَكَ وَسَلَّمَ تَسْلِيْمًا كَثِيْرًا كَثِيْرًا۔

أَمَّا بَعْدُ! فَاَعُوْذُبِاللّٰهِ مِنَ الشَّيْطٰنِ الرَّجِيْمِ بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ط

وَلِتُكْمِلُوا الْعِدَّةَ وَلِتُكَبِّرُوا اللّٰهَ عَلٰى مَاهَدٰكُمْ
وَلَعَلَّكُمْ تَشْكُرُوْنَ O

(سورۃ البقرہ، آیت ۱۸۵)

آمنت باللّٰہ صدق اللّٰہ مولانا العظیم، وصدق رسولہ النبی الکریم، ونحن علی ذٰلک من الشاھدین والشاکرین والحمدللّٰہ ربّ العالمین

مبارک مہینہ

بزرگانِ محترم و برادرانِ عزیز! اللہ جل شانہ کا بڑا انعام وکرم ہے کہ اس نے ہمیں اور آپ کو ایک رمضان کا مہینہ اور عطا فرمایا، یہ وہ مہینہ ہے جس میں اللہ تعالیٰ کی رحمت کی گھٹائیں بندوں پر جھوم جھوم کر برستی ہیں، جس میں اللہ جل شانہ کی رحمت بندوں کی مغفرت کے لئے بہانے ڈھونڈتی ہے، چھوٹے چھوٹے عمل پر اللہ جل شانہ کی طرف سے رحمتوں اور مغفرتوں کے وعدے ہیں۔ یہ مبارک مہینہ اللہ تعالیٰ نے ہمیں عطا فرمایا، اور آج اس مبارک مہینے کا آخری جمعہ ہے، اور اس مبارک مہینے کے ختم ہونے میں چند دن باقی ہیں۔

آخری جمعہ اور خاص تصورات

اس آخری جمعہ کے بارے میں بعض لوگوں کے ذہنوں میں کچھ خاص تصورات ہیں جن کی اصلاح ضروری ہے۔ عام طور پر ہمارے معاشرے میں

یہ سمجھا جاتا ہے کہ یہ آخری جمعہ جس کو ''جمعۃ الوداع'' بھی کہتے ہیں، یہ کوئی مستقل تہوار ہے اور اس کے کچھ خاص احکام ہیں، اس کی کوئی خاص عبادتیں ہیں جو حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے تجویز فرمائی ہیں۔ اور لوگوں نے اس دن عبادت کرنے کے مختلف طریقے گھڑ رکھے ہیں، مثلاً جمعۃ الوداع کے دن اتنی رکعتیں نوافل پڑھنی چاہئے اور ان رکعتوں میں فلاں فلاں سورتیں پڑھنی چاہئے۔

جمعۃ الوداع کوئی تہوار نہیں

خوب سمجھ لیجئے کہ اس قسم کی کوئی ہدایت حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے نہیں دی، جمعۃ الوداع بحیثیت جمعۃ الوداع کوئی تہوار نہیں، نہ اس کے لئے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے کوئی احکام الگ سے عطا فرمائے، نہ اس دن میں عبادت کا کوئی خاص طریقہ بتلایا، نہ اس دن میں کسی خاص عمل کی تلقین فرمائی جو عام دنوں میں نہ کیا جاتا ہو۔ بلکہ یہ عام جمعوں کی طرح ایک جمعہ ہے، البتہ اتنی بات ضرور ہے کہ ویسے تو رمضان المبارک کا ہر لمحہ ہی قابل قدر ہے لیکن رمضان کا جمعہ بڑا قابل قدر ہے۔ حدیث شریف کے بیان کے مطابق رمضان ''سیّد الشھور'' ہے، یعنی تمام مہینوں کا سردار ہے، اور جمعہ ''سیّد الایام'' ہے، یعنی تمام دنوں کا سردار ہے، لہٰذا جب رمضان المبارک میں جمعہ کا دن آتا ہے تو اس دن میں دو فضیلتیں جمع ہو جاتی ہیں، ایک رمضان کی فضیلت، اور دوسری جمعہ کی فضیلت، اس لحاظ سے رمضان کا ہر جمعہ بڑا قابل قدر ہے۔

یہ آخری جمعہ زیادہ قابل قدر ہے

اور آخری جمعہ اس لحاظ سے زیادہ قابل قدر ہے کہ اس سال یہ مبارک دن دوبارہ نہیں ملے گا، سارے رمضان میں چار یا پانچ جمعے ہوتے ہیں، تین جمعے گزر چکے ہیں اور یہ اب آخری جمعہ ہے، اب اس سال یہ نعمت میّسر آنے والی نہیں، اللہ تعالیٰ نے اگر زندگی دی تو شاید آئندہ سال یہ نعمت دوبارہ مل جائے، اس لئے یہ ایک نعمت ہے جو ہاتھ سے جاری ہے، اس کی قدر و منزلت پہنچان کر انسان جتنا بھی عمل کر لے، وہ کم ہے۔ بس اس جمعۃ الوداع کی یہ حقیقت ہے، ورنہ یہ نہ تو کوئی تہوار ہے، نہ اس کے اندر کوئی خاص عبادت اور خاص عمل مقرر ہے۔

جمعۃ الوداع اور جذبۂ شکر

البتہ جب جمعۃ الوداع کا دن آتا ہے تو دل میں دو قسم کے جذبات پیدا ہوتے ہیں۔ ہر مؤمن کے دل میں یہ جذبات پیدا ہونے چاہئیں، ایک مسرت اور شکر کا جذبہ کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے فضل و کرم سے ہمیں رمضان المبارک عطا فرمایا، اور رمضان المبارک میں روزے رکھنے کی، تراویح پڑھنے کی اور تلاوت کرنے کی توفیق عطا فرمائی، یہ بات قابلِ شکر اور قابل مسرّت ہے، اس پر جتنا شکر ادا کیا جائے کم ہے۔ اس لئے کہ نہ جانے کتنے اللہ کے بندے ایسے ہیں جو گزشتہ سال ہمارے ساتھ روزوں میں تراویح میں شریک تھے، لیکن اس سال وہ زمین کے نیچے جا چکے، ان جانے والوں سے اس رمضان کے ایک ایک لمحے

کی قدر و قیمت پوچھئے کہ وہ یہ حسرت کررہے ہیں کہ کاش کہ ان کو رمضان کے کچھ لمحات اور مل جاتے تو وہ اپنے اعمال میں اضافہ کرلیتے، لیکن ان کا وقت ختم ہوچکا، اب حسرت کے سوا کوئی چارہ نہیں۔ اللہ تعالیٰ نے ہمیں رمضان المبارک کے یہ لمحات عطا فرمارکھے ہیں۔

غافل بندوں کا حال

اور اس لحاظ سے اللہ جل شانہ کا شکر ادا کرنا چاہئے کہ بہت سے بندے ایسے ہیں کہ جن کو یہ بھی پتہ نہیں چلتا کہ کب رمضان آیا تھا اور کب چلا گیا، العیاذ باللہ العلیّ العظیم۔ نہ ان کو روزے رکھنے سے کوئی غرض، نہ تراویح پڑھنے سے کوئی مطلب۔ اللہ بچائے! آنکھوں پر غفلت کے پردے پڑے ہوئے ہیں، رمضان کے آنے پر ان کے نظام الاوقات میں، ان کے کھانے پینے کے اوقات میں اور ان کے سونے اور جاگنے کے اوقات میں کوئی تبدیلی پیدا نہیں ہوتی۔ اللہ تعالیٰ کا شکر ہے کہ اس نے ہمیں ایسے غافل لوگوں میں شامل نہیں فرمایا، اور اس پر اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کرو کہ اے اللہ! آپ نے ہمیں روزہ رکھنے کی توفیق بخشی، تراویح پڑھنے کی توفیق بخشی، اگر ہم بھی ان میں شامل ہوجاتے تو نہ جانے ہمارا کیا حشر ہوتا، اس لئے شکر ادا کرنے اور مسرت کا موقع ہے۔

نماز روزے کی ناقدری مت کرو

ہمارے ذہنوں میں بعض اوقات جو خیالات آتے ہیں کہ ہم نے روزہ

تو رکھ لیا لیکن روزے کا حق ادا نہیں کیا، تراویح تو پڑھ لی لیکن اس کا صحیح حق ادا نہ ہوسکا، تراویح میں نہ خشوع تھا اور نہ خضوع تھا، دل کہیں تھا، دماغ کہیں تھا، اسی حالت میں ہم نے تراویح ادا کرلی۔ یہ خیال لاکر بعض لوگ اس روزے کی اور تراویح کی ناقدری کرتے ہیں۔ ارے بھائی! یہ ناقدری کی چیز نہیں، یہ نماز کیسی بھی ہو، لیکن اللہ تعالیٰ نے اپنے دربار میں حاضری کی توفیق عطا فرمادی، یہ توفیق بذات خود نعمت ہے، پہلے اس توفیق پر شکر ادا کرو، اس حاضری کی ناقدری مت کرو، یہ نہ کہو کہ ہم نے نماز کیا پڑھی، ہم نے تو ٹکریں ماریں اور اٹھک بیٹھک کرلی۔ ارے اللہ جل شانہ کو تمہارے ساتھ کچھ خیر ہی کا معاملہ کرنا تھا، اس لئے تمہیں مسجد کے دروازے پر لے آئے، اگر اللہ تعالیٰ کو تمہارے ساتھ خیر مقصود نہ ہوتی تو تمہیں ان لوگوں میں شامل کردیتے جنہوں نے کبھی مسجد کی شکل تک نہیں دیکھی، اس لئے ان عبادات کی ناقدری نہ کرو بلکہ ان پر اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کرو۔

سجدہ کی توفیق عظیم نعمت ہے

ہم نے جیسی تیسی نماز پڑھ لی، نہ اس میں خشوع تھا اور نہ خضوع تھا، وہ نماز بے جان اور بے روح سہی، لیکن ؎

قبول ہو کہ نہ ہو پھر بھی ایک نعمت ہے
وہ سجدہ جسے ترے آستاں سے نسبت ہے

یہ سجدہ جسے اللہ تعالیٰ کے آستانے پر کرنے کی توفیق ہوگئی، یہ بھی ایک نعمت ہے،

پہلے اس کا شکر ادا کرلو۔ بیشک ہم اس کا حق ادا نہیں کر پائے، بیشک ہماری طرف سے اس میں کوتاہیاں رہیں، لیکن ان کوتاہیوں کا علاج یہ نہیں کہ ان عبادات کی ناقدری شروع کر دو، بلکہ ان کوتاہیوں کا علاج یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کے حضور توبہ کرو، استغفار کرو، اور یہ کہو کہ اے اللہ! آپ نے مجھے عبادت کی توفیق عطا فرمائی، اس پر آپ کا شکر ہے، لیکن مجھ سے اس عبادت میں کوتاہی ہوئی، اے اللہ! میں اس پر استغفار کرتا ہوں۔

اَسْتَغْفِرُ اللّٰهَ رَبِّیْ مِنْ کُلِّ ذَنْبٍ وَاَتُوْبُ اِلَیْهِ۔

اس استغفار کے ذریعہ اللہ تعالیٰ ان کوتاہیوں کا ازالہ فرما دیں گے۔

آج کا دن ڈرنے کا دن بھی ہے

لہٰذا آج کا دن ایک طرف تو خوشی کا اور شکر ادا کرنے کا دن ہے، دوسری طرف یہ ڈرنے کا دن ہے۔ اس بات کا ڈر جس کا بیان ایک حدیث میں آیا ہے، وہ حدیث یہ ہے کہ ایک مرتبہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم مسجد نبوی میں تشریف لائے تاکہ جمعہ کا خطبہ دیں۔ آپ ﷺ اپنے منبر پر خطبہ دیا کرتے تھے۔ آپ ﷺ کا منبر تین سیڑھیوں پر مشتمل تھا، آپ ﷺ سب سے اوپر والی سیڑھی پر کھڑے ہوکر خطبہ دیا کرتے تھے۔ جب حضرت صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا دورِ خلافت آیا تو انہوں نے سوچا کہ سب سے اوپر والی سیڑھی پر خطبہ دینا ادب کے خلاف ہے، کیونکہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اس پر کھڑے ہوکر خطبہ دیتے تھے، چنانچہ انہوں نے اپنے زمانہ خلافت میں دوسری

سیڑھی پر کھڑے ہوکر خطبہ دینا شروع کر دیا۔ جب حضرت صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی وفات ہوگئی اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا زمانہ آیا تو انہوں نے سوچا کہ میرے لئے تو اس دوسری سیڑھی پر بھی کھڑے ہوکر خطبہ دینا ادب کے خلاف ہے جس پر حضرت صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کھڑے ہوکر خطبہ دیا کرتے تھے۔ چنانچہ انہوں نے اپنے زمانہ خلافت میں تیسری اور آخری سیڑھی پر کھڑے ہوکر خطبہ دینا شروع کر دیا۔ اس کے بعد سے آج تک یہ معمول چلا آرہا ہے کہ خطباء تیسری سیڑھی پر خطبہ دیتے چلے آرہے ہیں۔

تین دعاؤں پر تین مرتبہ آمین

بہر حال! میں یہ عرض کر رہا تھا کہ ایک دن حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم خطبہ دینے کے لئے تشریف لائے، اس دن صحابہ کرامؓ نے یہ عجیب منظر دیکھا کہ جب آپ ﷺ نے پہلی سیڑھی پر قدم رکھا تو فرمایا ''آمین'' جب دوسری سیڑھی پر قدم رکھا تو پھر فرمایا ''آمین'' جب تیسری سیڑھی پر قدم رکھا تو پھر فرمایا ''آمین''۔ صحابہ کرامؓ کو تعجب ہوا کہ آپ ﷺ نے دعا تو کوئی نہیں مانگی، لیکن تینوں سیڑھیوں پر قدم رکھتے ہوئے ''آمین'' فرمایا۔ بعد میں صحابہ کرامؓ نے پوچھا کہ یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! آج آپ ﷺ نے سیڑھیوں پر قدم رکھتے ہوئے تین مرتبہ ''آمین'' فرمایا، اس کی کیا وجہ ہے؟ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے جواب میں فرمایا کہ جب میں منبر پر چڑھنے کے لئے آیا اور پہلی سیڑھی پر قدم رکھا تو حضرت جبرئیل امین علیہ السلام میرے سامنے آئے، انہوں

نے ایک دعا کی اور میں نے اس دعا پر ''آمین'' کہی، جب میں نے دوسری سیڑھی پر قدم رکھا تو اس وقت انہوں نے دوسری دعا کی، میں نے اس پر ''آمین'' کہی، جب میں نے تیسری سیڑھی پر قدم رکھا تو انہوں نے تیسری دعا کی، میں نے اس پر ''آمین'' کہی۔

ان دعاؤں کی اہمیت کے اسباب

آپ ان دعاؤں کی اہمیت کا اندازہ اس سے لگائیں کہ دعا مانگنے والے حضرت جبرئیل امین علیہ السلام اور اس پر ''آمین'' کہنے والے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم جو سیّد الاوّلین والآخرین ہیں، اور جمعہ کا دن، خطبہ کا وقت، مقام بھی مسجد نبوی، اس دعا کی قبولیت میں کسی بھی انسان کو شک نہیں ہوسکتا، بلکہ یہ دعا ضرور قبول ہوگی۔ مگر ڈرنے کی بات یہ ہے کہ یہ دعا درحقیقت ''بددعا'' تھی، حضرت جبرئیل امین علیہ السلام نے بددعا مانگی اور حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے اس پر ''آمین'' کہی۔ وہ بددعائیں کیا تھیں؟

والدین کی خدمت کر کے جنّت حاصل نہ کرنا

جس وقت حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے پہلی سیڑھی پر قدم رکھا، اس وقت حضرت جبرئیل امین علیہ السلام نے یہ بددعا کی کہ اس کی ناک خاک آلود ہو جائے یعنی وہ شخص تباہ ہو جائے جس نے اپنے والدین کو بڑھاپے کی حالت میں پایا، پھر بھی اپنی مغفرت نہ کراسکا۔ یعنی جس شخص کے والدین بڑھاپے کی

حالت میں پہنچ چکے ہوں، اس کے لئے جنت حاصل کرنا آسان ہے، کیونکہ اگر وہ ایک قدم بھی والدین کی خدمت میں اٹھالے گا اور ان کے دل کو خوش کر دے گا تو اللہ تعالیٰ کی رحمتیں نازل ہونا شروع ہو جائیں گی۔ حدیث شریف میں آتا ہے کہ اگر کوئی شخص ایک مرتبہ محبت کی نگاہ سے والدین کو دیکھ لے تو اس کے لئے ایک حج اور ایک عمرہ کا ثواب لکھا جائے گا۔ لہٰذا جب ایک نگاہ ڈالنے کا یہ ثواب ہے تو ان کی خدمت اور اطاعت کرنے کا کیا اجر و ثواب ہوگا، اس کا اندازہ آپ لگائیں۔ اور والدین انسان کی دنیا و آخرت کی صلاح و فلاح کے ضامن ہیں۔ اور ماں باپ کا معاملہ یہ ہے کہ ان کو ذرا خوش کر دو تو وہ تمہیں ڈھیروں دعائیں دیتے ہیں، اس لئے والدین کی خدمت اور اطاعت کر کے جنّت حاصل کرنا بہت آسان ہے۔ لیکن جس شخص نے والدین کو ان کے بڑھاپے کی حالت میں پانے کے باوجود اپنی مغفرت کا سامان نہیں کیا، وہ شخص برباد ہو جائے۔

حضور ﷺ کا نام سن کر درود شریف نہ پڑھنا

پھر جس وقت حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے دوسری سیڑھی پر قدم رکھا تو اس وقت حضرت جبرئیل امین علیہ السلام نے یہ بددعا فرمائی کہ اس شخص کی ناک خاک آلود ہو جائے یعنی وہ شخص تباہ ہو جائے جس کے سامنے حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا ذکر کیا گیا، مگر اس نے آپ ﷺ پر درود نہیں بھیجا۔ ظاہر بات ہے کہ اس کائنات میں ایک صاحبِ ایمان کے لئے نبی کریم صلی اللہ

علیہ وسلم سے بڑا محسن کوئی اور نہیں ہوسکتا، پوری انسانیت کے لئے آپ ﷺ سے بڑا محسن کوئی پیدا نہیں ہوا۔ آپ ﷺ نے قربانیاں دے کر، فقر و فاقہ اٹھا کر، تنگیاں اور مصیبتیں جھیل کر لڑائی لڑ کر تمہارے لئے ایمان کی دولت چھوڑ گئے، اب تمہارے دل میں اس احسان کا اتنا بھی احساس نہ ہو کہ جناب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا ذکر آنے پر آپ ﷺ پر درود ہی نہ بھیجے، یہ کتنی بڑی ناشکری اور احسان فراموشی ہے، جس پر جبرئیل امین علیہ السلام نے بددعا دی اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ''آمین'' کہی۔

درود پڑھنے میں بخل نہ کریں

درود شریف کا کوئی بھی صیغہ پڑھ لینے سے یہ فریضہ ادا ہو جاتا ہے اور ''صلی اللہ علیہ وسلم'' بھی ان میں سے ایک درود ہے۔ اس لئے مسلمانوں کا یہ معمول رہا ہے کہ جب بھی نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا ذکر آتا ہے تو اس پر ''صلی اللہ علیہ وسلم'' ضرور کہتے ہیں، الحمدللہ اب بھی یہ معمول جاری ہے، لہٰذا صلی اللہ علیہ وسلم کہنے سے بھی یہ فریضہ ادا ہو جاتا ہے۔ البتہ ہمارے ہاں جو یہ رواج چل پڑا ہے کہ لکھتے وقت پورا ''صلی اللہ علیہ وسلم'' لکھنے کے بجائے صرف ''صلعم'' لکھدیا یا صرف ''م'' لکھدیا، اس طریقے سے یہ فریضہ ادا نہیں ہوتا۔ یہ سارا بخل کیا حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ کرنا ہے؟ یہ طریقہ قابل ترک ہے، اس کے بجائے بولنے میں بھی اور لکھنے میں بھی پورا ''صلی اللہ علیہ وسلم'' ادا کرنا چاہئے، ورنہ اس بات کا خطرہ ہے کہ کہیں ہم اس بددعا کے مستحق

نہ بن جائیں۔

رمضان گزر جانے کے باوجود مغفرت نہ ہونا

جب تیسری سیڑھی پر آپ ﷺ نے قدم رکھا تو حضرت جبرئیل امین علیہ السلام نے یہ بددعا فرمائی کہ اس شخص کی ناک خاک آلود ہو جائے یعنی وہ شخص تباہ ہو جائے جس پر پورا رمضان المبارک کا مہینہ گزر جائے اور وہ اپنی مغفرت نہ کرالے۔ لہٰذا آج کا دن ڈرنے کا ہے اس بات سے کہ خدانہ کرے، کہیں ہم اس حدیث کی وعید کے مصداق نہ بن جائیں کہ سارا رمضان گزر جائے اور ہم اپنی مغفرت نہ کرالیں، اس لئے کہ اللہ تعالیٰ نے رمضان المبارک کا مہینہ تمہارے گناہ دھونے کے لئے اور تمہارا میل کچیل صاف کرنے کے لئے عطا فرمایا تھا، اور تمہارے گناہوں کو مغفرت کے تالاب میں ڈبو کر پاک صاف کرنے کے لئے دیا تھا، اس مہینے میں مغفرت کرانا کوئی مشکل نہیں تھا، ساری رات اللہ کا منادی آواز لگا رہا تھا کہ ہے کوئی مغفرت مانگنے والا جس کی میں مغفرت کروں؟ ہے کوئی رزق مانگنے والا جس کو میں رزق دوں؟ ہے کوئی مبتلائے آزار جس کی آزاری اور مصیبتوں کو میں رفع کروں؟ رات بھر اللہ کا منادی یہ ندائیں لگا رہا تھا۔

مغفرت کے بہانے

اور اللہ تعالیٰ نے وعدہ کیا تھا کہ اگر تم روزے رکھ لو گے تو تمہارے پچھلے

گناہ معاف کر دیں گے، تراویح کا اہتمام کرلو گے تو تمہارے پچھلے گناہ معاف کر دیں گے، کسی اللہ کے بندے کو افطار کرا دو گے تو اس پر تمہاری مغفرت کر دیں گے، جو روزہ تم نے رکھا ہے، اس کے لمحے لمحے پر عبادت لکھی جا رہی ہے اور تمہارے گناہوں کی مغفرت ہو رہی ہے۔ بہر حال! اللہ تعالیٰ نے تو تمہاری مغفرت کے لئے اتنے بہانے بنا رکھے تھے، لہٰذا مغفرت حاصل کرنے کا اس سے زیادہ اچھا موقع نہیں تھا، جس نے یہ موقع بھی گنوا دیا، اس کے لئے جبرئیل امین علیہ السلام نے یہ بد دعا فرمائی، اس لئے یہ ڈرنے کا دن ہے۔

اللہ تعالیٰ سے اچھی امید رکھو

لیکن اللہ تعالیٰ کی رحمت سے امید یہ رکھو کہ انشاء اللہ ہم اس بد دعا میں شامل نہیں، جب اس ذات نے روزے رکھنے کی توفیق بخشی اور یہ وعدہ فرمایا کہ جو شخص ایمان کے ساتھ ثواب کی نیت سے روزے رکھے گا، میں اس کے سارے پچھلے گناہ بخش دوں گا، تو اللہ تعالیٰ کی رحمت سے یہی توقع اور امید رکھنی چاہئے کہ انشاء اللہ ہماری بھی مغفرت فرما دیں گے۔ البتہ اپنی غلطیوں اور کوتاہیوں کی وجہ سے ضرور ڈرتے رہو، اسی کا نام ایمان ہے۔ "الایمان بین الخوف والرجاء" یعنی ایمان خوف اور امید کے درمیان ہے۔

عیدگاہ میں سب کی مغفرت فرمانا

حدیث شریف میں آتا ہے کہ جب مسلمان سارے مہینے روزہ رکھنے اور

تراویح پڑھنے کے بعد عید کی نماز ادا کرنے کے لئے عیدگاہ میں جمع ہوتے ہیں تو اللہ تعالیٰ اس وقت اپنے فرشتوں پر فخر فرماتے ہیں کہ اے فرشتوں! تم تو کہتے تھے کہ ابن آدم زمین پر جا کر فساد مچائے گا، آج اس ابن آدم کو عیدگاہ کے میدان میں دیکھو، اور مجھے بتاؤ کہ ایک مزدور جس نے اپنی مزدوری پوری کرلی ہو، اس کو کیا صلہ ملنا چاہئے؟ جواب میں فرشتے فرماتے ہیں کہ اے اللہ! جس مزدور نے اپنا کام پورا کرلیا ہو، اس کا صلہ یہ ہے کہ اس کو پوری پوری مزدوری دیدی جائے ، اس میں کوئی کمی نہ جائے۔ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ میں اپنی عزت وجلال کی قسم کھا کر کہتا ہوں، یہ بندے جو میرے سامنے ہیں، ان پر رمضان میں جو فریضہ عائد کیا تھا وہ انہوں نے پورا کردیا، اب یہ مجھے پکارنے کے لئے عیدگاہ میں جمع ہوئے ہیں اور مجھ سے دعا کرنے کے لئے آئے ہیں، میں اپنی عزت وجلال کی، اپنی بادشاہت اور اپنے کرم کی قسم کھا کر کہتا ہوں کہ آج کے دن میں ان سب کی دعائیں قبول کروں گا اور ان کو میدان عید سے اس طرح واپس بھیجوں گا کہ ان سب کی مغفرت ہوچکی ہوگی اور ان کی سیئات کو بھی حسنات سے بدل دوں گا۔

ورنہ توفیق کیوں دیتے؟

اگر میدان عید میں بلا کر یہ نوازش فرمانی مقصود نہ ہوتی، ہماری اور آپ کی مغفرت کرنی مقصود نہ ہوتی تو پھر رمضان میں روزے رکھنے اور تراویح پڑھنے کی توفیق ہی کیوں دیتے؟ مسجد میں آنے کی اور تلاوت کرنے کی توفیق

ہی کیوں دیتے؟ جب انہوں نے ان عبادات کی توفیق دی ہے تو ان کی رحمت سے امید یہ ہے کہ انہوں نے ہمارے ساتھ خیر کا ارادہ فرمایا ہے، مغفرت کا ارادہ فرمایا ہے۔ لیکن کہیں ایسا نہ ہو کہ وہ تو ہماری مغفرت کا ارادہ فرمارہے ہیں اور ہم اس فکر میں لگے ہوئے ہوں کہ کسی طرح اور گناہوں کے اندر اضافہ کرلیں، اس لئے کہ ہم تو گناہ کرنے پر لگے ہوئے ہیں اور اپنے اعمال کے ذریعہ اس بات کا اظہار کررہے ہیں کہ ہمیں مغفرت نہیں چاہئے۔

عید کے دن گناہوں میں اضافہ

چنانچہ جیسے ہی عید کا دن آیا، بس گناہوں کا سیلاب اُمڈ آیا، نہ اللہ کا کوئی خیال، نہ اللہ کے رسول ﷺ کی کوئی فکر، نہ اللہ تعالیٰ کے سامنے جواب دہی کا کوئی احساس۔ اس عید کے دن گناہوں پر گناہ ہو رہے ہیں، اللہ تعالیٰ کی نافرمانیاں کی جارہی ہیں، گانا بجانا جو کافروں کا خوشیاں منانے کا طریقہ تھا وہ ہم نے اختیار کرلیا، خواتین نے بے پردگی اور بے حجابی اختیار کرلی اور اللہ تعالیٰ کے ایک ایک حکم کی خلاف ورزی کرکے عید کا دن منایا جارہا ہے۔ یہ کیسی عید ہوئی؟ وہ تو مغفرت کا ارادہ فرمارہے ہیں، لیکن ہم نے گناہ کرکے جہنم میں جانے کا ارادہ کر رکھا ہے۔ اللہ تعالیٰ ہم سب کو اس انجام سے محفوظ رکھے۔ آمین۔

مسلمانوں کی عید اقوام عالم سے نرالی ہے

اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کو جو عید عطا فرمائی ہے، وہ سارے اقوام عالم کی عیدوں سے نرالی ہے۔ ساری دنیا میں جو عیدیں منائی جاتی ہیں، وہ کسی تاریخی واقعہ کی یاد میں منائی جاتی ہیں، مثلاً عیسائی حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے یوم پیدائش پر ''کرسمس'' کا دن مناتے ہیں، یہ پیدائش ایک واقعہ ہے، یقینی طور پر یہ ثابت نہیں ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام ۲۵ر دسمبر کو پیدا ہوئے تھے، بلکہ ان کے جانے کے تین سو سال بعد لوگوں نے یہ تاریخ مقرر کر لی۔ اسی طرح دنیا بھر کے جتنے ادیان ہیں، ان کے تہوار ماضی کے کسی نہ کسی واقعہ سے وابستہ ہوتے ہیں۔ لیکن اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کو جو تہوار عطا فرمائے ہیں، وہ ماضی کے کسی واقعہ سے وابستہ نہیں ہیں، بلکہ یہ تہوار اللہ تعالیٰ نے اس موقع پر عطا فرمائے جس موقع پر ہر سال مسلمانوں کے لئے خوشی کا واقعہ پیش آتا ہے، چنانچہ عید الفطر اس موقع پر عطا فرمائی جب مسلمان روزے کی عظیم الشان عبادت کی تکمیل کرتے ہیں، اس طرح ہر سال یہ نعمت مل رہی ہے اور خوشی حاصل ہو رہی ہے اور اس پر شکر کے طور پر عید آ رہی ہے، اور عید الاضحیٰ اس موقع پر عطا فرمائی جب مسلمان دوسری عظیم الشان عبادت یعنی حج کی تکمیل کرتے ہیں۔

عید کی خوشی کا مستحق کون؟

لہٰذا تم نے چونکہ رمضان المبارک کے روزے رکھے ہیں، اور تم نے

تراویح پڑھی ہیں، اس لئے تم اس عید الفطر کے انعام کے مستحق ہو اور تم نے چونکہ حج کی عبادت انجام دی ہے، اس لئے اس عید الاضحیٰ کے انعام کے مستحق ہو۔ اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کو خوشی منانے کا جو طریقہ عطا فرمایا ہے وہ بھی دنیا کی ساری قوموں سے نرالہ ہے، وہ یہ کہ عید کی نماز کے لئے میدان میں آ جاؤ، دوسرے ایام میں تو مسجد میں نماز پڑھنا افضل ہے، لیکن عید کے دن میدان میں نماز پڑھنا افضل ہے، لہٰذا عید کے دن نوازش اور رحمت کی بارش کرنے کے لئے میدان میں بلایا، اور میدان میں آنے سے پہلے صدقۃ الفطر ادا کر دو، تاکہ جو لوگ غریب ہیں، جن کے چولہے ٹھنڈے ہیں، ان کو کم از کم اس دن یہ فکر نہ ہو کہ کھانا کہاں سے آئے گا؟ خوشی منانے کا یہ نرالہ انداز عطا فرمایا، لیکن ہم نے یہ طریقہ چھوڑ کر کافروں کا طریقہ اختیار کر لیا، جس طرح وہ لوگ گانے بجاتے ہیں، اور فحاشی اور عریانی میں اپنے تہواروں کے اوقات صرف کرتے ہیں، ہم نے بھی اسی طرح شروع کر دیا، اللہ تعالیٰ تو مغفرت فرمانا چاہتے ہیں، لیکن ہم نے گناہ کے کام کرنے شروع کر دیئے، یہ بالکل مناسب نہیں۔ اللہ تعالیٰ اپنی رحمت سے ہم سب کو صحیح فکر عطا فرمائے اور رمضان کی برکات عطا فرمائے اور عید کی صحیح خوشیاں عطا فرمائے اور گناہوں، نافرمانیوں اور معصیتوں سے ہماری حفاظت فرمائے۔ آمین۔

وَآخِرُ دَعْوَانَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ

عید الفطر

ایک اسلامی تہوار

شیخ الاسلام حضرت مولانا مفتی محمد تقی عثمانی صاحب مدظلہم

ضبط و ترتیب
محمد عبداللہ میمن

میمن اسلامک پبلشرز
۱۸۸/۱، لیاقت آباد، کراچی ۱۹

موضوع خطاب :

مقام خطاب : جامع مسجد بیت المکرّم
گلشن اقبال کراچی

وقت خطاب : بعد نماز عصر تا مغرب

اصلاحی خطبات : جلد نمبر ۱۲

صفحات :

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْم ؕ

عید الفطر

ایک اسلامی تہوار

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ نَحْمَدُهٗ وَ نَسْتَعِيْنُهٗ وَ نَسْتَغْفِرُهٗ وَ نُؤْمِنُ بِهٖ وَنَتَوَكَّلُ عَلَيْهِ وَنَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنْ شُرُوْرِ اَنْفُسِنَا وَمِنْ سَيِّئَاتِ اَعْمَالِنَا ۔ مَنْ يَّهْدِهِ اللّٰهُ فَلَا مُضِلَّ لَهٗ وَمَنْ يُّضْلِلْهُ فَلَا هَادِیَ لَهٗ وَأَشْهَدُاَنْ لَّا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَحْدَهٗ لَاشَرِيْکَ لَهٗ وَأَشْهَدُاَنَّ سَيِّدَنَا وَنَبِيَّنَا وَمَوْلَانَا مُحَمَّداً عَبْدُهٗ وَ رَسُوْلُهٗ صَلَّى اللّٰهُ تَعَالٰی عَلَيْهِ وَعَلٰی اٰلِهٖ وَاَصْحَابِهٖ وَبَارَکَ وَسَلَّمَ تَسْلِيْمًا كَثِيْرًا ـ

أَمَّا بَعْدُ! فَاَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّيْطٰنِ الرَّجِيْمِ

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ط

وَلِتُكْمِلُوْا الْعِدَّةَ وَلِتُكَبِّرُوا اللّٰهَ عَلٰى مَاهَدٰكُمْ

وَلَعَلَّكُمْ تَشْكُرُوْنَ O

(سورۃ البقرہ، آیت ۱۸۵)

آمنت باللّٰہ صدق اللّٰہ مولانا العظیم، وصدق رسولہ النبی الکریم، ونحن علیٰ ذٰلک من الشاھدین والشاکرین والحمدللّٰہ ربّ العالمین

روزہ دار کے لئے دو خوشیاں

بزرگان محترم و برادران عزیز! اللہ جل شانہ کا اس پر جتنا شکرادا کیا جائے کم ہے کہ اس نے اپنے فضل وکرم سے ہمیں رمضان المبارک عطا فرمایا اور اس مہینے کی برکتوں سے ہمیں نوازا، اور اس میں روزے رکھنے اور تراویح پڑھنے کی توفیق عطا فرمائی، اور پھر اس مبارک مہینے کے اختتام پر اس مہینے کی انوار و برکات سے مستفید ہونے کی خوشی میں ''عیدالفطر'' عطا فرمائی۔ حدیث شریف میں جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

للصائم فرحتان فرحة عند افطارہ و فرحة حین یلقی ربهٗ۔

(نسائی، کتاب الصیام، باب فضل الصیام)

یعنی اللہ تعالیٰ نے روزہ دار کے لئے دوخوشیاں رکھی ہیں: ایک خوشی وہ ہے جو افطار کے وقت حاصل ہوتی ہے، اور دوسری خوشی اس وقت حاصل ہوگی جب وہ قیامت کے روز اپنے پروردگار سے جاکر ملاقات کرے گا۔ اصل خوشی تو وہی ہے جو آخرت میں اللہ تعالیٰ سے ملاقات کے وقت نصیب ہوگی، انشاء اللہ۔ اللہ تعالیٰ ہر صاحب ایمان کو یہ خوشی عطا فرمائے۔ آمین۔

افطار کے وقت خوشی

لیکن اس آخرت کی خوشی کی تھوڑی سی جھلک اللہ تعالیٰ نے اس دنیا میں بھی رکھ دی ہے، یہ وہ خوشی ہے جو افطار کے وقت حاصل ہوتی ہے۔ پھر یہ افطار دو قسم کے ہیں: ایک افطار وہ ہے جو روزانہ رمضان میں روزہ کھولتے وقت ہوتا ہے، اس افطار کے وقت ہر روزہ دار کو خوشی حاصل ہوتی ہے۔ دیکھئے! سارے سال کھانے پینے میں اتنا لطف اور اتنی خوشی حاصل نہیں ہوتی جو لطف اور خوشی رمضان المبارک میں افطار کے وقت حاصل ہوتی ہے، ہر شخص اس کا تجربہ کرتا ہے۔ علماء کرام روزانہ کے اس افطار کو ''افطار اصغر'' کا نام دیتے ہیں۔ اور دوسرا افطار وہ ہے جو رمضان المبارک کے ختم پر ہوتا ہے جس کے بعد عیدالفطر کی خوشی ہوتی ہے، اس کو ''افطار اکبر'' کہا جاتا ہے۔ اس لئے کہ سارے مہینے اللہ تعالیٰ کے حکم کی تعمیل میں روزے رکھنے اور اس کی بندگی اور عبادت کرنے کے بعد اللہ تعالیٰ عید کے دن خوشی اور مسرّت عطا فرماتے ہیں۔ یہ خوشی آخرت میں اللہ تعالیٰ سے ملاقات کے وقت حاصل ہونے والی خوشی کی

ایک چھوٹی سی جھلک ہے جو اللہ تعالیٰ نے عید کی شکل میں بندوں کو عطا فرمائی ہے۔

اسلامی تہوار دوسرے مذاہب کے تہواروں سے مختلف ہے

اور یہ بھی اسلام کا نرالا انداز ہے کہ پورے سال میں صرف دو تہوار اور دو عیدیں مقرر کی گئی ہیں، جبکہ دنیا کے دوسرے مذاہب اور ملتوں میں سال کے دوران بہت سے تہوار منائے جاتے ہیں، عیسائیوں کے تہوار الگ ہیں، یہودیوں کے تہوار الگ ہیں، ہندوؤں کے تہوار الگ ہیں، لیکن اسلام نے صرف دو تہوار مقرر کئے ہیں، ایک عید الفطر اور دوسری عید الاضحیٰ۔ اور ان دونوں تہواروں کو منانے کے لئے جن دنوں کا انتخاب کیا گیا، وہ بھی دنیا سے نرالے ہیں، اگر آپ دوسرے مذاہب کے تہواروں پر غور کریں گے تو یہ نظر آئے گا کہ وہ لوگ ماضی میں پیش آنے والے کسی اہم واقعہ کی یادگار میں تہوار مناتے ہیں۔ مثلاً عیسائی ۲۵ دسمبر کو ''کرسمس'' کا تہوار مناتے ہیں، اور بقول ان کے یہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی پیدائش کا دن ہے، حالانکہ تاریخی اعتبار سے یہ بات درست نہیں، لیکن انہوں نے اپنے طور پر یہ سمجھ لیا کہ ۲۵ر دسمبر کو حضرت عیسیٰ علیہ السلام دنیا میں تشریف لائے تھے، چنانچہ آپ کی پیدائش کی یاد میں انہوں نے ''کرسمس'' کے دن کو تہوار کے لئے مقرر کرلیا۔

جس دن حضرت موسیٰ علیہ السلام کو اور بنی اسرائیل کو فرعون سے نجات ملی اور فرعون غرق ہوگیا اور موسیٰ علیہ السلام بنی اسرائیل کو لے کر چلے گئے، اس

دن کی یاد میں یہودی اپنا تہوار مناتے ہیں۔ ہندوؤں کے یہاں بھی جو تہوار ہیں وہ بھی ماضی کے کسی نہ کسی واقعہ کی یاد میں منائے جاتے ہیں۔

اسلامی تہوار ماضی کے واقعہ سے وابستہ نہیں

جبکہ اسلام نے جو دو تہوار ''عیدالفطر'' اور ''عیدالاضحیٰ'' مقرر کیے ہیں، ماضی کا کوئی واقعہ اس دن کے ساتھ وابستہ نہیں، یکم شوال کو عیدالفطر منائی جاتی ہے اور دس ذی الحجہ کو عیدالاضحیٰ منائی جاتی ہے، ان دونوں تاریخوں میں کوئی واقعہ پیش نہیں آیا۔ اسلام نے نہ تو حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی ولادت کے دن کو عیدالفطر اور عیدالاضحیٰ قرار دیا، نہ ہی حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے مکہ مکرمہ سے مدینہ طیبہ کی طرف ہجرت کرنے کے واقعہ کو ''عید'' کا دن قرار دیا، نہ ہی حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے بدر کے میدان میں فتح حاصل کرنے کو ''عید'' کا دن قرار دیا، نہ ہی غزوہ اُحد اور غزوہ احزاب کے دن کو ''عید'' کا دن قرار دیا، اور جس دن مکہ مکرمہ فتح ہوا اور بیت اللہ کی چھت سے حضرت بلال رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی اذان پہلی مرتبہ گونجی، اس دن کو بھی ''عید'' کا دن قرار نہیں دیا۔ اسلام کی پوری تاریخ اور خاص طور پر حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی حیات طیبہ ایسے واقعات سے مالا مال ہے، لیکن اسلام نے ان میں سے کسی واقعہ کو ''عید'' کا دن قرار نہیں دیا۔

''عیدالفطر'' روزوں کی تکمیل پر انعام

جن ایام کو اسلام نے تہوار کے لئے مقرر فرمایا، ان کے ساتھ کوئی ایسا واقعہ وابستہ نہیں جو ماضی میں ایک مرتبہ پیش آکر ختم ہو چکا ہو، بلکہ اس کے بجائے ایسے **خوشی** کے واقعات کو تہوار کی بنیاد قرار دیا جو ہر سال پیش آتے ہیں اور ان کی خوشی میں عید منائی جاتی ہے۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ نے دونوں عیدیں ایسے موقع پر مقرر فرمائی ہیں جب مسلمان کسی عبادت کی تکمیل سے فارغ ہوتے ہیں، چنانچہ عیدالفطر رمضان کے گزرنے کے بعد رکھی ہے کہ میرے بندے پورے مہینے عبادت کے اندر مشغول رہے، پورے مہینے انہوں نے میرے خاطر کھانا پینا چھوڑے رکھا، نفسانی خواہشات کو چھوڑے رکھا، اور پورا مہینہ عبادت کے اندر گزارا، اس کی خوشی اور انعام میں یہ عیدالفطر مقرر فرمائی۔

''عیدالاضحیٰ'' حج کی تکمیل پر انعام

اور عیدالاضحیٰ ایسے موقع پر مقرر فرمائی جب مسلمان ایک دوسری عظیم عبادت یعنی حج کی تکمیل کرتے ہیں۔ اس لئے کہ حج کا سب سے بڑا رکن وقوف عرفہ ۹ ذی الحجہ کو ادا کیا جاتا ہے، اس تاریخ کو پوری دنیا سے آئے ہوئے لاکھوں مسلمان میدان عرفات میں جمع ہو کر اللہ تعالیٰ کی عظیم عبادت کی تکمیل کرتے ہیں، اس عبادت کی تکمیل کے اگلے دن یعنی دس ذی الحجہ کو اللہ تعالیٰ نے دوسری عید مقرر فرمائی۔ اس کے ذریعہ اللہ تعالیٰ نے یہ سبق دیدیا کہ

ماضی کے وہ واقعات جو ایک مرتبہ پیش آئے اور ختم ہو گئے، وہ واقعات تمہارے لئے عید کی بنیاد نہیں، بیشک تمہاری تاریخ ان واقعات سے جگمگا رہی ہے اور تمہیں ان پر فخر کرنے کا بھی حق پہنچتا ہے کہ تمہارے آباء واجداد نے یہ کارنامے انجام دیئے تھے، لیکن تمہارے لئے ان کا عمل کافی نہیں، تمہارے لئے تمہارا اپنا عمل ہونا ضروری ہے، کوئی شخص آخرت میں صرف اس بنیاد پر نجات نہیں پائے گا کہ میرے آباء واجداد نے اتنے بڑے کارنامے انجام دیئے تھے، بلکہ وہاں پر ہر آدمی کو اپنے عمل کا جواب دینا ہوگا۔ اقبال مرحوم نے خوب کہا کہ ؎

تھے تو وہ آباء تمہارے مگر تم کیا ہو
ہاتھ پر ہاتھ دھرے منتظر فردا ہو

لہٰذا محض پرانے واقعات پر خوشی مناتے رہنا، صاحب ایمان کے لئے یہ کافی نہیں، بلکہ خود تمہیں اپنے عمل کو دیکھنا ہے، اگر تمہارے اپنے عمل کے اندر اچھائی ہے تو خوشی منانی ہے اور اگر برائی ہے تو رنج کرنا ہے اور ندامت کا اظہار کرنا ہے۔

عید کا دن ''یوم الجائزہ'' ہے

بہرحال! یہ عیدالفطر خوشی منانے کا اور اسلامی تہوار کا پہلا دن ہے، حدیث میں اس کو ''یوم الجائزہ'' بھی قرار دیا گیا ہے، یعنی اللہ تعالیٰ کی طرف سے پورے مہینے کی عبادتوں پر انعام دیئے جانے کا دن ہے جو ''مغفرت'' کی

شکل میں دیا جاتا ہے۔ چنانچہ ایک حدیث میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم ارشاد فرماتے ہیں کہ جب رمضان المبارک کا مہینہ گزر جانے کے بعد عید کا دن آتا ہے تو اللہ تعالیٰ اصحاب ایمان کی طرف اشارہ کر کے فرشتوں پر فخر فرماتے ہیں۔

انسان کی تخلیق پر فرشتوں کے اعتراض کا جواب

اس لئے فخر فرماتے ہیں کہ جب حضرت آدم علیہ السلام کو پیدا کیا جا رہا تھا تو ان فرشتوں نے اعتراض کیا تھا اور اللہ تعالیٰ سے عرض کیا تھا کہ:

اَتَجْعَلُ فِيْهَا مَنْ يُّفْسِدُ فِيْهَا وَيَسْفِکُ الدِّمَاءَ
وَ نَحْنُ نُسَبِّحُ بِحَمْدِکَ وَ نُقَدِّسُ لَکَ۔

(سورۃ البقرہ، آیت ۳۰)

آپ مٹی کے اس پتلے کو پیدا کر رہے ہیں جو زمین پر جا کر فساد پھیلائے گا اور خون ریزیاں کرے گا اور ایک دوسرے کے گلے کاٹے گا، اور ہم آپ کی تسبیح و تقدیس کے لئے کافی ہیں۔ جواب میں اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا:

اِنِّی اَعْلَمُ مَالَا تَعْلَمُوْنَ۔

(سورۃ البقرۃ، آیت ۳۰)

میں اس مخلوق کے بارے میں وہ باتیں جانتا ہوں جو تم نہیں جانتے۔ میں جانتا ہوں کہ اس مخلوق کے اندر اگرچہ میں نے فساد کا مادہ بھی رکھا ہے، فساد پھیلانے کی بھی صلاحیت اس کے اندر موجود ہے، لیکن اس کے باوجود جب یہ مخلوق میرے حکم کی تعمیل کرے گی اور عبادت اور بندگی کرے گی تو یہ تم سے بھی آگے

بڑھ جائے گی۔ کیونکہ تمہارے اندر میں نے فساد کا مادہ ہی نہیں رکھا، چنانچہ اگر تم گناہ کرنا بھی چاہے تو گناہ نہیں کر سکتے، نہ تم کو بھوک لگتی ہے، نہ تم کو پیاس لگتی ہے، نہ تمہارے دل میں جنسی اور نفسانی خواہشات پیدا ہوتے ہیں، تمہیں تو صرف اسی لئے پیدا کیا ہے کہ بس ''اللہ اللہ'' کرتے رہو اور اللہ تعالیٰ کے حکم کی تعمیل کرتے رہو۔ لیکن اس انسان کو بھوک بھی لگے گی، پیاس بھی لگے گی، جنسی خواہشات بھی پیدا ہونگیں، اور جب میں اس مخلوق سے یہ کہہ دوں گا کہ مت کھانا، جب میں اس سے کہہ دوں گا کہ مت پینا تو اس حکم کے نتیجے میں انسان سارا دن اس طرح گزار دیگا کہ اندر سے پیاس لگ رہی ہوگی، فرج میں ٹھنڈا پانی موجود ہوگا، کمرے میں دوسرا کوئی انسان دیکھنے والا نہیں ہوگا، لیکن اس کے باوجود صرف میرے ڈر سے اور میری عظمت کے خیال سے اور میرے حکم کی اطاعت میں یہ اپنے ہونٹوں کو خشک کئے ہوئے ہوگا۔ اس صفت کی وجہ سے یہ انسان تم سے بھی آگے بڑھ جائے گا۔

آج میں ان سب کی مغفرت کر دونگا

بہرحال! عیدالفطر کے دن جب مسلمان عیدگاہ میں جمع ہوتے ہیں تو اللہ تعالیٰ انہی فرشتوں کے سامنے جنہوں نے اعتراض کیا تھا، فخر کرتے ہوئے فرماتے ہیں: اے میرے فرشتو! یہ ہیں میرے بندے جو عبادت میں لگے ہوئے ہیں، اور بتاؤ کہ جو مزدور اپنا کام پورا کر لے اس کو کیا صلہ ملنا چاہئے؟ جواب میں فرشتے فرماتے ہیں کہ جو مزدور اپنا کام پورا کرے، اس کا صلہ یہ

ہے کہ اس کو اس کی پوری پوری مزدوری دیدی جائے، اس میں کوئی کمی نہ کی جائے۔ اللہ تعالیٰ پھر فرشتوں سے فرماتے ہیں کہ یہ میرے بندے ہیں، میں نے رمضان کے مہینے میں ان کے ذمے ایک کام لگایا تھا کہ روزہ رکھیں اور میری خاطر کھانا پینا چھوڑ دیں اور اپنی خواہشات کو چھوڑ دیں، آج انہوں نے یہ فریضہ پورا کرلیا، اور اب یہ اس میدان کے اندر جمع ہوئے ہیں، اور مجھ سے دعا مانگنے کے لئے آئے ہیں، اپنی مرادیں مانگ رہے ہیں، میں اپنی عزت وجلال کی قسم کھاتا ہوں، اپنے علوِ مکان کی قسم کھاتا ہوں کہ آج میں سب کی دعائیں قبول کروں گا اور میں ان کے گناہوں کی مغفرت کروں گا اور ان کی برائیوں کو بھی نیکیوں میں تبدیل کردوں گا۔ چنانچہ حدیث شریف میں آتا ہے کہ جب روزہ دار عیدگاہ سے واپس جاتے ہیں تو اس حالت میں جاتے ہیں کہ ان کی مغفرت ہوچکی ہوتی ہے۔

عیدگاہ میں نماز ادا کی جائے

یہ کوئی معمولی انعام نہیں ہے کہ اللہ تعالیٰ پورے مجمع کی مغفرت فرما دیتے ہیں۔ اسی وجہ سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے عید کی نماز کے لئے اس بات کو سنّت قرار دیا کہ مسلمان بڑی سے بڑی تعداد میں کھلے میدان میں جمع ہوں اور مجمع کثیر ہو، کیونکہ مجمع جب بڑا ہوگا تو اس مجمع میں نہ جانے کس اللہ کے بندے کی برکت سے اللہ تعالیٰ پورے مجمع پر فضل فرمادیں۔ اللہ تعالیٰ کی شانِ رحیمی تو ایسی ہے کہ اگرچہ انعام کے مستحق تو چند افراد ہوتے ہیں، جنہوں نے صحیح

معنی میں اللہ تعالیٰ کی بندگی کی تھی، لیکن جب اللہ تعالیٰ اپنے نیک بندوں کو اپنی رحمت سے نوازتے ہیں تو مجھ جیسے ناکارہ بھی اگر وہاں موجود ہوں تو اللہ تعالیٰ یہ فرماتے ہیں کہ ان چند افراد کی تو مغفرت کردوں اور باقی لوگوں کی نہ کروں، یہ میری رحمت سے بعید ہے، لہٰذا سب کو اپنے فضل و کرم سے نواز دیتے ہیں۔

اپنے اعمال پر نظر مت کرو

لہٰذا یہ عید کا دن جو اللہ تعالیٰ نے ہمیں عطا فرمایا اور اس دن میں عید کی نماز پڑھنے کی توفیق عطا فرمائی، یہ کوئی معمولی واقعہ نہیں ہے، یہ زندگی کے اندر انقلاب لانے والا واقعہ ہے، اس کے نتیجے میں اللہ تعالیٰ نے انشاء اللہ سب کی مغفرت فرما دی ہے، اور اللہ تعالیٰ کی رحمت سے یہی امید رکھنی چاہئے۔ ہمارے دلوں میں یہ جو خیالات آتے ہیں کہ ہم نے بیشک عبادت تو کرلی، لیکن اس عبادت کا حق تو ادا نہ ہوسکا، کیا ہمارے روزے، کیا ہماری نمازیں، کیا ہماری تلاوت، کیا ہمارا ذکر و تسبیح، نہ اس میں خشوع و خضوع ہے، نہ اس میں آداب کی رعایت ہے، نہ اس میں شرائط پوری ہیں، لہٰذا ان عبادات کے نتیجے میں کیسے یہ امید باندھیں کہ اللہ تعالیٰ نے ان عبادات کو قبول کرکے ہماری مغفرت فرمادی ہوگی۔

ان کے فضل سے امید رکھو

خوب یاد رکھیں! اپنے اعمال کے ذریعہ تو امید نہیں باندھنی چاہئے،

کیونکہ ہمارے اعمال تو اس لائق ہی نہیں ہیں کہ وہ اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں پیش کرنے کے قابل ہوں، ان کے شایان شان ہوں۔ ہاں، ان کی رحمت سے ضرور امید باندھیں، ان کے فضل و کرم سے امید باندھیں، بیشک یہ اعمال ہماری نسبت سے کھوٹی پونجی ہے، لیکن ان کی رحمت سے امید ہے کہ ان ٹوٹے پھوٹے اعمال کو بھی قبول فرمالیں گے۔ جب انہوں نے یہ کہہ دیا ہے کہ میں تمہاری برائیوں کو بھی اچھائیوں سے تبدیل کردوں گا، یعنی یہ اعمال جو تم ہماری بارگاہ میں پیش کر رہے ہو، اس میں بہت سی خامیاں ہیں اور بہت سی برائیاں ہیں، لیکن جب تم میرے خاطر یہاں آئے ہو تو میں تمہاری برائیوں کو بھی اچھائیوں سے بدل دوں گا، لہٰذا ہر مؤمن کو یہ امید رکھنی چاہئے کہ اس رمضان میں میری مغفرت ہوگئی، اس لئے کہ جب انہوں نے مغفرت کا وعدہ کیا ہے تو ضرور کردی ہے۔

حضرت جنید بغدادیؒ کا ارشاد

حضرت جنید بغدادی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ جو شخص عمل کئے بغیر اللہ تعالیٰ سے امیدیں باندھ رہا ہے کہ اللہ تعالیٰ میری مغفرت فرمادیں گے اور مجھے جنت میں داخل کردیں گے، ایسا شخص اپنے آپ کو دھوکہ دے رہا ہے۔ اور جو شخص اپنے عمل پر بھروسہ کر رہا ہے کہ میں نے چونکہ اچھا عمل کیا ہے، اس لئے میں ضرور جنت میں جاؤں گا، ایسا شخص بھی اپنے آپ کو دھوکہ دے رہا ہے۔ صحیح طریقہ یہ ہے کہ عمل بھی کئے جاؤ لیکن اپنے عمل پر بھروسہ مت کرو، اللہ تعالیٰ کی

رحمت سے امید باندھو اور اللہ تعالیٰ کی رحمت پر بھروسہ کرو۔

عمل کئے بغیر امید باندھنا غلطی ہے

عمل کئے بغیر اللہ تعالیٰ کی رحمت سے امیدیں باندھنا اس لئے غلط ہے کہ اللہ تعالیٰ نے خود فرما دیا ہے کہ میری رحمت اسی شخص پر متوجہ ہوتی ہے جو عمل کرتا ہے، اگر کوئی شخص عمل ہی کچھ نہیں کرتا، بلکہ غفلت میں وقت گزار رہا ہے، تو ایسے شخص کو یہ جان لینا چاہئے کہ جس طرح اللہ تعالیٰ غفور الرحیم ہے، اسی طرح شدید العقاب بھی ہے، اس لئے جو شخص عمل کئے بغیر اللہ تعالیٰ کی رحمت سے امیدیں باندھ رہا ہے وہ درحقیقت اپنے کو دھوکہ دے رہا ہے۔ لیکن اگر کسی شخص نے عمل کرلیا اور قدم آگے بڑھا دیا، لیکن اس میں نقص اور کوتاہیاں رہ گئیں، تو چونکہ اس نے اللہ تعالیٰ کو راضی کرنے کے لئے قدم بڑھایا تھا، اس لئے اللہ تعالیٰ اس پر رحمت فرما دیتے ہیں اور اس کی کوتاہیوں کو درگزر فرما کر ان کو حسنات سے بدل دیتے ہیں۔ لہٰذا عمل بھی کرتے رہو اور بھروسہ اللہ تعالیٰ کی ذات پر کرو۔

یہی معاملہ ہمارا ہے، نہ ہمارے روزے اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں پیش کرنے کے لائق ہیں، نہ تراویح اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں پیش کرنے کے لائق ہیں، نہ تلاوت اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں پیش کرنے کے لائق ہے، لیکن اگر ان کی رحمت پر نظر کریں تو وہ یہ فرما رہے ہیں کہ میں تمہاری برائیوں کو بھی حسنات سے بدل دوں گا، اس لئے امید یہ رکھنی چاہئے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے وعدہ کو پورا

فرمایا ہے اور ہماری مغفرت فرمادی ہے۔

آئندہ بھی اس دل کو صاف رکھنا

اور مغفرت کا مطلب یہ ہے کہ ہمارے باطن میں گناہوں کا جو میل کچیل تھا، اللہ تعالیٰ نے اس کو دھوکر صاف کر دیا، اب تم سب سفید صاف ستھرے دھلے ہوئے کپڑے کے مانند ہو، اب صاف کپڑے کی حفاظت کرنا، کیونکہ کپڑا جتنا سفید صاف اور دھلا ہوگا، اتنا ہی اس پر دھبہ بُرا معلوم ہوگا، اور اگر کپڑا پہلے سے میلا ہے، اس پر داغ دھبے لگے ہوئے ہیں، اس پر ایک داغ اور لگ جائے تو پتہ بھی نہیں چلے گا، لہٰذا جب اللہ تعالیٰ نے آج عید کے دن ہمیں اور آپ کو دھوکر صاف اور اجلا کر دیا، تو اب ہمارا کام یہ ہے کہ اس کپڑے کی حفاظت کریں اور اب گناہ کا دھبہ نہ لگے، اب اس پر معصیت اور نافرمانی کا داغ نہ لگے۔اور اس فکر میں نہ رہو کہ اگر داغ لگ بھی گئے تو اگلے رمضان میں دوبارہ دھل جائیں گے، ارے کس کو معلوم ہے کہ اگلا رمضان نصیب ہو یا نہ ہو، کس کو معلوم ہے کہ آئندہ گناہ سے توبہ کی توفیق ملے گی یا نہیں، لہٰذا آئندہ آنے والی زندگی میں گناہ کے دھبہ سے بچنے کی پوری کوشش کرو۔

خلاصہ

بہرحال جو آیت میں نے شروع میں پڑھی تھی کہ:

وَلِتُكْمِلُوا الْعِدَّةَ وَلِتُكَبِّرُوا اللّٰهَ عَلٰى مَاهَدٰكُمْ

وَلَعَلَّكُمْ تَشْكُرُوْنَ ○

(سورۃ البقرہ، آیت ۱۸۵)

یعنی میں نے یہ عید کا دن ایسے موقع پر مقرر کیا ہے کہ جس میں تم رمضان کے روزوں کی گنتی پوری کرو اور اللہ تعالیٰ کی تکبیر کرو تاکہ تم شکر گزار بن جاؤ۔ شکر گزار بننے کا راستہ یہی ہے کہ جس ذات نے تمہاری برائیوں کو بھی حسنات سے بدل دیا ہے، اس کی نافرمانی سے اور گناہوں سے اور معصیتوں سے آئندہ زندگی کو بچانے کی فکر کرو۔

آج کا دن ہمارے اور آپ کے لئے الحمدللہ خوشی کا دن بھی ہے، فرحت کا دن بھی ہے، اور اللہ کی رحمت سے مغفرت کی امید رکھنے کا دن بھی ہے۔ اللہ تعالیٰ اپنے فضل و کرم سے اس فریضے کی ادائیگی کی توفیق بھی عطا فرمائے اور آئندہ زندگی کو گناہوں سے، معصیتوں سے اور نافرمانیوں سے بچانے کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین۔

وَآخِرُ دَعْوَانَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ

جنازے کے آداب

چھینکنے کے آداب

شیخ الاسلام حضرت مولانا مفتی محمد تقی عثمانی صاحب مدظلہم

ضبط و ترتیب
محمد عبداللہ میمن

میمن اسلامک پبلشرز
۱۸۸/۱، لیاقت آباد، کراچی ۱۹

موضوع خطاب :

مقام خطاب : جامع مسجد بیت المکرّم
گلشن اقبال کراچی

وقت خطاب : بعد نماز عصر تا مغرب

اصلاحی خطبات : جلد نمبر ۱۲

صفحات :

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْم ط

جنازے کے آداب

اور

چھینکنے کے آداب

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ نَحْمَدُهٗ وَ نَسْتَعِیْنُهٗ وَ نَسْتَغْفِرُهٗ وَ نُؤْمِنُ بِهٖ وَنَتَوَکَّلُ عَلَیْهِ وَنَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنْ شُرُوْرِ اَنْفُسِنَا وَمِنْ سَیِّئَاتِ اَعْمَالِنَا مَنْ یَّهْدِهِ اللّٰهُ فَلاَ مُضِلَّ لَهٗ وَمَنْ یُّضْلِلْهُ فَلاَ هَادِیَ لَهٗ وَنَشْهَدُ اَنْ لَّا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَحْدَهٗ لَاشَرِیْكَ لَهٗ وَنَشْهَدُ اَنَّ سَیِّدَنَا وَنَبِیَّنَا وَمَوْلَانَا مُحَمَّداً عَبْدُهٗ وَ رَسُوْلُهٗ صَلَّی اللّٰهُ تَعَالٰی عَلَیْهِ وَعَلٰی اٰلِهٖ وَاَصْحَابِهٖ وَبَارَكَ وَسَلَّمَ تَسْلِیْمًا کَثِیْرًا۔

أَمَّا بَعْدُ!

عن البراء بن عازب رضی اللّٰہ عنه قال:
أمرنا رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیه وسلم بسبع
بعیادة المریض واتباع الجنائز و تشمیت
العاطس ونصر الضعیف و عون المظلوم و
إفشاء السلام و ابرار المقسم . . الخ
(صحیح بخاری، کتاب الاستئذان، باب إفشاء السلام)

جنازے کے پیچھے چلنے کا حکم مردوں کیلئے ہے

ایک مسلمان کے ذمے دوسرے مسلمانوں کے جو حقوق ہیں، ان میں سے دو کا بیان پیچھے ہو چکا، نمبر ایک: سلام کا جواب دینا، نمبر دو: مریض کی عیادت کرنا۔ تیسرا حق جو اس حدیث میں بیان فرمایا وہ ہے ''اتباع الجنائز'' جنازوں کے پیچھے جانا۔ یہ بھی بڑی فضیلت والا کام ہے اور مرنیوالے کا حق ہے۔ البتہ یہ حق مردوں پر ہے، عورتوں پر یہ حق نہیں ہے، اور عیادت مریض کا عمل مرد کے لئے بھی ہے اور عورت کے لئے بھی ہے اور عیادت مریض کا جو ثواب مرد کے لئے ہے، وہی ثواب عورت کے لئے بھی ہے۔ لیکن جنازوں کے پیچھے جانا صرف مردوں کے ساتھ خاص ہے، البتہ خواتین تعزیت کے لئے جا سکتی ہیں، اور ''انشاء اللہ'' اللہ تعالیٰ کی ذات سے امید ہے کہ ان کو تعزیت کرنے میں بھی وہی اجر وثواب حاصل ہو جائے گا جو مردوں کو جنازے کے پیچھے جانے سے حاصل ہوتا ہے۔

جنازے کے پیچھے چلنے کی فضیلت

حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے جنازے کے پیچھے چلنے کی بڑی فضیلت بیان فرمائی ہے۔ چنانچہ ایک حدیث میں حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

من شهد الجنازة حتى يصلى عليها فله قيراط، ومن شهدها حتى تدفن فله قيراطان، قيل: وما القيراطان؟ قال: مثل الجبلين العظيمين۔

(صحیح بخاری، کتاب الجنائز، باب من انتظر حتى تدفن)

فرمایا کہ جو شخص جنازے کے ساتھ اس کی نماز پڑھی جانے تک حاضر رہے، اس کو ایک قیراط ثواب ملے گا اور جو شخص دفن تک شریک رہے، اس کو دو قیراط ثواب ملے گا۔ کسی صحابیؓ نے سوال کیا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! یہ دو قیراط کیسے ہونگے؟ آپ ﷺ نے جواب میں فرمایا کہ یہ دو قیراط دو بڑے پہاڑوں کے برابر ہوں گے۔ بہرحال، نماز جنازہ پڑھنے اور دفن تک شریک ہونے کا بڑا عظیم ثواب ہے۔

جنازے میں شرکت کے وقت نیت کیا ہو؟

جنازہ کے پیچھے جانے کا عمل ایسا ہے جو ہم سب کرتے ہیں، شاید ہی

کوئی شخص ہوگا جو کبھی بھی جنازے کے پیچھے نہیں گیا ہوگا، بلکہ ہر شخص کو اس عمل سے سابقہ پڑتا ہے، لیکن صحیح طریقہ معلوم نہ ہونے کی وجہ سے یہ عمل بھی ایک رسمی خانہ پری ہو کر رہ جاتا ہے، مثلاً بعض اوقات جنازہ میں شرکت کا مقصد یہ ہوتا ہے کہ اگر شرکت نہ کی تو لوگ ناراض ہو جائیں گے، یہ نیت اور مقصد غلط ہے۔ اس لئے جنازہ میں شرکت کرتے وقت اپنی نیت درست کرلو اور یہ نیت کرلو کہ میں اس مسلمان کا حق ادا کرنے کے لئے شرکت کر رہا ہوں، اور جنازے کے پیچھے چلنا چونکہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی سنّت ہے اور آپ ﷺ کا حکم ہے، اس لئے میں بھی آپ ﷺ کی اتباع میں شریک رہا ہوں۔ اس نیت سے جب شرکت کرو گے تو انشاء اللہ تعالیٰ یہ عمل بڑے اجر وثواب کا باعث بن جائے گا۔

جنازے کے ساتھ چلتے وقت کلمہ شہادت پڑھنا

دوسرے یہ کہ جنازہ میں شرکت کرنے کا طریقہ سنّت کے مطابق ہونا چاہئے، ناواقفیت اور بے دھیانی کی وجہ سے ہم بہت سی سنّتوں پر عمل کرنے سے محروم رہ جاتے ہیں اور بلا وجہ اجر وثواب ضائع کر دیتے ہیں، ذرا سا دھیان اگر کرلیں گے تو ایک ہی عمل میں بہت سارے ثواب حاصل ہو جائیں گے۔ مثلاً ناواقفیت کی وجہ سے ہمارے یہاں ایک طریقہ یہ چل پڑا ہے کہ جب جنازے کو کندھا دیا جاتا ہے تو ایک آدمی بلند آواز سے نعرہ لگاتا ہے ”کلمہ شہادت“ اور دوسرے لوگ اس کے جواب میں بلند آواز سے ”اشہد ان لا الہ الا

اللہ واشہد ان محمداً عبدہ ورسولہ'' پڑھتے ہیں۔ یہ طریقہ بالکل غلط ہے، اس کی شریعت میں کوئی اصل نہیں، یہ عمل نہ تو حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے کیا، نہ صحابہ کرامؓ نے کیا، اور نہ ہی ہمارے بزرگان دین سے یہ عمل منقول ہے۔ بلکہ فقہاء کرام نے لکھا ہے کہ جنازے کے ساتھ جاتے ہوئے کسی قسم کا کوئی ذکر بلند آواز سے کرنا مکروہ ہے، اور جنازے کے ساتھ جانے کا ادب یہ ہے کہ خاموش چلے، بلاضرورت باتیں کرنا بھی اچھا نہیں، لہٰذا ''کلمہ شہادت'' کا نعرہ لگانا یا ''کلمہ شہادت'' بلند آواز سے پڑھنا سنّت کے خلاف ہے، اس سے پرہیز کرنا چاہئے۔

جنازہ اٹھاتے وقت موت کا مراقبہ کریں

اور خاموش چلنے میں حکمت یہ ہے کہ خاموش رہ کر یہ غور کرو اور سوچو کہ جو وقت اس پر آیا ہے، تم پر بھی آنے والا ہے، یہ نہیں کہ اس جنازے کو تو تم لے جا کر قبر میں دفن کردو گے اور تم ہمیشہ زندہ رہو گے، لہٰذا خاموش رہ کر اس موت کا مراقبہ کرو کہ ایک دن اسی طرح میں بھی مر جاؤں گا اور میرا بھی جنازہ اسی طرح اٹھایا جائے گا اور مجھے بھی قبر میں دفن کر دیا جائے گا اس طرح موت کا مراقبہ کرنے کے نتیجے میں دل میں کچھ نرمی پیدا ہوگی اور اللہ تعالیٰ کی طرف رجوع کرنے کا احساس بڑھے گا، اس لئے خاموش رہ کر موت کا مراقبہ کرنا چاہئے، البتہ کوئی ضروری بات کرنی ہو تو کر سکتے ہیں، کوئی ناجائز اور حرام نہیں ہے، البتہ ادب کے خلاف ہے۔

جنازے کے آگے نہ چلیں

ایک ادب یہ ہے کہ جب جنازہ لے جارہے ہوں تو جنازہ آگے ہونا چاہئے اور لوگ اس کے پیچھے پیچھے چلیں، دائیں بائیں چلیں تو بھی ٹھیک ہے، لیکن جنازے کے آگے آگے چلنا ٹھیک نہیں، ادب کے خلاف ہے۔ البتہ کندھا دینے کی غرض سے وقتی طور پر آگے بڑھ جائیں تو اس میں کوئی حرج نہیں، لیکن کندھا دینے کے لئے بعض لوگ ایسا کرتے ہیں کہ جنازے کے آگے دورویہ لمبی قطار لگا لیتے ہیں، جس کے نتیجے میں جنازہ کے ساتھ چلنے والے تمام لوگ جنازہ سے آگے ہو جاتے ہیں اور جنازہ پیچھے ہو جاتا ہے، یہ طریقہ بھی کچھ اچھا نہیں ہے۔

جنازے کو کندھا دینے کا طریقہ

اسی طرح جنازے کو کندھا دینے کا طریقہ یہ ہے کہ سب سے پہلے میت کے دائیں ہاتھ کی طرف والا پایہ اپنے داھنے کندھے پر رکھیں اور کم از کم دس قدم چلیں، یہ افضل ہے، بشرطیکہ دس قدم چلنے کی طاقت ہو۔ لہٰذا دوسرے لوگوں کو اتنی جلدی نہیں کرنی چاہئے کہ ابھی ایک نے جنازہ کندھے پر رکھا اور دوسرے شخص نے فوراً آگے بڑھ کر اس کو لے لیا، ایسا نہیں کرنا چاہئے۔ البتہ اگر کوئی کمزور اور ضعیف آدمی ہے تو اس صورت میں دوسرے لوگوں کو چاہئے کہ اس سے جلدی لے لیں تاکہ اس کو تکلیف نہ ہو۔ پھر میت کے دائیں پاؤں کی

طرف کا پایہ اپنے داھنے کندھے پر اٹھائے اور دس قدم چلے، اور پھر میت کے بائیں ہاتھ کی طرف کا پایہ اپنے بائیں کندھے پر اٹھائے اور دس قدم چلے، پھر میت کے بائیں پاؤں کی طرف کا پایہ اپنے بائیں کندھے پر اٹھائے اور دس قدم چلے، اس طرح ہر شخص جنازے کے چاروں اطراف میں کندھا دے اور چالیس قدم چلے، یہ طریقہ سنت سے زیادہ قریب ہے اور افضل ہے، اگرچہ اس کے خلاف کرنا ناجائز نہیں ہے، لیکن سنت کا ثواب ضائع ہو جائے گا۔

آج کل جنازہ لے جاتے وقت دھکم پیل ہوتی ہے، کندھا دینے کے شوق میں دوسرے مسلمان بھائیوں کو دھکا دیدیا جاتا ہے اور اس بات کا خیال ہی نہیں ہوتا کہ ہم ایذاء مسلم کر کے حرام کا ارتکاب کر رہے ہیں، کندھا دینے کا ثواب ضائع کر کے الٹا گناہ کما رہے ہیں۔ اس لئے ایسا نہ کرنا چاہئے، بلکہ اطمینان سے کندھا دینا چاہئے اور دوسروں کو اس کا موقع دینا چاہئے کہ دوسرا مسلمان بھائی کندھا دیتے ہوئے دس قدم پورے کر لے، اس کے بعد آپ اس سے لے لیں۔

جنازے کو تیز قدم سے لے کر چلنا

حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک حدیث میں جنازہ لے جانے کا یہ ادب بھی بیان فرمایا کہ جب جنازہ لے کر جاؤ تو ذرا تیز تیز قدم بڑھاؤ، آہستہ مت چلو، اور اس کی وجہ بھی بیان فرما دی کہ اگر وہ جنتی ہے تو اس کو جنت میں پہنچانے میں کیوں دیر کرتے؟ اس کو جلدی اس کے اچھے ٹھکانے پر پہنچا دو،

اور اگر وہ دوزخی ہے۔ معاذ اللہ۔ تو دوزخ والے کو جلدی اس کے ٹھکانے تک پہنچا کر اپنے کندھے سے اس بوجھ کو دور کر دو۔ البتہ اتنی تیزی بھی نہیں کرنی چاہئے جس سے جنازہ حرکت کرنے لگے، ہلنے لگے، بلکہ متوسط انداز کی چال سے چلو اور اس کو جلدی پہنچا دو۔

جنازہ زمین پر رکھنے تک کھڑے رہنا

اسی طرح ایک ادب اور سنّت یہ ہے کہ قبرستان میں جب تک جنازہ کندھوں سے اتار کر نیچے نہ رکھ دیا جائے، اس وقت تک لوگ نہ بیٹھیں بلکہ کھڑے رہیں، البتہ جب جنازہ نیچے رکھ دیا جائے تو اس وقت بیٹھ سکتے ہیں۔ ہاں! اگر کوئی شخص کمزور اور ضعیف ہے، وہ بیٹھنا چاہتا ہے تو اس میں بھی کوئی حرج نہیں، لہٰذا ہر عمل اتباع سنّت کی نیت سے اور اس کا اہتمام کر کے کرے تو پھر ہر ہر موقع پر کیا جانے والا ہر عمل عبادت بن جاتا ہے۔

اسلامی الفاظ اور اصطلاحات

چوتھا حق جس کا اس حدیث میں ذکر ہے، وہ ''تشمیت العاطس'' یعنی چھینکنے والے کے ''الحمدللہ'' کہنے کے جواب میں ''یَرْحَمُكَ اللّٰه'' کہنا، حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کو ''تشمیت'' کے لفظ سے تعبیر فرمایا۔ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم سے جو الفاظ احادیث میں مروی ہیں یا قرآن کریم میں جو الفاظ آئے ہیں، وہ الفاظ بھی سیکھنے چاہئیں، ایک زمانہ وہ تھا کہ مسلمان چاہے وہ

باقاعدہ عالم نہ ہو اور اس نے کسی مدرسہ سے علم دین حاصل نہ کیا ہو، لیکن وہ اسلامی الفاظ اور اسلامی اصطلاحات سے وہ اتنا مانوس ہوتا تھا کہ بہت سے اسلامی الفاظ اور اسلامی اصطلاحات لوگوں کی زبانوں پر ہوتے تھے، اس کا نتیجہ یہ تھا کہ علماء کی تصانیف، کتابیں، تقاریر، وعظ وغیرہ کو سمجھنے میں کوئی دشواری نہیں ہوتی تھی، معاشرے میں ان اسلامی الفاظ اور اسلامی اصطلاحات کا عام رواج تھا، اس کا بڑا فائدہ تھا۔

اسلامی اصطلاحات سے ناواقفی کا نتیجہ

لیکن اب ان اسلامی اصطلاحات سے رفتہ رفتہ ناواقفیت اس درجہ بڑھ گئی ہے اور لوگ اس درجہ ان سے غافل اور لاعلم ہو گئے ہیں کہ اگر عام لفظ بھی اگر ان کے سامنے بولا جائے تو اس طرح حیرت سے چہرہ تکنے لگتے ہیں کہ معلوم نہیں کس زبان کا لفظ بول دیا۔ اس ناواقفیت کا نتیجہ یہ ہے کہ ابھی قریب ہی زمانے کی لکھی ہوئی علماء کی تصانیف، کتابیں، ملفوظات اور مواعظ پڑھنے میں دشواری ہوتی ہے اور شکایت کرتے ہیں کہ ہماری سمجھ میں نہیں آتیں۔ اب آج کے دور کا عام آدمی حضرت مولانا اشرف علی صاحب تھانوی رحمۃ اللہ علیہ کی تصانیف، آپ کے مواعظ اور ملفوظات کو نہیں سمجھتا، اس لئے کہ عام آدمی ان الفاظ سے اور ان اسلامی اصطلاحات سے نابلد ہے، ان سے مانوس نہیں، اور نہ ہی ان الفاظ کے سمجھنے کی طرف دھیان اور توجہ ہے۔ اس کا نتیجہ یہ ہے کہ وہ ان علماء کی تصانیف اور مواعظ اور ملفوظات کے استفادہ سے محروم رہ جاتا

ہے۔

انگریزی الفاظ کا رواج

لہٰذا یہ وبا اور بیماری ہمارے اندر پھیل گئی ہے کہ ''اسلامی اصطلاحات'' ہماری بول چال سے خارج ہوگئی ہیں اور دوسری طرف انگریزی زبان داخل ہوگئی، آج اگر کوئی شخص تھوڑا سا پڑھ لکھ لے اور میٹرک کر لے یا انٹر پاس کر لے تو اب وہ اپنی گفتگو میں آدھے الفاظ انگریزی کے بولے گا اور آدھے الفاظ اردو کے بولے گا، حالانکہ نہ تو اس کو اردو پوری طرح آتی ہے اور نہ انگریزی پوری طرح آتی ہے، تو انگریزی الفاظ بولنے کا اتنا خیال ہے، لیکن اسلامی اصطلاحات سے اتنا بعد اور اتنی دوری ہے کہ ان کا مطلب بھی اس کی سمجھ میں نہیں آتا، حالانکہ ان کو بھی سیکھنے کی فکر کرنی چاہئے۔

آج ''معارف القرآن'' سمجھ میں نہیں آتی

میرے والد ماجد حضرت مفتی محمد شفیع صاحب قدس اللہ سرہ نے قرآن کریم کی تفسیر ''معارف القرآن'' لکھی ہے، انہوں نے لکھی ہی اس مقصد سے تھی کہ ایک عام آدمی کو آسان انداز میں قرآن کریم کی تفسیر سمجھ میں آجائے۔ لیکن بہت سے لوگ آکر یہ کہتے ہیں کہ ہمیں تو ''معارف القرآن'' سمجھ میں نہیں آتی۔ اگر اس سے بھی کوئی آسان تفسیر لکھدیں تو کہیں گے کہ وہ بھی ہماری سمجھ میں نہیں آتی، وجہ اس کی یہ ہے کہ اسلامی تعلیمات کو حاصل کرنے

اور ان الفاظ سے اپنے آپ کو مانوس کرنے کی فکر ہی نہیں ہے۔ ورنہ آج سے پچاس سال پہلے کا ایک عام آدمی جس نے باقاعدہ علم دین حاصل نہیں کیا تھا، اس کے خطوط میں ایسے بہت سے الفاظ نظر آئیں گے کہ آجکل کا گریجویٹ اور ایم اے بھی اس خط کو نہیں سمجھ سکتا۔ بہرحال! اس کی فکر کرنی چاہئے، اس لئے جب حدیث سنا کریں تو اس کے الفاظ سے بھی اپنے کو مانوس کیا کریں۔

چھینکنے کے آداب

بہرحال! یہ لفظ ''تشمیت'' ہے۔ اس لفظ کو ''س'' سے ''تسمیت'' پڑھنا بھی درست ہے۔ اس کے معنی ہیں کہ جب کسی شخص کو چھینک آئے تو اس کے بارے میں حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی تعلیم یہ ہے کہ چھینکنے والے کو ''الحمدللہ'' کہنا چاہئے، اور جو شخص پاس بیٹھا سن رہا ہے اس کو ''یرحمک اللہ'' کہنا چاہئے، یعنی اللہ تعالیٰ تم پر رحم کرے، یہ ''یرحمک اللہ'' کے الفاظ کہنا ''تشمیت'' ہے۔ یہ عربی ہے اور اس کے معنی یہ ہیں کہ کسی کو اس بات کی دعا دینا کہ وہ صحیح راستے پر رہے۔

جمائی سستی کی علامت ہے

حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی تعلیم یہ ہے کہ چھینکنے والا ''الحمدللہ'' کہے اور اس کے ذریعہ اللہ تبارک وتعالیٰ کا شکر ادا کرے۔ ویسے تو ہر فعل اللہ تعالیٰ کے شکر کا متقاضی ہے، لیکن حدیث میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد

فرمایا کہ:

التثاؤب من الشیطان والعطاس من الرحمٰن

یعنی ''جمائی'' شیطانی اثرات کی حامل ہوتی ہے اور چھینک اللہ تعالیٰ کی رحمت کا ایک حصّہ ہے۔ وجہ اس کی یہ ہے کہ ''جمائی'' سستی کے وقت آتی ہے اور اس بات کی علامت ہوتی ہے کہ اس کو سستی آرہی ہے، اور ''سستی'' شیطانی اثرات لئے ہوئے ہوتی ہے جو انسان کو بھلائی سے، نیک کاموں سے اور صحیح طرز عمل سے باز رکھتی ہے، اگر انسان اس سستی پر عمل کرتا چلا جائے تو بالآخر وہ ہر طرح کی خیرات سے محروم ہوجاتا ہے۔ لہٰذا حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی تعلیم یہ ہے کہ اس سستی کو دور کرو، کاہلی کو دور کرو اور جس خیر کے کام میں سستی آرہی ہے، اس سستی کا مقابلہ کرکے وہ خیر کا کام کر گزرو۔

حضور ﷺ کا عاجزی اور سستی سے پناہ مانگنا

اسی لئے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ دعا فرمائی ہے کہ:

اَللّٰھُمَّ اِنِّیْ اَعُوْذُبِكَ مِنَ الْعِجْزِ وَالْكَسَلِ

اے اللہ! میں عاجزی اور سستی سے آپ کی پناہ مانگتا ہوں۔

اس لئے کہ یہ سستی بہت خراب چیز ہے، اس سے بچنا چاہئے، اور اگر کسی کو سستی ہوتی ہو تو اس کا اس کے علاوہ کوئی علاج نہیں کہ اس سستی کا مقابلہ کرے، مثلاً سستی کی وجہ سے دل چاہ رہا ہے کہ گھر میں پڑا رہوں اور کام پر نہ جاؤں، تو

اس کا علاج یہ ہے کہ زبردستی کرکے کھڑا ہو جائے اور اس سستی کا مقابلہ کرے۔ اور ''جمائی'' اس سستی کی ایک علامت ہے، اس لئے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ''جمائی'' شیطانی اثرات کی حامل ہے۔

چھینک اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہے

اور چھینک کے بارے میں حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ یہ چھینک ''رحمٰن'' کی طرف سے ہے، یعنی اللہ جل شانہ کی رحمت کا ایک عنوان ہے۔ ایک چھینک وہ ہوتی ہے جو نزلہ اور زکام کی وجہ سے آنی شروع ہو جاتی ہے اور مسلسل آتی چلی جاتی ہے، یہ تو بیماری ہے، لیکن اگر ایک آدمی صحت مند ہے اور نزلہ زکام کی کوئی بیماری نہیں ہے، اس کے باوجود اس کو چھینک آ رہی ہے تو اس کے بارے میں حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ یہ رحمٰن کی طرف سے رحمت کی علامت ہے۔ چنانچہ اطباء نے لکھا ہے کہ بعض اوقات انسان کے جسم پر کسی بیماری کا حملہ ہونے والا ہوتا ہے تو چھینک اس حملے کو روک دیتی ہے، اس طرح یہ چھینک اللہ تعالیٰ کی طرف سے رحمت کا ایک عنوان ہے یہ تو ظاہری رحمت ہے، ورنہ اس کے اندر جو باطنی رحمتیں ہیں وہ تو اللہ تعالیٰ ہی جانتے ہیں۔ چونکہ چھینک اللہ تعالیٰ کی رحمت کے عنوان میں سے ایک عنوانات ہے، اس لئے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جب کسی کو چھینک آئے تو ''الحمدللہ'' کہے اور اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کرے۔

اللہ تعالیٰ کو مت بھولو

ان احکام کے ذریعہ قدم قدم پر یہ سکھایا جا رہا ہے کہ اللہ تعالیٰ کو مت بھولو، اور اللہ تعالیٰ کی طرف ہر موقع پر رجوع کرو، اور ہر ہر موقع پر یہ کہا جا رہا ہے کہ اس وقت یہ پڑھ لو، اس وقت یہ پڑھ لو، یہ سب اس لئے کہا جا رہا ہے تا کہ ہماری زندگی کا ہر لمحہ اللہ تعالیٰ کے ذکر سے معمور ہو جائے اور ہر تغیر کے وقت اللہ تعالیٰ کی طرف رجوع کرنے کی عادت پڑ جائے۔ ساری عبادتوں، سارے زہد، سارے مجاہدوں، ساری ریاضتوں اور سارے تصوف اور سلوک کا حاصل یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کی طرف رجوع کرنے کی عادت پڑ جائے اور جس سے اللہ تعالیٰ کا تعلق حاصل ہو جائے۔ اس رجوع الی اللہ کی عادت ڈالنے کے لئے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ مختلف طریقے تلقین فرمائے ہیں۔ مثلاً یہ کہ چھینک آئے تو فوراً کہو: الحمد للہ۔

یہ سنت مردہ ہوتی جارہی ہے

ایک زمانہ وہ تھا کہ جب یہ بات مسلمانوں کے شعائر میں داخل تھی اور اس کو سکھانے اور بتانے کی ضرورت نہیں پڑتی تھی، اور اس وقت اس بات کا تصور بھی نہیں تھا کہ اگر کسی مسلمان کو چھینک آئے گی تو وہ الحمد للہ نہیں کہے گا، بچپن سے تربیت ایسی کی جاتی تھی کہ اس کے خلاف ہوتا ہی نہیں تھا۔ لیکن اب ہر چیز مٹتی جارہی ہے تو اس کے ساتھ ساتھ یہ سنت بھی مردہ ہوتی جارہی ہے،

اس سنت کو زندہ کرنے کی ضرورت ہے، اس لئے جب چھینک آئے تو فوراً کہو: ''الحمدللہ''

چھینکنے والے کا جواب دینا واجب ہے

پھر دوسرا مرحلہ یہ ہے کہ جو شخص چھینکنے والے کے پاس بیٹھا ہے اور اس نے یہ سنا کہ چھینکنے والے نے ''الحمدللہ'' کہا تو اس سننے والے پر شرعاً واجب ہے کہ جواب میں ''یرحمک اللہ'' کہے، اسی کا نام ''تشمیت'' ہے۔ اور یہ جواب دینا صرف سنت یا مستحب نہیں بلکہ واجب ہے، لہٰذا اگر کوئی شخص ''یرحمک اللہ'' کے ذریعہ جواب نہیں دے گا تو اس کو ترک واجب کا گناہ ہوگا۔ البتہ یہ اس وقت واجب ہے کہ چھینکنے والے نے ''الحمدللہ'' کہا ہو، اور اگر چھینکنے والے نے ''الحمدللہ'' نہیں کہا تو پھر سننے والے پر ''یرحمک اللہ'' کہنا واجب نہیں۔

البتہ واجب علی الکفایۃ ہے

البتہ اللہ تعالیٰ نے اس میں اتنی آسانی فرما دی ہے کہ اس کو واجب علی الکفایہ قرار دیا ہے، یعنی واجب علی العین نہیں ہے کہ ہر سننے والے پر جواب دینا ضروری ہو، بلکہ اگر سننے والے دس افراد ہیں اور ان میں سے ایک نے ''یرحمک اللہ'' کہہ دیا تو سب کی طرف سے واجب ادا ہوگیا۔ لیکن ساری مجلس میں کسی ایک فرد نے بھی ''یرحمک اللہ'' نہیں کہا تو تمام افراد ترک واجب کی وجہ سے گناہ گار ہوں گے۔

فرض عین اور فرض کفایہ کا مطلب

یہ سب اصطلاحات بھی جاننے کی ہیں اور سیکھنی چاہئیں۔ دیکھئے! ایک ہے ''فرض عین'' اس کا مطلب یہ ہے کہ وہ کام ہر ایک آدمی پر فرض ہے، جیسے نماز ہر ہر آدمی پر علیحدہ علیحدہ فرض ہے، ایک کی نماز سے دوسرے کی نماز ادا نہیں ہوتی، اس کو ''فرض عین'' کہا جاتا ہے۔ دوسرا ہے ''فرض کفایہ'' اس کا مطلب یہ ہے کہ اگر بہت سے افراد میں سے ایک دو افراد نے بھی وہ کام کرلیا تو سب کی طرف سے وہ فریضہ ادا ہو جائے گا، جیسے نماز جنازہ ''فرض کفایہ'' ہے، اگر چند افراد بھی نماز جنازہ ادا کرلیں گے تو سب کی طرف سے وہ فرض ادا ہو جائے گا، لیکن اگر کوئی بھی نہیں پڑھے گا تو سب گناہ گار ہوں گے۔

سنّت علی الکفایہ

مثلاً رمضان کے آخری عشرے میں اعتکاف کرنا ''سنّت مؤکدہ علی الکفایہ'' ہے۔ یعنی اگر محلّے میں سے کوئی ایک شخص بھی مسجد میں جاکر اعتکاف میں بیٹھ گیا تو تمام اہل محلّہ کی طرف سے وہ سنّت ادا ہو جائے گی، لیکن اگر ایک شخص بھی اعتکاف میں نہیں بیٹھا تو سارے محلّے والے ترک سنّت مؤکدہ کے گناہ گار ہوں گے۔ اسی طرح چھینکنے والے کا جواب دینا ''واجب علی الکفایہ'' ہے، یعنی اگر مجلس میں ایک شخص نے بھی جواب دیدیا تو سب کی طرف سے واجب ادا ہو گیا، لیکن اگر کسی نے بھی جواب نہ دیا تو سب کے سب ترک

واجب کے گناہ گار رہوں گے۔

یہ مسلمان کا ایک حق ہے

ہم لوگ ذرا جائزہ لیں کہ اپنی روزمرہ کی زندگی میں اس واجب سے کتنی غفلت برتتے ہیں۔ اوّل تو چھینکنے والا "الحمدللہ" نہیں کہتا، اور اگر وہ الحمدللہ کہے تو سننے والے "یرحمک اللہ" کے ذریعہ جواب دینے کا اتنا اہتمام نہیں کرتے جتنا اہتمام کرنا چاہئے۔ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم اس حدیث کے ذریعہ یہ بتا رہے ہیں کہ "تشمیت" کرنا ایک مسلمان کا دوسرے مسلمان پر حق ہے اور اس کے ذمے واجب ہے۔

کتنی مرتبہ جواب دینا چاہئے

البتہ جیسا کہ ابھی بتلایا کہ اس میں اللہ تعالیٰ نے آسانی یہ فرمادی ہے کہ ایک تو اس حق کو "واجب علی الکفایہ" قرار دیا، دوسرے یہ کہ بعض اوقات یہ ہوتا ہے کہ ایک آدمی کو مسلسل چھینکیں آرہی ہیں اور وہ مسلسل الحمدللہ کہہ رہا ہے، اور سننے والا مسلسل "یرحمک اللہ" کہتا جارہا ہے، اس کا مطلب یہ ہے کہ اب وہ دوسرے کام چھوڑ کر بس یہی کرتا رہے۔ تو اس کے بارے میں بھی حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ ادب بتادیا کہ اگر ایک مرتبہ چھینک آئے تو جواب دینا واجب ہے، اور دوسری مرتبہ چھینک آئے تو جواب دینا سنت ہے، اور تیسری مرتبہ جواب دینا بھی سنت ہے اور باعث اجر وثواب ہے۔ اس کے بعد اگر

چھینک آئے تو اب جواب نہ تو واجب ہے اور نہ سنت ہے، البتہ اگر کوئی شخص جواب دینا چاہے تو جواب دیدے، انشاء اللہ اس پر بھی ثواب ملے گا۔

حضور ﷺ کا طرز عمل

حدیث شریف میں آتا ہے کہ ایک مجلس میں حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم تشریف فرما تھے، ایک صحابی کو چھینک آئی، انہوں نے الحمد للہ کہا، آپ ﷺ نے جواب میں ''یرحمک اللہ'' فرمایا، دوسری مرتبہ پھر چھینک آئی، آپ ﷺ نے پھر جواب دیا ''یرحمک اللہ'' تیسری مرتبہ پھر چھینک آئی آپ ﷺ نے تیسری مرتبہ جواب دیا ''یرحمک اللہ'' جب چوتھی مرتبہ ان کو چھینک آئی تو آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا: ''رجل مزکوم'' یعنی ان صاحب کو زکام ہے، اور اس مرتبہ آپ ﷺ نے جواب نہیں دیا۔

(ترمذی، کتاب الادب باب ماجاء کم یشمّت العاطس)

اس حدیث کے ذریعہ آپ ﷺ نے یہ مسئلہ بتادیا کہ تیسری مرتبہ کے بعد جواب دینے کی ضرورت نہیں۔ دیکھئے! شریعت نے ہماری اور آپ کی سہولت کے لئے کن کن باریکیوں کی رعایت فرمائی ہے، تاکہ یہ نہ ہو کہ آدمی

واجب ہے جب چھینکنے والا ''الحمدللہ'' کہے، اگر چھینکنے والے نے ''الحمدللہ'' نہیں کہا تو اس کا جواب دینا واجب نہیں، لیکن جواب دینا اچھا ہے، تاکہ چھینکنے والے کو تنبیہ ہو جائے کہ مجھے ''الحمدللہ'' کہنا چاہئے تھا۔

حضور ﷺ کا جواب نہ دینا

حدیث شریف میں آتا ہے کہ ایک مرتبہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم مجلس میں تشریف فرما تھے، ایک صحابی کو چھینک آئی، انہوں نے ''الحمدللہ'' کہا، آپ ﷺ نے جواب میں ''یرحمک اللہ'' فرمایا، تھوڑی دیر کے بعد ایک اور صحابی کو چھینک آئی، لیکن انہوں نے ''الحمدللہ'' نہیں کہا، آپ ﷺ نے ''یرحمک اللہ'' بھی نہیں کہا۔ ان صحابیؓ نے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کریں کہ یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! ان صاحب کو تھوڑی دیر پہلے چھینک آئی تھی تو آپ ﷺ نے ان کو ''یرحمک اللہ'' کے ذریعہ دعا دیدی تھی اور اب مجھے چھینک آئی تو آپ ﷺ نے مجھے دعا نہیں دی۔ آپ ﷺ نے جواب دیا کہ ان صاحب نے ''الحمدللہ'' کہہ کر اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کیا تھا، اس لئے میں نے ان کے جواب میں ''یرحمک اللہ'' کہا، تم نے ''الحمدللہ'' نہیں کہا، اس لئے میں نے جواب میں ''یرحمک اللہ'' نہیں کہا۔ اس حدیث سے معلوم ہوا کہ ''یرحمک اللہ'' کے ذریعہ جواب دینا اس وقت واجب ہے جب چھینکنے والا ''الحمدللہ'' کہے۔

(ترمذی، کتاب الادب، باب ماجاء فی ایجاب التشمیت بحمد العاطس)

چھینکنے والا بھی دعا دے

پھر تیسری بات یہ ہے کہ جب ''الحمدللہ'' کے جواب میں سننے والے نے ''یرحمک اللہ'' کہا تو اب چھینکنے والے کو چاہئے کہ وہ ''یھدیکم اللّٰہ'' کہے۔ اور ایک روایت میں آتا ہے کہ وہ ''یھدیکم اللّٰہ ویصلح بالکم'' کہے۔ اس لئے کہ جب سننے والے نے یہ دعا دی کہ اللہ تعالیٰ تم پر رحم کرے تو اب جواب میں چھینکنے والا اس کو یہ دعا دے کہ اللہ تعالیٰ تمہیں ہدایت عطا فرمائے اور تمہارے سب کام ٹھیک کر دے۔ ان احکام کے ذریعہ چھوٹی چھوٹی باتوں پر ایک دوسرے کو دعا دینے کی عادت ڈالی جا رہی ہے، کیونکہ جب ایک مؤمن دوسرے مؤمن کے لئے دعا کرتا ہے تو اس دعا کی قبولیت کی بہت امید ہوتی ہے، اس لئے فرمایا گیا کہ دوسروں کے لئے دعا کیا کرو۔

(ترمذی، کتاب الادب، باب ماجاء کیف تشمیت العاطس)

ایک چھینک پر تین مرتبہ ذکر

دیکھئے! چھینک ایک مرتبہ آئی، لیکن اس میں تین مرتبہ اللہ کا ذکر ہوگیا، تین مرتبہ اللہ تعالیٰ کی طرف رجوع ہوگیا اور تین دعائیں ہوگئیں۔ اور دو مسلمانوں کے درمیان آپس میں دعاؤں کا تبادلہ ہوا، اور اس تبادلے کے نتیجے میں ایک دوسرے سے ہمدردی اور خیرخواہی کرنے کا ثواب بھی ملا اور اللہ تعالیٰ کے ساتھ تعلق بھی قائم ہوگیا۔ یہ وہ نسخۂ کیمیا ہے جو حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم

بیان کر کے تشریف لے گئے۔ بہرحال! ''تشمیت'' کرنا، ایک مسلمان کا دوسرے مسلمان پر حق ہے اور واجب ہے۔

کمزور اور مظلوم کی مدد کرنا

ایک مسلمان کا دوسرے مسلمان پر پانچواں حق یہ بیان فرمایا: ''نصر الضعیف'' یعنی کمزور کی مدد کرنا۔ اسی کے ساتھ چھٹا حق یہ بیان فرمایا ''عون المظلوم'' یعنی مظلوم کی مدد کرنا۔ یعنی جو شخص کسی ظلم کا شکار ہے، اس سے ظلم دور کرنے کے لئے اس کی مدد کرنا بھی ایک مؤمن کا دوسرے مؤمن پر حق ہے، اور یہ انسان کے اندر جتنی استطاعت ہو، اس استطاعت کی حد تک دوسرے مسلمان کی مدد کرنا واجب ہے، اگر ایک مؤمن قدرت کے باوجود دوسرے مؤمن کو ظلم سے نہ بچائے یا اس کی مدد نہ کرے تو وہ گناہ گار ہوگا۔

مظلوم کی مدد واجب ہے

ایک حدیث میں حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

المسلم اخو المسلم لا یظلمه ولا یسلمه

(ابوداؤد، کتاب الادب، باب المؤاخاة)

یعنی ایک مسلمان دوسرے مسلمان کا بھائی ہے، نہ وہ خود اس پر ظلم کرتا ہے اور نہ اس کو بے یار و مددگار چھوڑتا ہے۔ یعنی اگر کوئی شخص کسی مسلمان پر ظلم کر رہا ہے اور تم اس کو روک سکتے ہو، تو ایسے موقع پر اس کو بے یار و مددگار چھوڑنا جائز

نہیں، بلکہ اس کی مدد کرنا واجب ہے۔

ورنہ اللہ تعالیٰ کا عذاب آ جائیگا

بلکہ ایک حدیث میں حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے بڑی سخت وعید بیان فرمائی کہ اگر کچھ لوگ یہ دیکھ رہے ہوں کہ کوئی شخص کسی مسلمان پر ظلم کر رہا ہے، چاہے وہ ظلم جانی ہو یا مالی ہو، اور ان کو اس ظالم کا ہاتھ پکڑنے کی اور اس شخص کو ظلم سے بچانے کی قدرت ہو، پھر بھی وہ اس ظالم کا ہاتھ نہ پکڑیں، اور اس کو ظلم سے نہ بچائیں تو قریب ہے کہ اللہ تعالیٰ ایسے لوگوں پر اپنا عذاب نازل فرمادے۔

عذاب کی مختلف شکلیں

پھر یہ ضروری نہیں کہ وہ عذاب اسی قسم کا ہو جیسے پچھلی امتوں پر عذاب آئے، مثلاً آسمان سے انگارے برسیں، یا طوفان آ جائے، یا ہوا کے جھکڑ چل پڑیں، بلکہ اللہ تعالیٰ کے عذاب کی شکلیں مختلف ہوتی ہیں، اللہ تعالی ہمیں اپنے عذاب اور عتاب سے محفوظ رکھے۔ آمین۔ ہم دن رات جو دیکھ رہے ہیں کہ ڈاکے پڑ رہے ہیں، چوریاں ہو رہی ہیں، بدامنی اور بے چینی کا دور دورہ ہے، کسی شخص کی جان، کسی کا مال، کسی کی عزت اور آبرو محفوظ نہیں، ہر شخص بے چینی اور بے اطمینانی کا شکار ہے، یہ سب اللہ تعالیٰ کے عذاب کے عنوانات ہیں، یہ سب عذاب کی مختلف شکلیں ہیں۔ اب، یہ تو دور آ گیا ہے کہ اپنی آنکھوں سے

ایک انسان پر ظلم ہوتے ہوئے دیکھ رہے ہیں، اور اس کو ظلم سے بچانے کی قدرت بھی ہے، لیکن اس کے باوجود اس کو ظلم سے بچانے کی طرف توجہ نہیں ہے۔

احساس مروت کو کچل دیتے ہیں آلات

خاص طور پر جب سے ہمارے یہاں مغربی تہذیب کا سیلاب امڈ آیا ہے اور لوگوں کے پاس دولت آ گئی ہے تو اس دولت نے لوگوں کو اس طرح اندھا کر دیا ہے کہ مروت، انسانیت، شرافت سب کچل کر رہ گیا ہے۔ اقبال مرحوم نے کہا تھا کہ ؎

ہے دل کیلئے موت مشینوں کی حکومت
احساس مروت کو کچل دیتے ہیں آلات

لہٰذا ان جدید آلات نے مروت کے احساس کو کچل دیا ہے۔

ایک عبرتناک واقعہ

ایک مرتبہ میں نے خود اپنی آنکھوں سے دیکھا کہ ایک بہت شاندار کار سڑک پر گزری، جس میں کوئی صاحب بہادر بیٹھے تھے، اور اس کار نے ایک راہ گیر کو ٹکر ماری، وہ سڑک پر گرا اور اس کے جسم سے خون بہنے لگا، مگر ان صاحب بہادر کو یہ توفیق نہیں ہوئی کہ کار روک کر دیکھ لے کہ کتنی چوٹ آئی، صرف اتنا ہوا کہ اس نے کھڑکی سے جھانک کر دیکھا کہ ایک شخص زمین پر گرا ہوا ہے، بس

یہ دیکھ کر وہ روانہ ہوگیا۔ وجہ یہ ہے کہ اس دولت نے اور اس مغربی تہذیب نے ہمیں اس درجہ پر پہنچا دیا کہ کسی آدمی کی جان مکھی اور مچھر سے زیادہ بے وقعت ہوکر رہ گئی ہے، آج کا انسان انسان نہیں رہا۔

مسلمان کی مدد کرنے کی فضیلت

واقعہ یہ ہے کہ انسان اس وقت تک انسان نہیں بن سکتا جب تک وہ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت پر عمل نہ کرے، آپ کی سنت یہ ہے کہ آدمی ضعیف کی مدد کرے اور مظلوم کے ساتھ تعاون کرے۔ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کی بڑی فضیلت بھی ارشاد فرمائی ہے کہ:

واللّٰہُ فی عون العبد ما کان العبد فی عون اخیہ۔

(مسند احمد ج ۲، ص ۲۷۴)

یعنی جب تک مسلمان کسی معاملے میں اپنے بھائی کی مدد کرتا رہتا ہے تو اللہ تعالیٰ بھی اس کی مدد کرتا رہتا ہے اور اس کے کام بناتا رہتا ہے۔

زمین والوں پر رحم کرو آسمان والا تم پر رحم کریگا

ایک حدیث میں حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے بڑا اچھا ارشاد فرمایا۔ اس حدیث کے بارے میں محدثین کے یہاں یہ طریقہ چلا آرہا ہے کہ جب بھی کوئی طالب علم کسی محدث کے پاس حدیث پڑھنے جاتا ہے تو استاذ اس طالب علم کو سب سے پہلے یہ حدیث سناتے ہیں، وہ حدیث یہ ہے کہ حضور اقدس صلی

اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

اَلرَّاحِمُوْنَ یَرْحَمُهُمُ الرَّحْمٰنُ تَبَارَكَ وَتَعَالٰی اِرْحَمُوْا مَنْ فِي الْاَرْضِ مَرْحَمْكُمْ مَنْ فِي السَّمَاءِ۔

(ابوداؤد، کتاب الادب، باب فی الرحمة)

رحم کرنے والوں پر ''رحمٰن'' رحم کرتا ہے، تم زمین والوں پر رحم کرو، آسمان والا تم پر رحم کرے گا۔

اور جو آدمی زمین والوں پر رحم کرنا نہیں جانتا، اس کو آسمان والے سے بھی رحمت کی توقع مشکل ہے۔ بہر حال! ضعیف کی مدد کرنا اور مظلوم کی اعانت کرنا اسلامی تعلیمات کا اہم شعار ہے۔

قسم کھانے والے کی مدد کرنا

ایک مسلمان کے دوسرے مسلمان پر جو حقوق ہیں، ان میں سے ساتواں حق جو حدیث میں بیان فرمایا: وہ ہے ''اِبْرَارُ الْمُقْسِمِ'' اس کا مطلب یہ ہے کہ اگر کسی مسلمان نے کوئی قسم کھالی ہے اور اب وہ اس قسم کو پورا کرنے پر قادر نہیں ہے، تو ایسے مسلمان کی مدد کرنا تاکہ وہ اپنی قسم پوری کرلے، یہ بھی مسلمان کے حقوق میں داخل ہے۔ اللہ تعالیٰ اپنی رحمت سے ان باتوں پر عمل کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین۔

وَآخِرُ دَعْوَانَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ

خندہ پیشانی سے ملنا سنّت ہے

شیخ الاسلام حضرت مولانا مفتی محمد تقی عثمانی صاحب مدظلہم

ضبط و ترتیب
محمد عبداللہ میمن

میمن اسلامک پبلشرز
۱۸۸/۱۔ لیاقت آباد، کراچی ۱۹

موضوع خطاب :

مقام خطاب : جامع مسجد بیت المکرّم
گلشن اقبال کراچی

وقت خطاب : بعد نماز عصر تا مغرب

اصلاحی خطبات : جلد نمبر ۱۲

صفحات :

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْم

خندہ پیشانی سے ملنا سنّت ہے

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ نَحْمَدُہٗ وَ نَسْتَعِیْنُہٗ وَ نَسْتَغْفِرُہٗ وَ نُؤْمِنُ بِہٖ وَنَتَوَکَّلُ عَلَیْہِ وَنَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنْ شُرُوْرِ اَنْفُسِنَا وَمِنْ سَیِّئَاتِ اَعْمَالِنَا ۔ مَنْ یَّھْدِہِ اللّٰہُ فَلَا مُضِلَّ لَہٗ وَمَنْ یُّضْلِلْہُ فَلَا ھَادِیَ لَہٗ وَنَشْھَدُاَنْ لَّا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ وَحْدَہٗ لَاشَرِیْکَ لَہٗ وَنَشْھَدُاَنَّ سَیِّدَنَا وَنَبِیَّنَا وَمَوْلَانَا مُحَمَّداً عَبْدُہٗ وَ رَسُوْلُہٗ صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَعَلٰی اٰلِہٖ وَاَصْحَابِہٖ وَبَارَکَ وَسَلَّمَ تَسْلِیْمًا کَثِیْرًا ۔ أَمَّا بَعْدُ!

عن عطاء بن یسارٍ رحمه اللّٰه تعالیٰ قال: لقیت عبداللّٰه بن عمرو بن العاص رضی اللّٰه تعالیٰ عنه، فقلت اخبرنی عن صفة رسول اللّٰه صلی اللّٰه علیه وسلم فی التوراة

قال فقال أجل والله إنه لموصوف فی التوراة ببعض صفته فی القرآن یٰأیها النبی إنا ارسلنٰک شاهدًا ومبشراً ونذیرا وحرزًا للأمّیین أنت عبدی و رسولی سمیتک المتوکل لیس بفظ ولا غلیظ ولا سخّاب فی الأسواق ولا یدفع السیئة بالسیئة ولکن یعفو ویصفح ولن یقبضه اللّٰه تعالیٰ حتی یقیم به الملة العوجاء بان یقولوا لا إله الا اللّٰه فیفتح بها اعیناً عمیا و آذا ناً صماً وقلوباً غلفًا۔

(بخاری، کتاب التفسیر، سورۃ ۴۸، باب ۳)

خندہ پیشانی سے پیش آنا خلق خدا کا حق ہے

یہ ایک طویل حدیث ہے اور اس پر امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے "باب الانبساط الی النّاس" کا عنوان قائم فرمایا ہے۔ یعنی لوگوں کے ساتھ خندہ پیشانی سے پیش آنا اور لوگوں میں گھلے ملے رہنا۔

یہ کتاب امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے "الأدب المفرد" کے نام سے لکھی ہے، اور اس میں حضور سرور دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی وہ احادیث جمع کی ہیں جو زندگی کے مختلف شعبوں میں اسلامی آداب سے متعلق ہیں، اور ان

آداب کی آپ ﷺ نے اپنے قول وفعل سے تلقین فرمائی ہے۔ان میں سے ایک ادب اور ایک سنّت یہ ہے کہ مخلوق کے ساتھ گھلے ملے رہو اور ان کے ساتھ خندہ پیشانی سے پیش آؤ۔

اور یہ خلق خدا کا حق ہے کہ جب اللہ کے کسی بندے سے ملاقات ہو تواس سے آدمی خندہ پیشانی سے ملے، اپنے آپ کو بہ تکلّف تندخو اور سخت مزاج نہ بنائے کہ لوگ قریب آتے ہوئے وحشت کریں، خواہ اللہ پاک نے دین کا یا دنیا کا بڑے سے بڑا مقام یا منصب عطا فرمایا ہو، وہ اس مقام کی وجہ سے اپنے آپ کولوگوں سے کٹ کر سخت مزاج بن کر نہ بیٹھے بلکہ گھلا ملا رہے، یہ انبیاء کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام کی سنّت ہے۔

اس سنّت نبوی ﷺ پر کافر ں کا اعتراض

بلکہ یہ وہ سنّت ہے جس پر بعض کافروں نے اعتراض کیا تھا۔قرآن پاک میں آتا ہے کہ:

وَقَالُوْا مَالِ هٰذَا الرَّسُوْلِ يَاْكُلُ الطَّعَامَ
وَيَمْشِىْ فِى الْاَسْوَاقِ ۝

(سورۃ الفرقان، آیت ٦)

اور کفار کہتے ہیں کہ یہ کیسا رسول ہے جو کھانا بھی کھاتا ہے اور بازاروں میں بھی پھرتا ہے۔

کفار سمجھتے تھے کہ بازاروں میں پھرنا منصب پیغمبری کے خلاف ہے۔ یہ اس وجہ

سے سمجھتے تھے کہ انہوں نے اپنے بادشاہوں اور سرداروں کو دیکھا تھا کہ جب وہ بادشاہت کے منصب پر فائز ہو جاتے تھے تو عوام سے کٹ کر بیٹھ جاتے تھے، عام آدمی کی طرح بازاروں میں نہیں آتے تھے، بلکہ خاص شاہانہ شان وشوکت سے آتے تھے۔ تو وہ یہ سمجھتے تھے کہ پیغمبری اتنا بڑا اور اونچا مقام ہے کہ بادشاہت تو اس کے مقابلے میں گرد ہے۔

لیکن قرآن کریم نے ان کے اس خیالِ باطل کی تردید کی، اس لئے کہ پیغمبر تو آتے ہی تمہاری اصلاح کے لئے ہیں، لہٰذا دنیا کا بھی ہر کام عام انسانوں میں گھل مل کر کر کے دکھاتے ہیں، اور اس کے آداب اور اس کی شرائط بتاتے ہیں، نہ یہ کہ اپنے آپ کو عوام سے کاٹ کر ایک طرف بیٹھ جاتے ہیں۔ لہٰذا پیغمبروں کا بازاروں میں چلنا پھرنا اور ملن سار ہونا کوئی عیب کی بات نہیں۔

حضرت حکیم الامت قدس اللہ تعالیٰ سرہ فرماتے ہیں کہ جو شخص مقتدا (مقتدا کا مطلب ہوتا ہے جس کو دیکھ کر لوگ اطاعت کرتے ہوں) بننے کے بعد لوگوں سے کٹ کر بیٹھ گیا اور اپنی شان بنالی تو اس کو اس طریق کی ہوا بھی نہیں لگی۔

فرمایا کہ ایک عام آدمی کی طرح رہو جس طرح نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم رہا کرتے تھے۔

ملن ساری کا نرالا انداز

شمائل ترمذی میں روایت ہے کہ:

حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم ایک مرتبہ مدینہ منورہ کے سوق مناقہ (سوق مناقہ مدینہ منورہ کا ایک بازار تھا جو اب حرم شریف کی توسیع والے حصّے میں شامل ہوگیا ہے،میں نے بھی کسی زمانے میں اس کی زیارت کی تھی) میں تشریف لے گئے، تو وہاں ایک دیہاتی تھے حضرت زاہد رضی اللہ تعالیٰ عنہ دیہات سے سامان لاکر شہر میں بیچا کرتے تھے، سیاہ رنگ تھا اور غریب آدمی تھے، حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم ان سے بہت محبّت فرمایا کرتے تھے۔ایک مرتبہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم چپکے سے ان کے پیچھے گئے اور ان کی کولی بھرلی اور ان کو پیچھے سے کمر سے پکڑ لیا پھر آواز لگائی کہ من یشتری ھذا العبدمنی کون ہے جو مجھ سے یہ غلام خریدے گا؟ آپ ﷺ نے مزاح فرمایا۔ جب حضرت زاہد رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے آواز پہچان لی تو ان کی خوشی کی انتہاء نہ رہی۔ وہ فرماتے ہیں کہ میں نے اپنی پشت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے جسد اطہر کے ساتھ اور ملانے کی کوشش کی اور میں نے کہا کہ یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! اگر آپ ﷺ اس غلام کو فروخت کریں گے تو بہت کم پیسے ملیں گے، اس لئے کہ سیاہ فام ہے اور

معمولی درجے کا آدمی ہے۔ تو سرکارِ دو عالم صلی اللہ
علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ نہیں اے زاہد! اللہ کے ہاں
تمہاری قیمت بہت زیادہ ہے۔

اس واقعہ سے اندازہ لگائیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم بازار میں تشریف لے جارہے ہیں اور کس طرح ایک معمولی درجے کے آدمی کے ساتھ مزاح فرمارہے ہیں۔ دیکھنے والا یہ اندازہ لگا سکتا ہے کہ یہ کتنا اولوالعزم پیغمبر ہے کہ جس کے سامنے جبرئیل امین کے بھی پر جلتے ہیں۔ علیہ الصلوٰۃ والسلام۔

مفتی اعظم پاکستان ہے یا عام راہگیر؟

میرے شیخ حضرت ڈاکٹر عبدالحیؒ صاحب قدس اللہ تعالیٰ سرہ، اللہ تعالیٰ ان کے درجات بلند فرمائے، آمین۔ فرماتے ہیں کہ ایک مرتبہ میں اپنے مطب میں بیٹھا ہوا تھا (حضرتؒ کا مطب اس وقت برنس روڈ پر ہوتا تھا اور ہمارا گھر بھی اس زمانے میں اس کے قریب ہی ہوا کرتا تھا) دیکھا کہ مطب کے سامنے فٹ پاتھ پر مفتی اعظم پاکستان حضرت مفتی محمد شفیع صاحب رحمۃ اللہ علیہ ہاتھ میں پتیلی لئے ہوئے ایک عام آدمی کی طرح جارہے ہیں، فرماتے ہیں کہ میں دیکھ کر حیران رہ گیا کہ مفتی اعظم پاکستان جس کے چار دانگ عالم میں علم و فضل اور تقویٰ کے گن گائے جاتے ہیں، وہ اس طرح ایک عام آدمی کی طرح ہاتھ میں پتیلی لے کر پھر رہا ہے۔ تو میں نے اپنے ساتھیوں سے کہا کہ کیا ان کو دیکھ کر کوئی پہچان سکتا ہے کہ یہ مفتی اعظم پاکستان ہیں؟

پھر حضرت ڈاکٹر صاحبؒ نے فرمایا کہ جس شخص کو اللہ تعالیٰ اپنے ساتھ خاص تعلق عطاء فرما دیتے ہیں، وہ اپنے آپ کو عام مسلمانوں کے ساتھ اس طرح گھلا ملا کر رکھتا ہے کہ کسی کو معلوم بھی نہیں ہوتا کہ یہ کس مقام کے آدمی ہیں۔

اور یہی سنّت ہے جناب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی، نہ یہ کہ آدمی اپنی شان بنا کر رکھے اور لوگوں کے ساتھ معاملات کرنے میں تکلف سے کام لے۔

مسجد نبوی ﷺ سے مسجدِ قباء کی طرف عامیانہ چال

ایک مرتبہ جناب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم مسجد نبوی ﷺ سے پیدل چل کر ایسے ہی دوستانہ ملاقات کے لئے حضرت عتبان بن مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے پاس تشریف لے گئے جو مسجد قباء کے قریب رہتے تھے، تقریباً تین میل کا فاصلہ ہے۔ ان کے گھر کے دروازے پر جا کر تین دفعہ آواز دی، شاید وہ صحابی کسی ایسی حالت میں تھے کہ جواب نہیں دے سکتے تھے، تو قرآن پاک کے حکم کے مطابق:

واذا قیل لکم ارجعوا فارجعوا۔

جب تم سے کہا جائے کہ واپس چلے جاؤ تو واپس ہو جاؤ۔

چنانچہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم واپس مسجد نبوی ﷺ تشریف لے آئے۔ کوئی ناگواری کا اظہار نہیں فرمایا، دوست سے ملنے گئے تھے، اپنی طرف سے دوستی کا حق ادا کیا، نہیں ہوئی ملاقات، واپس تشریف لے آئے۔

بعد میں حضرت عتبان بن مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو معلوم ہوا تو وہ دوڑتے ہوئے آئے اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے ملے اور فداء ہونے لگے کہ میری کیا حیثیت کہ آپ میرے در پہ تشریف لائے۔

شاید یہ مشکل ترین سنّت ہو

ویسے تو حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی ساری سنّتیں ایسی ہیں کہ ہر سنّت پہ انسان قربان ہو جائے۔ لیکن ایک سنّت ترمذی شریف کی ایک روایت میں آئی ہے، میں سمجھتا ہوں شاید اس پر عمل کرنا مشکل ترین کام ہے، لیکن سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کا معمول تھا۔

روایت میں آتا ہے کہ سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم سے کوئی بات کرتا تو آپ ﷺ اس وقت تک اس سے چہرہ نہیں پھیرتے تھے جب تک کہ وہ خود ہی چہرہ نہ پھیر لے، اپنی طرف سے بات کاٹتے نہیں تھے۔

کہنے کو آسان بات ہے، اس کا اندازہ اس وقت ہوتا ہے جب سینکڑوں آدمی رجوع کرتے ہوں، کوئی مسئلہ پوچھ رہا ہے، کوئی اپنی مشکل بیان کر رہا ہے، تو آدمی کا دل چاہتا ہے کہ میں جلدی جلدی ان سے نمٹ جاؤں۔

اور بعض لوگ ایسے ہوتے ہیں کہ وہ جب بولنے پر آ جائیں تو رکنے کا نام ہی نہیں لیتے، تو ان کے ساتھ یہ معاملہ کرنا کہ جب تک وہ نہ رک جائے اس وقت تک اس سے نہ ہٹے، یہ بہت زیادہ مشکل کام ہے۔

لیکن جناب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم جو جہاد میں بھی مشغول ہیں، تبلیغ

میں بھی مصروف ہیں، تعلیم میں بھی مصروف ہیں، جو پوری دنیا کی اصلاح کے لئے مبعوث ہوئے ہیں، ایک بوڑھیا بھی راستہ میں پکڑ کر کھڑی ہو جاتی ہے تو اس وقت تک اس سے نہیں پھرتے جب تک کہ پوری طرح اس کو مطمئن نہیں کر دیتے۔

مخلوق سے محبّت کرنا، حقیقتاً اللہ سے محبّت کرنا ہے

یہ صفت انسان کے اندر اس وقت پیدا ہوسکتی ہے کہ جب مخلوق کے ساتھ اس وجہ سے محبّت ہو کہ یہ میرے اللہ کی مخلوق ہے۔

ہمارے حضرت ڈاکٹر عبدالحی صاحب رحمۃ اللہ علیہ فرمایا کرتے تھے کہ اگر تمہیں اللہ تعالیٰ سے محبّت ہے تو تم اللہ تعالیٰ سے کیا محبت کروگے، اللہ کی ذات کو نہ دیکھا، نہ سمجھا، نہ اس کو تم تصور میں لا سکتے ہو۔

اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ اگر مجھ سے محبّت ہے تو میری مخلوق سے محبّت کرو اور میری مخلوق کے ساتھ اچھا سلوک کرو تو اللہ تعالیٰ کی محبّت کا ایک عکس تمہاری زندگی میں آئے گا، یہ کوئی معمولی بات نہیں ہے۔ اسی لئے امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ یہ باب قائم کر رہے ہیں۔ "باب الانسباط إلى الناس" کہ لوگوں کے ساتھ خندہ پیشانی سے پیش آنا اور ان کے ساتھ گھلا ملا رہنا اور اس طرح رہنا "کأحدمن الناس" جیسے ایک عام آدمی ہوتا ہے، یعنی اپنا کوئی امتیاز پیدا نہ کرنا، یہ مقصود ہے اس باب کا۔ اس میں حدیث نقل کی ہے حضرت عطاء ابن یسار تابعی رحمۃ اللہ علیہ کی، وہ کہتے ہیں کہ میری ملاقات ہوئی حضرت

عبداللہ بن عمرو بن العاص رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے۔

حضرت عبداللہ بن عمروؓ بن العاص کی امتیازی خصوصیات

حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ تعالیٰ عنہما حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے مشہور صحابی ہیں، اور ان صحابہ کرامؓ میں سے ہیں جو اپنی کثرت عبادت میں مشہور تھے، بہت عابد وزاہد بزرگ تھے، اور انہوں نے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم سے احادیث بھی کثیر تعداد میں روایت کی ہیں۔

ایک خصوصیت ان کی یہ ہے کہ انہوں نے توراۃ، زبور، انجیل کا علم بھی کسی ذریعہ سے حاصل کیا ہوا تھا، حالانکہ یہ کتابیں ایسی ہیں کہ یہودیوں اور عیسائیوں نے اس میں بہت تحریفیں کر دی ہیں اور اپنی اصلی حالت میں برقرار نہیں ہیں۔ لیکن اس کے باوجود ان کو اس نقطہ نظر سے پڑھنا تاکہ ان کی حقیقت معلوم ہو اور یہودیوں اور عیسائیوں کو تبلیغ کرنے میں مدد ملے تو پڑھنے کی اجازت ہے۔ تو حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے کچھ توراۃ یہودیوں سے پڑھی ہوئی تھی۔

توراۃ میں اب بھی کتاب اللہ کا نور جھلکتا ہے

توراۃ اگرچہ مکمل طور پر پہلے کی طرح نہیں ہے، یہودیوں نے اس میں بہت زیادہ تحریفات کر دی ہیں، بہت سے حصے حذف کر دیئے ہیں، نئے اضافے کر دیئے، الفاظ کو بدل دیا، لیکن اس کے باوجود کہیں کہیں پھر بھی کتاب

اللہ کا نور جھلکتا ہے۔

اسی وجہ سے اس میں اب بھی جناب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی تشریف آوری کی بشارتیں اور آپ ﷺ کی صفات موجود ہیں، اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں تو اور زیادہ واضح تھیں، اسی وجہ سے قرآن کریم کہتا ہے کہ:

یہ یہودی آپ ﷺ کو اس طرح جانتے ہیں جس طرح
اپنے بیٹوں کو جانتے ہیں۔

اس لئے کہ توراۃ میں جو علامتیں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی بیان ہوئی تھیں کہ نبی آخر الزمان صلی اللہ علیہ وسلم ایسی ایسی صفات کے حامل ہوں گے، ایسا ان کا حلیہ ہوگا، اس خاندان کے ہوں گے، اس شہر میں ہوں گے، یہ ساری تفصیل مذکور تھی۔ تو جو یہودی ان کتابوں کے عالم تھے وہ اپنی آنکھوں سے وہ علامتیں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم میں دیکھتے تھے کہ پائی جارہی ہیں، مگر اپنی ضد اور ہٹ دھرمی اور عناد کی وجہ سے مانتے نہیں تھے۔ تو حضرت عطاء بن یسار رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ جب میری ملاقات حضرت عبداللہ بن عمرو بن العاصؓ سے ہوئی تو میں نے ان سے کہا کہ آپ نے توراۃ پڑھی ہے، توراۃ میں جو حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی صفات مذکور ہیں وہ ہمیں بتلائیں۔

بائبل سے قرآن تک

یہ کتابیں ان لوگوں نے اتنی بگاڑ دی ہیں، اس کے باوجود اس میں بعض

ٹکڑے ایسے ہیں کہ ایسا محسوس ہوتا ہے کہ جیسے قرآن کریم کا ترجمہ ہے۔ ان کی مشہور کتاب بائبل جس کو ''کتاب مقدس'' بھی کہتے ہیں، اس کو یہودی بھی مانتے ہیں اور عیسائی بھی مانتے ہیں، اس میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی بشارتیں آج بھی موجود ہیں۔ مجھے توراۃ کا ایک جملہ یاد آ گیا جس میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی بشارت دیتے ہوئے فرمایا گیا کہ:

''جو فاران سے طلوع ہوگا۔ سلاح میں بسنے والے
گیت گائیں گے، قیدار کی بستیاں حمد کریں گی''

فاران نام ہے اس پہاڑ کا جس پر غارِ حرا واقع ہے۔

''سلاح'' نام ہے اس پہاڑ کا جس کا ایک حصہ ثنیۃ الوداع ہے، جب حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم ہجرت فرما کر مدینہ منورہ تشریف لائے تو اس پر بچیوں نے کھڑے ہوکر یہ ترانے پڑھے تھے کہ:

طلع البدر علینا من ثنیات الوداع

اور قیدار نام ہے حضرت اسماعیل علیہ السلام کے صاحبزادے کا، اور ان کی بستیاں عرب میں آباد ہیں، ان کی طرف اشارہ ہے کہ جب ان کی اولاد میں نبی آخر الزمان پیدا ہوں گے تو ان کی بستیاں حمد کریں گی۔

آپ ﷺ کی صفات توراۃ میں بھی موجود ہیں

بہرحال، حضرت عبداللہ بن عمرو بن العاص رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے فرمایا کہ: ہاں میں بتاتا ہوں۔

والله إنه لموصوف فی التوراة ببعض صفته

فی القرآن۔

اللہ کی قسم حضور علیہ السلام کی بعض صفات توراۃ میں

ایسی مذکور ہیں جو کہ قرآن پاک میں بھی مذکور ہیں۔

پھر انہوں نے قرآن پاک کی آیت تلاوت فرمائی:

یا یھاالنبی انا ارسلنٰک شاھدًا ومبشراً

ونذیرًا ط

اے نبی ہم نے آپ کو گواہ بنا کر اور خوشخبری دینے والا

اور ڈرانے والا بنا کر بھیجا۔

گواہ بنانے کا مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ قیامت کے دن آپ صلی اللہ علیہ وسلم گواہی دیں گے کہ اس امّت کو اللہ تعالیٰ کی توحید کا پیغام دیا گیا تھا تو کس نے اس پر عمل کیا اور کس نے نہیں کیا، اس بات کی گواہی دیں گے۔

و مبشراً : اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم لوگوں کو جنّت کی خوشخبری دینے والے ہوں گے۔

ونذیرًا : اور جہنم سے ڈرانے والے ہوں گے۔

یہ آیت قرآن کریم کی تلاوت فرمائی، پھر آگے توراۃ کی عبارت پڑھ کر سنائی کہ: وحرزاً للأمیین، یعنی حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم اَن پڑھ لوگوں کے واسطے نجات دہندہ بن کر آئیں گے۔ اُمی کا لفظ خاص طور سے لقب کے طور پر عربوں

کے لئے بولا جاتا تھا، اس لئے کہ ان کے ہاں لکھنے پڑھنے کا رواج نہیں تھا تو یہ تو راۃ میں تھا کہ امیوں کے لئے نجات دہندہ بن کر آئیں گے۔ آگے فرمایا:

وأنت عبدی ورسولی۔

یعنی اللہ تعالیٰ اس وقت توراۃ میں فرمارہے ہیں کہ اے نبی محمد صلی اللہ علیہ وسلم! تم میرے بندے ہو اور پیغمبر ہو۔

وسمیتک المتوکل۔

اور میں نے تمہارا نام متوکل رکھا ہے۔ یعنی اللہ تعالیٰ پر بھروسا کرنے والا۔ آگے صفات بیان فرمائیں کہ وہ نبی کیسا ہوگا؟ فرمایا:

لیس بفظ ولا غلیظ۔

وہ نہ تو سخت گو ہوگا اور نہ سخت طبیعت والا ہوگا۔

فظ کے معنی ہیں جس کی باتوں میں سختی ہو، کرختگی ہو۔

ولا سخاب فی الاسواق۔

اور نہ بازاروں میں شور مچانے والا ہوگا۔

ولا یدفع السیئة بالسّیئة۔

اور وہ برائی کا بدلہ برائی سے نہیں دے گا۔

ولکن یعفو ویصفح۔

لیکن وہ معاف کرنے والا اور درگزر کرنے والا ہوگا۔

ولن یقبضه اللّٰه تعالیٰ حتی یقیم به الملة

العوجاء بان یقولوا: لا إله إلا اللّٰه۔

اور اللہ تعالیٰ اس وقت تک اس کو اپنے پاس نہیں بلائیں گے جب تک کہ اس ٹیڑھی قوم کو سیدھا نہ کر دے، اس طرح کہ وہ کہدیں: لا إله إلا اللّٰه۔

ویفتح بها اعینا عمیا و اذانا صماً وقلوبا غلفا

اور اس کلمہ توحید کے ذریعے ان کی اندھی آنکھیں کھولدے گا اور بہرے کان کھولدے گا، اور وہ دل جن کے اوپر پردے پڑے ہوئے ہیں وہ ان کے ذریعے کھل جائیں گے۔

اور یہ صفات تقریباً انہی الفاظ کے ساتھ توراۃ میں آج بھی موجود ہیں۔

توراۃ کی عبرانی زبان میں آپ علیہ السلام کی صفات

چونکہ محاورے ہر زبان کے مختلف ہوتے ہیں، تو اصل توراۃ عبرانی زبان میں تھی، اس کا ترجمہ جب اردو میں کرتے ہیں تو اس طرح کرتے ہیں کہ:

وہ مسلے ہوئے سرکنڈے کو نہ توڑے گا، ٹمٹاتی ہوئی بتی کو نہ بجھائے گا۔

اور عبرانی زبان کے محاورے میں ترجمہ اس طرح کرتے ہیں کہ:

وہ کسی برائی کا بدلہ برائی سے نہ دے گا اور عفو و درگزر سے کام لے گا اور اس کے آگے پتھر کے بت اوندھے

منہ گریں گے۔

اور یہ واقعہ اس وقت پیش آیا کہ جب حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے مکہ معظمہ فتح کیا تو پتھر کے بت جو خانہ کعبہ میں نصب تھے وہ اوندھے منہ گرے، یہ ساری تفصیل آئی ہے۔ میں نے جو ''اظہار الحق'' کا ترجمہ ''بائبل سے قرآن تک'' کے نام سے کیا ہے، اس کی تیسری جلد کا چھٹا باب انہی بشارتوں پر مشتمل ہے۔ میں نے دو کالم بنا کر ایک کالم میں بائبل کی عبارت دوسرے کالم میں وہ احادیث لکھی ہیں جن میں حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی صفات آئی ہیں، پھر ان کو موازنہ کر کے دکھایا کہ بائبل میں یہ آیا ہے اور قرآن کریم میں یا حدیث میں یہ آیا ہے۔ تو اتنی تحریفات کے باوجود آج بھی یہ صفات بائبل میں باقی ہیں۔

حدیثِ مذکورہ سے امام بخاریؒ کی غرض

لیکن جس غرض سے امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ یہ حدیث لے کر آئے ہیں، وہ یہ ہے کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے جو حالات پچھلی کتابوں میں بیان ہوئے وہ کیا تھے، اور اس پیشنگوئی میں جو آپ ﷺ کی امتیازی صفات ہیں اور سب سے زیادہ اہمیت کی حامل ہیں وہ کیا ہیں؟

وہ یہ ہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کرخت نہیں ہیں اور ترش مزاج نہیں ہیں اور برائی کا بدلہ برائی سے نہیں دیتے۔

یہ سنت ہے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی۔ حالانکہ اللہ تعالیٰ نے شریعت

میں اجازت دی ہے کہ اگر کسی شخص نے تمہارے ساتھ برائی کی ہے تو جتنی برائی کی ہے اتنا بدلہ لے سکتے ہو، ایک تماچہ مارا ہے تو تم بھی اتنے ہی زور سے ایک تماچہ مار سکتے ہو جتنا زور سے اس نے مارا، اس سے کم و بیش نہ ہو، اس کی اجازت ہے۔ لیکن اجازت ہونا اور بات ہے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت ہونا اور بات ہے۔ آپ نے ساری عمر کبھی کسی شخص سے اپنی ذات کا بدلہ نہیں لیا۔

برائی کا جواب حسنِ سلوک سے دینا

یہ بھی نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی بڑی عظیم الشان سنت ہے۔ ہم نے سنتوں کو چند ظاہری سنتوں کی حد تک محدود کرلیا ہے، مثلاً سنت ہے کہ مسواک کرنا چاہئے، داڑھی رکھنی چاہئے، اور ظاہری وضع قطع سنت کے مطابق کرنی چاہئے۔ یہ سب سنتیں ہیں، ان کی اہمیت سے بھی جو انکار کرے وہ سنتوں سے ناواقف ہے، لیکن سنتیں اس حد تک محدود نہیں، عام تعلقات اور معاملات میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا جو طرزِ عمل تھا، وہ بھی آپ ﷺ کی سنت کا ایک بہت بڑا حصہ ہے۔ اور جس اہتمام کے ساتھ دوسری سنتوں پر عمل کرنے کا دل میں داعیہ پیدا ہوتا ہے، اس سے بھی زیادہ اہتمام کے ساتھ اس سنت پر عمل کرنے کی فکر کرنی چاہئے کہ برائی کا بدلہ برائی سے نہ دیں بلکہ برائی کا بدلہ حسنِ سلوک سے دیں، سنت کے مطابق اچھائی سے دیں۔ اب ذرا ہم اپنے گریبانوں میں جھانک کر دیکھیں کہ ہم اس سنت پہ کتنا عمل کر رہے ہیں؟

ہمارے ساتھ اگر کسی نے برائی کی ہے تو کتنا انتقام کا جذبہ دل میں پیدا ہوتا ہے اور کتنی اس کو تکلیف پہنچانے کی کوشش کرتے ہیں؟ اگر غور کرو تو معاشرے کے فساد کا بہت بڑا سبب یہ ہے کہ ہم نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی اس سنّت کو چھوڑ دیا ہے، ہماری سوچ یہ ہوتی ہے کہ اس نے چونکہ میرے ساتھ برائی کی ہے، میں بھی اس سے برائی کروں گا، اس نے مجھے گالی دی ہے، میں بھی دوں گا، اس نے مجھے میری شادی پر کیا تحفہ دیا تھا تو میں بھی اتنا ہی دوں گا، اور اس نے شادی پر تحفہ نہیں دیا تھا تو میں بھی نہیں دوں گا۔ اس کا مطلب یہ ہوا کہ یہ سب کچھ بدلہ کرنے کے لئے ہو رہا ہے، بدلہ کرنے والا درحقیقت صلہ رحمی کرنے والا نہیں ہوتا۔ حدیث میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ فرمایا ہے کہ:

لیس الواصل بالمکافی، ولکن الواصل من
اذا قطعت رحمہ وصلھا۔

(بخاری، کتاب الادب، باب لیس الواصل بالمکافی)

یعنی حقیقت میں صلہ رحمی کرنے والا وہ شخص ہے کہ دوسرا تو قطع رحمی کر رہا ہے اور رشتہ داری کے حقوق ادا نہیں کر رہا ہے، اور یہ جواب میں قطع رحمی کرنے کی بجائے اس کے ساتھ اچھا معاملہ کر رہا ہے۔

حضرت ڈاکٹر عبدالحیؒ صاحب رحمۃ اللہ علیہ کا عجیب واقعہ

ایک دن حضرت ڈاکٹر عبدالحیؒ صاحب رحمۃ اللہ علیہ اپنے گھر پر متوسلین اور خدّام وغیرہ کے ساتھ بیٹھے ہوئے تھے، اچانک ایک صاحب آئے جو

حضرت کے کوئی رشتہ دار تھے، داڑھی مونچھ صاف، عام آدمیوں کی طرح تھے۔ دروازے میں داخل ہوتے ہی گالیاں دینا شروع کر دیں، انتہائی بے ادبانہ لہجے میں جتنے الفاظ برائی کے ان کے منہ میں آئے کہتے ہی گئے۔ آگے سے حضرت ان کی ہر بات پہ کہہ رہے ہیں کہ بھائی ہم سے غلطی ہوگئی ہے، تم ہمیں معاف کردو، ہم انشاء اللہ تلافی کر دیں گے، تمہارے پاؤں پکڑتے ہیں، معاف کردو۔ بہرحال، ان صاحب کا اس قدر شدید غصّے کا عالم کہ دیکھنے والے کو بھی برداشت نہ ہو، بالآخر ٹھنڈے ہو گئے۔

بعد میں حضرت رحمۃ اللہ علیہ فرمانے لگے کہ اس اللہ کے بندے کو کوئی غلط اطلاع مل گئی تھی، اس وجہ سے ان کو غصہ آ گیا تھا، اگر میں چاہتا تو ان کو جواب دے سکتا تھا اور بدلہ لے سکتا تھا، لیکن اس واسطے میں نے اس کو ٹھنڈا کیا کہ بہرحال یہ رشتہ دار ہے اور رشتہ داروں کے بھی حقوق ہوتے ہیں، تو رشتہ داروں کے ساتھ قطع تعلق کرلینا آسان ہے، لیکن تعلق جوڑ کر رکھنا یہ ہے درحقیقت تعلیم نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی، اور یہ ہے **لا یدفع السیئة بالسیئة** کہ برائی کا بدلہ برائی سے نہیں بلکہ پیار سے، محبت سے، شفقت سے اور خیر خواہی سے دو۔

مولانا رفیع الدین صاحب رحمۃ اللہ علیہ کا واقعہ

مولانا رفیع الدین صاحب رحمۃ اللہ علیہ دارالعلوم دیوبند کے مہتمم تھے، عجیب ولی اللہ بزرگ تھے، دارالعلوم میں مہتمم کے معنی گویا کہ سب سے بڑے،

عہدے، پر فائز، حضرت نے ایک گائے پال رکھی تھی، ایک مرتبہ ایسا ہوا کہ اس کو لے کر آ رہے تھے کہ راستے میں مدرسہ کا کوئی کام آ گیا، اسی طرح مدرسہ آئے اور گائے مدرسے کے صحن میں درخت کے ساتھ باندھ کر دفتر میں چلے گئے۔

وہاں دیوبند کے ایک صاحب آئے اور چیخنا شروع کر دیا کہ یہ گائے کس کی بندھی ہے؟ لوگوں نے بتایا مہتمم صاحب کی ہے، تو کہنے لگے اچھا! مدرسہ مہتمم کا کمیلا بن گیا، ان کی گائے کا باڑا بن گیا، اور مہتمم صاحب مدرسے کو اس طرح کھا رہے ہیں کہ مدرسے کے صحن کو انہوں نے اپنی گائے کا باڑا بنالیا ہے۔ شور سن کر وہاں ایک مجمع اکٹھا ہوگیا، اب سراسر الزام سراسر ناانصافی، حضرت وہاں کام کر رہے تھے، اندر آواز آئی تو باہر نکلے کہ کیا قصہ ہے؟ لوگوں نے بتایا کہ یہ صاحب ناراض ہو رہے ہیں کہ مہتمم صاحب نے یہاں گائے باندھ دی، کہنے لگے کہ ہاں واقعی یہ مدرسہ ہے اللہ کا، مجھے گائے یہاں نہیں باندھنی چاہئے تھی، یہ گائے میری ذاتی ہے اور یہ صحن مدرسہ کا ہے، مجھ سے غلطی ہوگئی، میں اللہ تعالیٰ سے استغفار کرتا ہوں، اس غلطی کا کفارہ یہ ہے کہ میرا دل چاہ رہا ہے کہ یہ گائے آپ ہی لے جاؤ۔ وہ بھی اللہ کا بندہ ایسا تھا کہ لے کر چلتا بنا۔

اب آپ دیکھئے کہ سراسر ناانصافی اور ظلم ہے، اتنے بڑے ولی اللہ اور اتنے بڑے خادم دین کے اوپر ایک معمولی آدمی اتنی گرمی دکھا رہا ہے سب لوگوں کے سامنے، بجائے اس کے کہ اس کو بدلہ دیا جاتا، گائے بھی اسی کو دے

دی۔ یہ ہے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی سنّت اور لایدفع السیئة بالسّیّئة پر عمل۔

آپ کی ساری سنّتوں پر عمل ضروری ہے

درحقیقت سنّت صرف یہ نہیں ہے کہ آسان آسان سنّتوں پر عمل کرلیا جائے، بلکہ ہر ایک سنّت پر عمل کی فکر کرنی چاہئے، اور انسان اس سنّت کے جتنا قریب ہوگا، اتنا ہی معاشرے کا فساد ختم ہوگا، غور کرکے دیکھ لو اور تجربہ کرکے دیکھ لو کہ جو بگاڑ پھیلا ہوا ہے وہ جناب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی سنّتوں سے دور ہونے کا نتیجہ ہے۔

ولکن یعفو ویصفح۔

لیکن وہ معاف فرما دیتے ہیں اور درگزر سے کام لیتے ہیں۔ کوئی کچھ بھی کہہ دے لیکن حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم جواب نہیں دیتے۔ اور جو اللہ کے ولی ہوتے ہیں، وہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے متبع ہوتے ہیں اور ان کا طریقہ بھی یہی ہوتا ہے، اللہ تعالیٰ اپنی رحمت سے اس کا کچھ حصّہ ہم کو بھی عطا فرما دے۔

یہ سب کچھ اس لئے عرض کیا جاتا ہے کہ ہم سب ایک ہی کشتی کے سوار ہیں، معلوم نہیں ہم کہاں چلے گئے ہیں، کس وادی میں بھٹک رہے ہیں، یہاں بیٹھنے کا مقصد یہ ہوتا ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی سنّتوں کا کم از کم تھوڑی دیر دھیان ہو تو شاید دلوں میں کچھ داعیہ پیدا ہو جائے اور اللہ تبارک وتعالیٰ عمل

کی توفیق عطا فرمادے۔ اس کی عادت ڈالو، اس کے لئے خون کے گھونٹ پینے پڑتے ہیں، اس کے لئے مشق کرنی پڑتی ہے، دل پر جبر کرنا پڑتا ہے، دل پر پتھر رکھنے پڑتے ہیں۔ اگر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی سنّت کی منزل کی طرف جانا ہے تو یہ کڑوے گھونٹ پینے پڑیں گے۔

اللہ تعالیٰ کے نزدیک پسندیدہ گھونٹ

حدیث پاک میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ کوئی گھونٹ جو انسان پیتا ہے، اللہ تبارک وتعالیٰ کو اتنا پسند نہیں جتنا کہ غصّے کا گھونٹ پینا۔

(مسند احمد، ج ۱، ص ۳۲۷)

یعنی جب غصہ آرہا ہو اور غصّے میں آدمی آپے سے باہر ہو رہا ہو اور اسمیں اندیشہ ہو کہ وہ کسی کو کوئی نقصان پہنچا دے گا، اس وقت غصّے کے گھونٹ کو محض اللہ تعالیٰ کی رضا کے لئے پی جانا اور اس کے تقاضے پر عمل نہ کرنا، یہ اللہ تعالیٰ کو بہت ہی پسند ہے۔

والکظمین الغیظ والعافین عن الناس O

(آل عمران، آیت ۱۳۴)

قرآن کریم نے ایسی ہی مدح فرمائی ہے ایسے لوگوں کی کہ جب بھی غصہ آئے اور انتقام کے جذبات پیدا ہوں، تو ٹھیک ہے تمہیں شریعت نے جائز حدود میں بدلہ لینے کا حق دیا ہے، لیکن یہ دیکھو کہ بدلہ لینے سے تمہیں کیا فائدہ؟ فرض کرو کہ ایک شخص نے تمہیں تماچہ مار دیا تو اگر تم بدلہ لینے کے لئے ایک تماچہ اس

کے مار دو تو تمہیں کیا فائدہ حاصل ہوا؟ اگر تم نے اس کو معاف کر دیا اور یہ کہا کہ میں اللہ تعالیٰ کے لئے اس کو معاف کرتا ہوں تو اس کا نتیجہ کیا ہوگا؟

اللہ تبارک وتعالیٰ کے ہاں صابرین کا اجر

اس کا نتیجہ یہ ہوگا کہ:

إنما يوفى الصّٰبرون اجرهم بغير حساب ○

(سورۃ الزمر، آیت نمبر ۱۰)

بے شک صبر کرنے والوں کو اللہ تعالیٰ بے حساب اجر عطا فرمائیں گے۔

اور حدیث پاک میں آتا ہے کہ جو شخص اللہ تعالیٰ کے بندوں کو معاف کرنے کا عادی ہو، اللہ تبارک و تعالیٰ فرماتے ہیں کہ جب اس نے میرے بندوں کو معاف کیا تھا، تو میں اس کو معاف کرنے کا زیادہ حق دار ہوں، تو اس کی خطائیں بھی اللہ تعالیٰ معاف فرما دیتے ہیں۔

عفو وصبر کا مثالی واقعہ

حضرت معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے زمانے میں دو آدمی آپس میں لڑے، لڑائی میں ایک کا دانت ٹوٹ گیا، جس کا دانت ٹوٹا وہ شخص اس کو پکڑ کر حضرت معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے پاس لے گیا اور کہا کہ دانت کا بدلہ دانت ہوتا ہے، لہٰذا قصاص دلوائیے۔

حضرت معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا کہ ٹھیک ہے تمہیں حق ہے، لیکن کیا فائدہ، تمہارا دانت تو ٹوٹ ہی گیا، اس کا بھی توڑیں، اس کی بجائے تم دانت کی دیت لے لو، دیت پر صلح کرلو۔ وہ شخص کہنے لگا کہ میں دانت ہی توڑوں گا۔ حضرت معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے دوبارہ اس کو سمجھانے کی کوشش کی، لیکن وہ نہ مانا، حضرت معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا کہ پھر چلو، اس کا بھی دانت توڑتے ہیں۔

راستے میں حضرت ابودرداء رضی اللہ عنہ بیٹھے ہوئے تھے، بڑے درجے کے مشہور صحابی ہیں، انہوں نے کہا کہ بھئی دیکھو! تم قصاص تو لے رہے ہو مگر ایک بات تو سنتے جاؤ، میں نے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے کہ کوئی شخص کسی دوسرے کو تکلیف پہنچائے اور پھر جس کو تکلیف پہنچی ہے وہ اس کو معاف کردے تو اللہ تعالیٰ اس کو اس وقت معاف فرمائیں گے جبکہ اس کو معافی کی سب سے زیادہ حاجت ہوگی، یعنی آخرت میں۔

تو یہ شخص یا تو اتنے غصے میں آیا تھا کہ پیسے لینے پر بھی راضی نہیں تھا، جب یہ بات سنی تو کہا کہ:

أ أنت سمعته من رسول الله صلى الله عليه وسلم

کیا آپ نے یہ بات رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنی ہے۔ حضرت ابودرداء رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا کہ ہاں میں نے سُنی ہے اور میرے ان کانوں نے سنی ہے۔ وہ شخص کہنے لگا کہ اگر حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ بات فرمائی ہے

تو جاؤ اس کو بغیر کسی پیسے کے معاف کرتا ہوں، چنانچہ معاف کر دیا۔

ہم میں اور صحابہ کرامؓ میں فرق

احادیث ہم بھی سنتے ہیں اور وہ حضرات بھی سنتے تھے، لیکن ان کا حال یہ تھا کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا ایک ارشاد کان میں پڑا تو بڑے سے بڑا قصد و ارادہ اور بڑے سے بڑا منصوبہ اس ارشاد کے آگے ایک پل میں ڈھیر کر دیا۔

ہم صبح سے شام تک حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشادات پڑھتے اور سنتے رہتے ہیں لیکن ان پر عمل کا داعیہ پیدا نہیں ہوتا، یہی وجہ ہے کہ اس پڑھنے اور سننے کے نتیجے میں ہماری زندگی میں کوئی انقلاب نہیں آتا، لیکن صحابہ کرامؓ کو اللہ تبارک وتعالیٰ نے دنیا میں بھی عزت دی تھی اور آخرت میں بھی انشاء اللہ ان کا عظیم مقام ہوگا۔

مذکورہ حدیث کا آخری ٹکڑا

اس میں دوسری بات آگے یہ فرمائی کہ اللہ تعالیٰ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کو اس وقت تک اپنے پاس نہیں بلائیں گے جب تک کہ اس ٹیڑھی قوم کو سیدھا نہ کرلیں۔ ٹیڑھی قوم سے مراد بت پرستوں والی عرب قوم، کہ ان کے اندر شرک تو تھا ہی اور دماغ میں یہ خناس بھی تھا کہ ہم ساری مخلوق سے برتر ہیں، اپنے آپ کو خدا جانے کیا کچھ سمجھتے تھے، ان کو سیدھا کرنے کے لئے نبی

کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو بھیجا۔

چنانچہ ۲۳ سال کی مدت میں اللہ تبارک وتعالیٰ نے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے ذریعے پورے جزیرہ عرب پر لا الٰہ الا اللہ کی حکومت قائم فرما دی۔ اور آگے فرمایا کہ:

یفتح بھا اعیناً عمیاً۔

اس کلمہ توحید کے ذریعے ان کی اندھی آنکھوں کو کھولے گا اور ان کے دلوں کے پردوں کو ہٹائے گا۔ یہ سب الفاظ توراۃ کے ہیں جو حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی صفات کے بارے میں آئے ہیں۔ اللہ تعالیٰ ہمیں ان اخلاق کو اپنے اندر پیدا کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین۔

وَآخِرُ دَعْوَانَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ

حضور ﷺ کی آخری وصیتیں

شیخ الاسلام حضرت مولانا مفتی محمد تقی عثمانی صاحب مدظلہم

ضبط و ترتیب
محمد عبداللہ میمن

میمن اسلامک پبلشرز
۱۸۸/۱۔ لیاقت آباد، کراچی ۱۹

موضوع خطاب :

مقام خطاب : جامع مسجد بیت المکرّم
گلشن اقبال کراچی

وقت خطاب : بعد نماز عصر تا مغرب

اصلاحی خطبات : جلد نمبر ۱۲

صفحات :

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ط

حضور ﷺ کی آخری وصیتیں

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ نَحْمَدُهٗ وَ نَسْتَعِيْنُهٗ وَ نَسْتَغْفِرُهٗ وَ نُؤْمِنُ بِهٖ وَنَتَوَكَّلُ عَلَيْهِ وَنَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنْ شُرُوْرِ اَنْفُسِنَا وَمِنْ سَيِّئَاتِ اَعْمَالِنَا ۔ مَنْ يَّهْدِهِ اللّٰهُ فَلَا مُضِلَّ لَهٗ وَمَنْ يُّضْلِلْهُ فَلَا هَادِيَ لَهٗ وَنَشْهَدُ اَنْ لَّا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَحْدَهٗ لَاشَرِيْكَ لَهٗ وَنَشْهَدُ اَنَّ سَيِّدَنَا وَنَبِيَّنَا وَمَوْلَانَا مُحَمَّداً عَبْدُهٗ وَ رَسُوْلُهٗ صَلَّى اللّٰهُ تَعَالٰى عَلَيْهِ وَعَلٰى اٰلِهٖ وَاَصْحَابِهٖ وَبَارَكَ وَسَلَّمَ تَسْلِيْمًا كَثِيْرًا ۔ أَمَّا بَعْدُ!

عن نعيم بن يزيد قال حدثنا على بن ابى طالب رضى اللّٰه تعالٰى عنه أن النبى صلى اللّٰه عليه وسلم لماثقل قال: يا على: أتنى بطبق

أكتب فيه مالا تضل أُمتی، فخشيت أن يسبقنی فقلت: إنی لأ حفظ من ذراعی الصحيفة وكان رأسه بين ذراعه وعضدی يوصی الصلاة والزكاة وماملكت أيمانكم، وقال كذالِكَ حتی فاضت نفسه و امره بشهادة ان لا إله إلاالله وأن محمداً عبده ورسوله من شهد بهما حرّم علی النار۔

(الادب المفرد، باب نمبر۸۲۔حسن ملکہ)

مرض وفات میں لکھنے کے لئے تھال منگوانا

یہ روایت حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے۔ اس روایت میں وہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے مرض وفات کا واقعہ بیان فرمارہے ہیں۔ آپ کی یہ بیماری کئی روز تک جاری رہی اوران ایام میں آپ ﷺ مسجد نبوی میں بھی تشریف نہ لاسکے۔ آخری دن جب آپ ﷺ کے وصال کا وقت قریب تھا، اس وقت کا واقعہ حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ بیان فرمارہے ہیں، وہ یہ کہ جب آپ ﷺ کی طبیعت زیادہ ناساز ہوگئی تو آپ ﷺ نے مجھ سے فرمایا کہ اے علی! میرے پاس کوئی تھال لے آؤ جس میں وہ بات لکھدوں کہ جس کے بعد میری امّت گمراہ نہ ہو۔ اس زمانے میں کاغذ کا اتنا زیادہ رواج نہیں تھا، اس لئے کبھی چمڑے پر لکھ لیا، کبھی درخت کے پتوں پر لکھ لیا، کبھی

ہڈیوں پر لکھ لیا، کبھی مٹی کے برتن پر لکھ لیا، چنانچہ آپ ﷺ نے حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے لکھنے کے لئے تھال منگوایا۔

حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی آخری وصیتیں

حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ اس وقت حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی طبیعت اتنی ناساز تھی کہ مجھے یہ اندیشہ ہوا کہ اگر میں لکھنے کے لئے کوئی چیز تلاش کرنے کے لئے جاؤں گا تو کہیں میرے پیچھے ہی آپ کی روح پرواز نہ کر جائے، اس لئے میں نے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم سے کہا کہ آپ جو کچھ فرمائیں گے، میں اس کو یاد رکھوں گا اور بعد میں اس کو لکھ لوں گا۔ حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ اس وقت حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کا سر اقدس میرے بازوؤں کے درمیان تھا، اس وقت آپ کی زبان مبارک سے جو کلمات نکل رہے تھے، وہ یہ تھے ”نماز کا خیال رکھو، زکوٰۃ کا خیال رکھو اور تمہاری ملکیت میں جو غلام اور باندیاں ہیں، ان کا خیال رکھو اور

أشهد ان لا إله الا الله وأشهد أن محمدًا

عبده و رسوله

کی گواہی پر قائم رہو، جو شخص اس گواہی پر قائم رہے گا، اللہ تعالیٰ جہنم کو اس شخص پر حرام فرما دیں گے۔ یہ نصیحتیں حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے آخری وقت میں ارشاد فرمائیں۔

چنانچہ بالا واقعہ خود حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے بیان فرمایا۔ اس

میں کئی باتیں سمجھنے کی ہیں۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے لکھنے کے لئے کاغذ طلب کرنا

پہلی بات یہ ہے کہ اسی طرح کا ایک واقعہ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے ساتھ بھی پیش آیا تھا۔ یہ واقعہ جس کا ذکر حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا، یہ خاص اس دن کا واقعہ ہے جس دن حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کا وصال ہوا اور حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے ساتھ وصال سے تین دن پہلے ایسا ہی واقعہ پیش آیا تھا، اس دن بھی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی طبیعت بوجھل اور ناساز تھی، اور حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس تھے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے چچا حضرت عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ بھی قریب تھے، اس وقت بھی آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان حضرات رضی اللہ تعالیٰ عنہم سے فرمایا تھا کہ کوئی کاغذ وغیرہ لے آؤ تاکہ میں ایسی بات لکھدوں جس کے بعد تم گمراہ نہ ہو۔ حضرت فاروق اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ یہ دیکھ رہے تھے کہ سرکار دوعالم صلی اللہ علیہ وسلم کی طبیعت زیادہ ناساز ہے، اور اس حالت میں اگر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کچھ لکھوانے کی مشقت اٹھائیں گے تو کہیں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی طبیعت اور زیادہ خراب نہ ہو جائے، اس وجہ سے حضرت فاروق اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! اللہ تعالیٰ کی کتاب ہمارے پاس موجود ہے اور آپ پہلے ہی بہت سے ارشادات بیان فرما چکے ہیں، اس لئے اس وقت یہ مشقت اٹھانے کی ضرورت نہیں۔

شیعوں کا حضرت فاروق اعظم رضی اللہ عنہ پر بہتان

یہ واقعہ جو حضرت فاروق اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے ساتھ پیش آیا تھا، اس کو شیعوں نے ایک پہاڑ بنالیا اور اس کی بنیاد پر حضرت فاروق اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ پر یہ الزام عائد کیا کہ۔ معاذ اللہ۔ انہوں نے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کو وصیّت لکھنے سے روکا، اور درحقیقت حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم یہ وصیّت لکھنا چاہتے تھے کہ میرے بعد حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو خلیفہ بنائیں، مگر حضرت فاروق اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ آپ ﷺ کے اس منشاء کو سمجھ گئے تھے، اس لئے انہوں نے بیچ میں آکر آپ ﷺ کو اس وصیّت کے لکھنے سے منع فرمادیا اور رکاوٹ ڈال دی، جس کے نتیجے میں حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم خلافت کی وصیّت نہ لکھوا سکے۔ اس واقعہ کو بنیاد بنا کر شیعوں نے حضرت فاروق اعظم رضی اللہ عنہ کے خلاف تہمتوں کا ایک طوفان کھڑا کر دیا۔

یہ بہتان غلط ہے

حالانکہ بات صرف اتنی تھی کہ حضرت فاروق اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے یہ دیکھا کہ ایسا نہ ہو کہ لکھنے کی مشقت کی وجہ سے آپ کی طبیعت اور زیادہ خراب ہو جائے اور وہ یہ بھی جانتے تھے کہ اگر کوئی بہت اہم بات لکھنی ہوگی تو صرف میرے کہنے کی وجہ سے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم اس بات کو بیان کرنے سے نہیں رکیں گے۔ حقیقت یہ ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو اگر

کوئی بات بیان کرنی ہوتی اور اس بات کو آپ ضروری بھی سمجھتے تو کیا صرف حضرت فاروق اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے منع کرنے کی وجہ سے اس بات کو بیان کرنے سے رک جاتے؟؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے تو حق بات پہنچانے میں کسی بڑے سے بڑے انسان کی بھی پرواہ نہیں کی۔ یہ حماقت اور گمراہی کی بات ہے جو ان شیعوں نے اختیار کی ہے۔

حضرت علی رضی اللہ عنہ پر اعتراض کیوں نہیں کرتے؟

اور دوسری طرف بعینہ یہی واقعہ حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے ساتھ بھی پیش آیا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے فرمایا کہ تھال لے لاؤ تا کہ میں کچھ لکھ دوں، لیکن حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ اس وقت حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی طبیعت اتنی ناساز تھی کہ مجھے اندیشہ ہوا کہ اگر میں لکھنے کے لئے تھال لینے جاؤں گا تو میرے پیچھے کہیں آپ کی روح پرواز نہ کر جائے، اس لئے وہ بھی لکھنے کے لئے کوئی چیز نہیں لائے۔ اب دیکھئے کہ حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے بھی وہی کام کیا جو حضرت فاروق اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے کیا تھا، لہٰذا اگر حضرت فاروق اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ پر کوئی اعتراض ہوتا ہے تو حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ پر بھی اعتراض ہوتا ہے۔

بلکہ حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ پر اعتراض زیادہ ہوتا ہے، کیونکہ حضرت فاروق اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے ساتھ جو واقعہ پیش آیا، وہ وصال

سے تین دن پہلے پیش آیا، اور اس واقعہ کے بعد تین دن تک آپ ﷺ دنیا میں تشریف فرما رہے، لہٰذا اگر کوئی ضروری بات لکھوانی تھی تو آپ ﷺ بعد میں بھی لکھوا سکتے تھے۔ اور حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے ساتھ جو واقعہ پیش آیا، وہ عین وصال کے وقت پیش آیا، اور اس واقعہ کے فوراً بعد آپ ﷺ کا وصال ہوگیا۔ لہٰذا اگر اُس واقعہ سے حضرت فاروق اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ پر اعتراض ہوسکتا ہے تو حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ پر زیادہ ہوسکتا ہے۔

دونوں بزرگ صحابہ نے صحیح عمل کیا

بات دراصل یہ ہے کہ دونوں بزرگوں نے وہی کام کیا جو ایک جانثار صحابی کو کرنا چاہئے تھا، دونوں یہ دیکھ رہے تھے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی طبیعت ناساز ہے۔ ہم اور آپ اس وقت کی کیفیت کا اندازہ بھی نہیں کر سکتے جو اس موقع پر صحابہ کرامؓ پر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو بیمار دیکھ کر گزر رہی تھی۔ یہ وہ حضرات صحابہ کرامؓ تھے جو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ایک سانس کے بدلے ہزاروں زندگیاں قربان کرنے کے لئے تیار تھے، آپ ﷺ کی بیماری اور آپ ﷺ کی تکلیف ان حضرات کے لئے سوہان روح تھی۔ اسی لئے ان دونوں حضرات نے وہی کام کیا جو ایک جانثار صحابی کو کرنا چاہئے تھا، وہ یہ کہ ایسے موقع پر سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کو حتی الامکان تکلیف سے بچایا جائے، اور یہ دونوں حضرات جانتے تھے کہ آپ کی ساری زندگی اللہ جل شانہ کے دین کا پیغام پہنچانے میں اور پھیلانے میں صرف ہوئی، اور کوئی ضروری بات ایسی

نہیں ہے جو آپ ﷺ نے واشگاف الفاظ میں بیان نہ فرما دی ہو، اس لئے کوئی ایسی بات نہیں ہے جس کو اسی وقت لکھوانا ضروری ہو، اور اگر کوئی بات ایسی ہوگی بھی تو ہم اس کو زبانی سن کر یاد رکھیں گے۔

وہ باتیں آپ ﷺ نے ارشاد بھی فرمادیں

پھر ساتھ ہی اس حدیث میں یہ بھی آ گیا کہ آپ جو باتیں لکھوانا چاہتے تھے، وہ اسی وقت ارشاد بھی فرمادیں، جس کی وجہ سے پتہ چل گیا کہ آپ کیا لکھوانا چاہ رہے تھے، اور وہی باتیں حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے روایت فرمادیں، جس کے نتیجے میں یہ بات سامنے آ گئی کہ وہ باتیں جس کی آپ صلی اللہ علیہ وسلم بار بار تاکید فرما چکے تھے، اسی کو اور زیادہ تاکید کے ساتھ ہمیشہ کے لئے محفوظ کرنے کی خاطر لکھوانا چاہ رہے تھے۔ چنانچہ آپ ﷺ نے فرمایا:

اَلصَّلاةَ وَالزَّكَاةَ وَمَا مَلَكَتْ اَيْمَانُكُمْ۔

اب نماز کی تاکید اور زکوۃ کی تاکید اور غلاموں کے ساتھ حسن سلوک کی تاکید کوئی نئی بات نہیں تھی، لیکن صرف اس لئے یہ باتیں بیان فرمائیں تاکہ امت کو پتہ چل جائے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے دنیا سے جاتے جاتے جن باتوں کی تاکید فرمائی، وہ یہ تھیں۔ لہٰذا نہ خلافت کا کوئی مسئلہ تھا اور نہ ہی اپنے بعد کسی کو جانشین بنانے کا معاملہ تھا۔ بہرحال! شیعوں نے حضرت فاروق اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے خلاف اعتراضات کا جو طوفان کھڑا کیا تھا، اس کا اس حدیث سے بالکل قلع قمع ہو جاتا ہے کہ حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے ساتھ وہی

معاملہ پیش آیا جو حضرت فاروق اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے ساتھ پیش آیا تھا۔

حضور ﷺ کے حکم کی تعمیل نہ کرنے کی وجہ

دوسری بات جو اس حدیث سے معلوم ہوئی، وہ یہ کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت فاروق اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے واقعہ میں کاغذ منگوایا اور حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے واقعہ میں تھال منگوایا، لیکن یہ دونوں حضرات یہ چیزیں نہیں لائے، اب بظاہر دیکھنے میں یہ نظر آتا ہے کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم کی تعمیل نہیں ہوئی، لیکن تعمیل نہ ہونے کی وجہ۔ معاذ اللہ۔ یہ نہیں تھی کہ سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم کی کوئی اہمیت نہیں سمجھی، بلکہ وجہ یہ تھی کہ یہ حضرات جانتے تھے کہ اگر اس وقت کوئی چیز لکھنے کے لئے لائیں گے اور آپ کچھ لکھوائیں گے تو سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی طبیعت پر اور زیادہ بار ہوگا۔

یہ بے ادبی نہیں

اس سے معلوم ہوا کہ اگر اپنا بڑا کوئی کام کرنے کو کہے اور چھوٹے یہ دیکھیں کہ اس کام سے ان کو تکلیف ہوگی اور اس سے ان کی طبیعت پر بار ہوگا، تو بڑے کو تکلیف سے بچانے کے لئے چھوٹے یہ کہہ دیں کہ اس کام کو دوسرے وقت کے لئے مؤخر کر دیں تو اس میں نہ تو کوئی نافرمانی ہے اور نہ ہی اس میں کوئی بے ادبی ہے، بلکہ ادب کا اور محبت کا تقاضہ ہی یہ ہے کہ ان کی راحت کا

اور ان کی صحت کا خیال کیا جائے۔

پورے دین کا خلاصہ

تیسری بات جو اس حدیث کو بیان کرنے کا اصل مقصود ہے، وہ نصیحتیں ہیں جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس موقع پر ارشاد فرمائیں اور جن باتوں کی تاکید فرمائی۔ اس سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ ساری زندگی دین کے جو احکام آپ بیان فرماتے رہے اور جو تعلیمات لوگوں کے سامنے پھیلاتے رہے، ان کا خلاصہ وہ باتیں ہیں جو آپ ﷺ نے دنیا سے رخصت ہوتے وقت ارشاد فرمائیں۔ ایک اور حدیث جو حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے جس میں آپؓ نے فرمایا کہ آخری وقت میں جب حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی آواز آہستہ ہوگئی تو میں نے آپ ﷺ کے منہ پر کان لگا کر سنا تو آخری وقت تک آپ ﷺ کی زبان مبارک پر یہ الفاظ تھے:

اَلصَّلٰوۃَ وَمَا مَلَکَتْ اَیْمَانُکُمْ

اَلصَّلٰوۃَ وَمَا مَلَکَتْ اَیْمَانُکُمْ

یعنی نماز کا خیال کرو اور اپنے ماتحتوں کا خیال کرو۔

نماز اور ماتحتوں کے حقوق کی اہمیت

اس سے معلوم ہوا کہ سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کو تمام دین کے احکام اور تعلیمات میں جن چیزوں کا سب سے زیادہ اہتمام تھا، وہ حقوق اللہ میں نماز

تھی۔ ایک اور روایت میں اَلصَّلاۃَ وَالزَّکَاۃَ وَمَا مَلَکَتْ اَیْمَانُکُمْ کے الفاظ آئے ہیں، جس سے معلوم ہوا کہ اللہ تعالیٰ کے جن حقوق کا سب سے زیادہ اہتمام تھا، وہ دو قسم کے حقوق تھے: ایک جانی اور ایک مالی، جانی حقوق میں نماز اور مالی حقوق میں زکاۃ، اور حقوق العباد میں غلاموں اور خادموں اور نوکروں اور ماتحتوں کے حقوق۔ لہٰذا حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کو فکر اور تشویش یہ تھی کہ کہیں میری امت میرے بعد دین کے ان احکام میں کوتاہی نہ کرے، کیونکہ آپ جانتے تھے کہ ان میں کوتاہی کا نتیجہ تباہی ہے، جہنم ہے اور اللہ تعالیٰ کا عذاب ہے، اس لئے دنیا سے رخصت ہوتے وقت آپ ﷺ نے ان کی تاکید فرمادی۔

آخرت میں نماز کے بارے میں سب سے پہلے سوال ہوگا

قرآن وحدیث نماز کی تاکید سے بھرے ہوئے ہیں، جگہ جگہ اَقِیْمُوا الصَّلَاۃَ اَقِیْمُوا الصَّلَاۃَ کے الفاظ بار بار ارشاد فرمائے گئے ہیں۔ حدیث شریف میں آتا ہے کہ آخرت میں سب سے پہلے نماز کے بارے میں سوال ہوگا، نماز کا حساب ہوگا کہ کتنی نمازیں پڑھیں، کتنی نمازیں چھوڑیں، کتنی نمازیں قضاء کر کے پڑھیں۔ آخرت کی تیاری کے لئے سب سے پہلا کام یہ ہے کہ انسان سب سے پہلے اپنی نماز کا محاسبہ کرے کہ میرے ذمے کوئی نماز باقی ہے یا نہیں؟

اجمالی توبہ کا طریقہ

اسی وجہ سے ہمارے بزرگوں کا طریقہ یہ ہے کہ جب کوئی شخص ان کے پاس اصلاحی تعلق قائم کرنے کی غرض سے آتا ہے یا ان سے بیعت کرتا ہے تو سب سے پہلے "تکمیل توبہ" کی تعلیم دی جاتی ہے۔ ایک "اجمالی توبہ" ہوتی ہے اور ایک "تفصیلی توبہ" ہوتی ہے۔ "اجمالی توبہ" یہ ہے کہ "صلاۃ التوبہ" کی نیت سے دو رکعت نفل پڑھے اور پھر خشوع خضوع کے ساتھ اللہ تعالیٰ کے حضور اپنے تمام پچھلے گناہوں سے توبہ کرے کہ یا اللہ! مجھ سے سابقہ زندگی میں جتنے گناہ ہوئے ہیں، چھوٹے ہوں یا بڑے، اور جتنے فرائض و واجبات مجھ سے چھوٹے ہیں، میں آپ کے حضور ان سب سے معافی مانگتا ہوں، سب سے توبہ اور استغفار کرتا ہوں، اے اللہ! مجھے معاف فرما دیجئے اور میری توبہ کو قبول فرما لیجئے۔ یہ "اجمالی توبہ" ہے۔

سابقہ نمازوں کا حساب

اجمالی توبہ کرنے کے بعد پھر تفصیلی توبہ کرے۔ تفصیلی توبہ کا مطلب یہ ہے کہ ماضی میں جو غلطیاں ہوئی ہیں، ان میں سے جن کی تلافی ممکن ہے، ان کی تلافی شروع کر دے۔ مثلاً یہ دیکھے کہ ماضی میں میری نمازیں چھوٹی ہیں یا نہیں؟ انسان جس دن بالغ ہو جاتا ہے اس دن سے اس پر نماز فرض ہو جاتی ہے، چاہے وہ لڑکا ہو یا لڑکی ہو، لڑکے کا بالغ ہونا یہ ہے کہ اس پر علامات بلوغ

ظاہر ہو جائیں اور لڑکی کا بالغ ہونا یہ ہے کہ اس کے ایام ماہواری شروع ہو جائیں، اور بالغ ہوتے ہی دونوں پر نماز فرض ہو جاتی ہے۔ لہٰذا تفصیلی توبہ کرتے وقت سب سے پہلے یہ دیکھے کہ جس دن سے بالغ ہوا ہوں، اس دن سے آج تک میری کوئی نماز چھوٹی ہے یا نہیں؟ اگر نہیں چھوٹی تو اس پر اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کرے، اور اگر چھوٹی ہیں تو پھر اس کا حساب لگائے کہ میرے ذمے کونسی نماز کتنی باقی ہیں، اگر پوری طرح ٹھیک حساب لگانا ممکن نہیں ہے تو پھر محتاط اندازہ لگائے، اگر بالغ ہونے کی تاریخ یاد نہیں ہے تو پھر چودہ سال کی عمر کے بعد سے حساب لگائے، اس لئے کہ ہمارے علاقوں میں چودہ سال پورے ہونے پر بچے بالغ ہو جاتے ہیں۔ لہٰذا یہ اندازہ لگائے کہ چودہ سال کی عمر سے لے کر آج تک کتنی نمازیں قضا ہوئی ہوں گی، اس کا ایک محتاط اندازہ لگالے، اندازہ لگانے کے بعد کسی کاپی میں نوٹ کرلے۔ مثلاً اندازہ لگانے کے بعد پتہ چلا کہ تین سال کی نمازیں باقی ہیں، اب کاپی کے اندر لکھ لے کہ تین سال کی نمازیں میرے ذمے ہیں، اور پھر آج ہی سے ان کو ادا کرنا شروع کردے۔ یہ قضاء عمری کہلاتی ہے۔

قضاء عمری ادا کرنے کا طریقہ

قضاء عمری کی ادائیگی کا طریقہ یہ ہے کہ ہر فرض نماز کے ساتھ ایک قضاء نماز پڑھنا شروع کردے، مثلاً فجر کے ساتھ فجر، ظہر کے ساتھ ظہر، عصر کے ساتھ عصر، مغرب کے ساتھ مغرب اور عشاء کے ساتھ عشاء۔ اور ہر قضاء نماز کی

نیت کا طریقہ یہ ہے کہ مثلاً فجر کی نماز قضا کر رہا ہے تو یہ نیت کرے کہ میرے ذمے جتنی فجر کی نمازیں قضاء ہیں، ان میں سے سب سے پہلی فجر کی نماز پڑھ رہا ہوں، اسی طرح ظہر کی نماز قضاء کرتے وقت یہ نیت کرے کہ میرے ذمے ظہر کی جتنی نمازیں قضاء ہیں، ان میں سے سب سے پہلی ظہر کی نماز پڑھ رہا ہوں اسی طرح عصر، مغرب اور عشاء میں نیت کرے، اور اگلے روز پھر یہی نیت کرے، اور اس سے اگلے روز پھر یہی نیت کرے۔

نمازوں کے فدیہ کی وصیّت

اور اپنی کاپی کے اندر یہ تحریر لکھدے کہ میں آج کی تاریخ سے قضاء عمری شروع کر رہا ہوں اور ہر نماز کے ساتھ ایک نماز پڑھ رہا ہوں، اور تین سال کی نمازیں میرے ذمے قضاء ہیں، اگر قضاء نمازیں پوری ہونے سے پہلے میرا انتقال ہو جائے تو بقیہ نمازوں کا فدیہ میرے ترکہ میں سے ادا کر دیا جائے۔ اگر آپ نے یہ وصیّت نہیں لکھی تو پھر وارثوں کے ذمے یہ واجب نہیں ہوگا کہ وہ آپ کی نمازوں کا فدیہ ضرور ادا کریں۔ کیونکہ یہ تمہارا مال اس وقت تک تمہارا ہے جب تک تمہاری آنکھ کھلی ہوئی ہے، جب مرض وفات شروع ہو جاتا ہے تو اس کے بعد سے وہ مال تمہارا نہیں رہتا بلکہ تمہارے وارثوں کا ہو جاتا ہے، اور اب تمہارے لئے اس مال میں صرف ایک تہائی کی حد تک تصرف کرنا جائز ہے، ایک تہائی سے زیادہ تصرف کرنا جائز نہیں۔ لہٰذا اگر تم نے نمازوں کا فدیہ ادا کرنے کی وصیّت نہیں کی تو اگر چہ تمہارے وارثوں کو لاکھوں روپے مل گئے

ہوں، تب بھی ان پر یہ واجب نہیں ہے کہ وہ تمہاری نمازوں کا فدیہ ادا کریں، ہاں، اگر وہ اپنی خوشی سے تمہاری نمازوں کا فدیہ ادا کردیں تو ان کو اختیار ہے۔ اس لئے ہر شخص کو یہ وصیّت لکھنی چاہئے کہ اگر میں اپنی زندگی میں اپنی نمازوں کی قضاء نہ کرسکا تو میں وصیّت کرتا ہوں کہ میرے ترکے سے میری نمازوں کا فدیہ ادا کیا جائے۔ اور ساتھ میں نمازیں پڑھنا شروع کردو، اگر یہ دو کام کر لئے تو پھر اللہ تعالیٰ کی رحمت سے امید ہے کہ اگر بالفرض نمازیں پوری ہونے سے پہلے ہی وفات ہوگئی تو انشاء اللہ معافی ہو جائے گی۔ لیکن اگر یہ دو کام نہ کئے، نہ تو وصیّت کی اور نہ ہی نمازوں کو ادا کرنا شروع کیا، تو اس کا مطلب یہ ہے کہ نماز جیسے عظیم الشان فریضے سے یہ شخص غافل ہے۔

آج ہی سے ادائیگی شروع کردو

دنیا کے سارے کام دھندے چلتے رہیں گے، لیکن ہر انسان کے لئے سب سے ضروری کام یہ ہے کہ وہ یہ دیکھے کہ میرے ذمے کتنی نمازیں باقی ہیں، اگر باقی ہیں تو آج ہی سے ان کو ادا کرنا شروع کردے، کل پر نہ ٹالے۔ یہ شیطان بڑی عجیب چیز ہے، یہ انسان کو اس طرح بہکاتا ہے کہ انسان کو پتہ بھی نہیں چلتا کہ مجھے شیطان بہکا رہا ہے، چنانچہ یہ شیطان مسلمان کے دل میں یہ خیال نہیں ڈالے گا کہ نماز کوئی ضروری چیز نہیں ہے، اس کو چھوڑ دو، اس کی کوئی اہمیت نہیں ہے، بلکہ مسلمان کے دل میں یہ خیال ڈالے گا کہ نماز ویسے تو بڑی ضروری چیز ہے، لیکن ایسے وقت میں نماز شروع کرو کہ اس کے بعد پابندی سے

پڑھو، لہٰذا آج تو ذرا طبیعت مائل نہیں ہے، کل سے نماز شروع کریں گے، یا پرسوں سے شروع کریں گے، کیونکہ اگر تم نے نماز شروع کر کے کل کو چھوڑ دی تو الٹا تم پر وبال ہوگا، لہٰذا ابھی مت شروع کرو، پہلے فلاں کام نمٹالو، اور ہفتہ دس دن کے بعد شروع کرو گے تو پھر پابندی ہو جائے گی۔ اس طرح شیطان ٹالتا رہتا ہے، چنانچہ جس کام کی وجہ سے نماز کو ٹلایا تھا، جب وہ کام ہوگیا تو اگلے ہفتہ اور کوئی کام سامنے آ جائے گا، اس طرح شیطان آج کو کل پر اور کل کو پرسوں پر ٹلاتا ہی چلا جائے گا اور پھر زندگی بھر وہ ''کل'' نہیں آتی۔

آج کا کام کل پر مت ٹلاؤ

کام کرنے کا راستہ یہی ہے کہ جس کام کو کرنا ہے، اس کو ٹلانا نہیں ہے، اس کام کو آج ہی سے اور ابھی سے اور اسی وقت سے شروع کر دیا جائے تب تو وہ کام ہو جائے گا، لیکن اگر تم نے اس کو ٹلا دیا تو اس کا انجام یہ ہوگا کہ پھر وہ کام نہیں ہو پائے گا۔ اسی وجہ سے ایک حدیث میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

اِذَا اَصْبَحْتَ فَلَا تَنْتَظِرِ الْمَسَاءَ وَاِذَا
اَمْسَيْتَ فَلَا تَنْتَظِرِ الصَّبَاحَ وَعُدَّ
نَفْسَكَ مِنْ اَصْحَابِ الْقُبُوْرِ

یعنی جب صبح کا وقت ہو تو شام کا انتظار مت کرو، اور جب شام کا وقت ہو تو صبح کا انتظار نہ کرو، اور اپنے آپ کو قبر والوں میں سے سمجھو، گویا کہ میں آج قبر میں

جاننے والا ہوں، لہٰذا کسی کام کو ٹلاؤ نہیں۔

صحت اور فرصت کو غنیمت جانو

بہر حال! جب گزشتہ زمانہ کی نمازیں ادا کرنی ہی ہیں تو پھر انتظار کس بات کا ہے؟ جب یہ ضروری کام ہے تو اس کو فوراً کرو۔ اب تو اللہ تعالیٰ نے صحت دے رکھی ہے، کیا پتہ کل کو بیماری آ جائے اور اس کی وجہ سے نماز ادا نہ کر سکو۔ اب تو اللہ تعالیٰ نے فراغت دے رکھی ہے، کل کو یہ فراغت باقی رہے یا نہ رہے۔ ابھی تو اللہ تعالیٰ نے نمازوں کی تلافی کا جذبہ دیا ہوا ہے، کل کو یہ جذبہ باقی رہے یا نہ رہے، لہٰذا جب نمازوں کی ادائیگی کا خیال آیا ہے تو اس کو ٹلاؤ نہیں، بلکہ ابھی سے اور اسی وقت سے شروع کر دو۔

قضاء نمازوں کی ادائیگی میں سہولت

پھر قضاء نماز کے لئے اللہ تعالیٰ نے یہ سہولت رکھی ہے کہ اس کو ایسے وقت میں بھی پڑھا جا سکتا ہے جس وقت میں دوسری نمازیں نہیں پڑھی جا سکتیں، مثلاً صبح صادق کے بعد سے طلوع آفتاب تک کوئی نفل یا سنّت پڑھنا جائز نہیں، لیکن قضاء نماز کی اس وقت بھی اجازت ہے، یا مثلاً عصر کی نماز کے بعد سے غروب آفتاب تک کوئی نفل یا سنّت نہیں پڑھ سکتے، یہاں تک کہ طواف کی دوگانہ بھی عصر کے بعد پڑھنا جائز نہیں، بلکہ اگر کسی نے عصر کی نماز کے بعد کئی طواف کر لئے ہیں تو اس کے لئے حکم یہ ہے کہ وہ مغرب کی نماز کے بعد

تمام واجب طواف ایک ساتھ ادا کرے، لیکن قضاء نماز اس وقت بھی جائز ہے۔ اللہ تعالیٰ نے یہ سہولت اور آسانی اسی لئے دی ہے کہ مسلمان کو جب بھی اپنی قضاء نمازوں کو ادا کرنے کا خیال آئے تو وہ اسی وقت سے ادا کرنا شروع کردے، اس کے لئے کوئی رکاوٹ نہ ہو۔

بیدار ہوتے ہی پہلے نماز فجر ادا کرو

ایک حدیث میں حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا۔ یہ ارشاد یاد رکھنے کا ہے، خاص طور پر ان لوگوں کو یاد رکھنا چاہئے جن کی نمازیں کسی وجہ سے قضاء ہوتی رہتی ہیں۔ فرمایا کہ:

مَنْ نَامَ عَنْ صَلَاةٍ اَوْ نَسِيَهَا فَلْيُصَلِّهَا اِذَا
ذَكَرَهَا فَاِنَّ ذٰلِكَ وَقْتُهَا۔

(مصنف ابن ابی شیبۃ، ج ۲، ص ۶۴)

یعنی اگر کوئی شخص نماز سے سو گیا اور نیند کی حالت میں نماز کا وقت گزر گیا، اور جب بیدار ہوا تو وقت گزر چکا تھا، یا کوئی شخص نماز پڑھنا بھول گیا اور اس وقت یاد آیا جب نماز کا وقت گزر چکا تھا، تو ایسے شخص کے لئے حضور صلی اللہ علیہ وسلم فرما رہے ہیں کہ جیسے ہی وہ بیدار ہو اور جس وقت اس کو یاد آئے تو فوراً نماز پڑھ لے، کیونکہ جس وقت اس کو نماز پڑھنا یاد آیا، اس کے لئے نماز کا وقت وہی ہے۔

فجر کے لئے بیدار ہونے کا انتظام کرلو

مثلاً کوئی شخص اٹھنے کے لئے پورا انتظام کر کے سوئے، یعنی کسی شخص کو جگانے کے لئے کہہ دیا، اور گھڑی کا الارم بھی لگا دیا، لیکن اس کے باوجود وقت پر آنکھ نہیں کھلی، اور اس وقت آنکھ کھلی جب سورج نکل چکا تھا، تو چونکہ بیدار ہونے کا انتظام کر کے سویا تھا، اس لئے انشاء اللہ گناہ نہیں ہوگا، بشرطیکہ جیسے ہی آنکھ کھلے تو اس وقت پہلا کام یہ کرے کہ وضو کر کے نماز ادا کرے، اس لئے کہ اس کے لئے یہی نماز کا وقت ہے، اس وقت یہ نہ سوچے کہ نماز قضاء تو ہو ہی گئی، چلو بعد میں پڑھ لوں گا، اب تو جس وقت بھی پڑھوں گا قضاء ہی ہوگی، بلکہ اسی وقت نماز پڑھ لے، اس کو آگے نہ ٹالے۔ اگر یہ کرلیا تو انشاء اللہ نماز قضاء کرنے کا گناہ بھی نہیں ہوگا، اور اگر بیدار ہونے کا انتظام نہیں کیا تھا تو پھر گناہ گار ہوگا۔

اللہ تعالیٰ نے قضاء نماز کے لئے اتنی آسانیاں رکھ دیں تاکہ بندے کے ذمّے نماز چھوڑنے کا وبال اور قضاء کا بوجھ نہ رہے، اس سے معلوم ہوا کہ اللہ اور اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم ہم پر بڑے مہربان ہیں، اس لئے ہر مسلمان کو اس کی فکر کرنی چاہئے کہ اس کے ذمے نماز کا کوئی حساب باقی نہ رہے، اللہ تعالیٰ ہم سب کو اس کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین۔

زکوٰۃ کا پورا پورا حساب کرو

دوسری چیز ''زکوٰۃ'' کا بیان فرمایا، زکوٰۃ کی اہمیت بھی نماز کے برابر ہے، جہاں قرآن کریم میں نماز کا حکم آیا، اسی کے ساتھ زکوٰۃ کا حکم بھی آیا، فرمایا:

وَاَقِيْمُوا الصَّلٰوةَ وَاٰتُوا الزَّكٰوةَ۔

(سورۃ البقرہ)

''زکوٰۃ'' کا بھی یہی حکم ہے کہ تکمیل توبہ کے لئے یہ ضروری ہے کہ آدمی ٹھیک ٹھیک ایک ایک پائی کا حساب کرکے زکوٰۃ ادا کرے۔ ہمارے معاشرے میں زکوٰۃ کے بارے میں بھی بڑی غفلت پائی جاتی ہے، جو مسلمان اللہ تعالیٰ کے فضل وکرم سے زکوٰۃ دینے کا اہتمام کرتے ہیں اور زکوٰۃ نکالتے ہیں، وہ بھی زکوٰۃ کا پورا حساب صحیح کرکے بہت کم نکالتے ہیں، بلکہ ویسے ہی اپنے مال کا اندازہ کرکے زکوٰۃ دیتے ہیں۔ ہماری تاجر برادری میں اندازہ کرکے زکوٰۃ نکالنے کا زیادہ رواج ہے، حالانکہ زکوٰۃ نکالنے کا پورا صحیح طریقہ یہ ہے کہ اپنے مال کا پورا صحیح حساب کرکے پھر زکوٰۃ نکالنی چاہئے۔

زکوٰۃ کی اہمیت

ہم نے یہاں ''بیت المکرّم مسجد'' کے احاطے میں ''مرکز الاقتصادی الاسلامی'' کے نام سے ایک ادارہ قائم کیا ہوا ہے، اس ادارہ سے ایک فارم

شائع کیا گیا ہے جس میں یہ بتایا گیا ہے کہ زکوٰۃ کا حساب کس طرح لگایا جائے، اور زکوٰۃ کون کونسی چیزوں پر واجب ہوتی ہے، اور اس کا ایک کمپیوٹر پروگرام بھی بنایا گیا ہے، ضرورت کے وقت اس سے بھی استفادہ کیا جاسکتا ہے۔ بہر حال! تکمیل توبہ کا ایک لازمی حصّہ یہ ہے کہ مال کا پورا پورا حساب کرکے زکوٰۃ نکالی جائے۔ آپ نے دیکھا کہ سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم دنیا سے جاتے جاتے اس بات کی نصیحت فرما رہے ہیں کہ نماز اور زکوٰۃ کا اہتمام کرو۔ یہ دو چیزیں تو حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے حقوق اللہ کے بارے میں ذکر فرمائیں۔

غلام اور باندیوں کا خیال رکھو

اس کے بعد تیسری چیز ''حقوق العباد'' میں سے بیان فرمائی۔ چنانچہ ارشاد فرمایا:

وَمَا مَلَكَتْ اَيْمَانُكُمْ۔

اس کا لفظی ترجمہ یہ ہے کہ ان چیزوں کا خیال رکھو جو تمہارے داہنے ہاتھ کی ملکیت ہیں۔ عربی زبان میں اس لفظ سے ''غلام'' اور ''باندی'' مراد ہوتے ہیں، قرآن کریم میں بھی یہ لفظ اسی معنی میں بار بار استعمال ہوا ہے۔ پہلے زمانے میں غلام اور باندیاں ہوتی تھیں جو انسان کی ملکیت ہوتی تھیں، لہٰذا اس لفظ کے ظاہری معنی یہ ہیں کہ غلاموں اور باندیوں کا خیال رکھو، ان کے ساتھ حسن سلوک کرو اور ان کے حقوق پوری طرح ادا کرو۔

"مَامَلَکَتْ اَیْمَانُکُمْ" میں تمام ماتحت داخل ہیں

میرے والد ماجد حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحب رحمۃ اللہ علیہ فرمایا کرتے تھے کہ یہاں پر لفظ "مَامَلَکَتْ اَیْمَانُکُمْ" میں صرف غلام اور باندیوں کی بات نہیں ہے، بلکہ اس لفظ سے ہر طرح کے ماتحت مراد ہیں۔ چنانچہ حضرت والد صاحب رحمۃ اللہ علیہ "مَامَلَکَتْ اَیْمَانُکُمْ" کا ترجمہ "ماتحت لوگ" سے کیا کرتے تھے، لہٰذا نوکر، ملازم، سب اس میں داخل ہیں۔ اسی طرح جو شخص دوسرے لوگوں پر امیر ہو، اس امیر کے ماتحت جتنے لوگ ہوں، وہ سب اس میں داخل ہیں، اور اس میں "خواتین" بھی داخل ہیں، کیونکہ اللہ تعالیٰ نے گھرانے کا امیر مرد کو بنایا ہے اور عورت کو اس کا ماتحت بنایا ہے، لہٰذا اس لفظ میں عورتیں بھی داخل ہیں۔ بہرحال! حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے کتنا جامع لفظ بیان فرمایا جس میں تمام ماتحتوں کے حقوق داخل ہو گئے۔

ماتحت اپنا حق نہیں مانگ سکتا

اس لفظ کے ذریعہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ بتا دیا کہ جو لوگ بھی تمہاری ماتحتی میں ہیں اور جن پر اللہ تعالیٰ نے تم کو حاکم بنایا ہے، ان کے حقوق کا خاص طور پر خیال رکھو۔ اس کی تاکید اس لئے فرمائی کہ جو آدمی برابر کا ہوتا ہے، وہ تو کسی بھی وقت اپنے حق کا مطالبہ کر لیتا ہے، لیکن جو بیچارہ ماتحت ہے، اس کے لئے اپنے حق کا مطالبہ کرنے میں تمہارا رتبہ اور درجہ حائل ہے،

بعض اوقات وہ اپنے حق کا مطالبہ کرنے میں بے زبان ہوتا ہے، لہٰذا جب تک تمہارے دل میں اللہ تعالیٰ کا خوف نہیں ہوگا اور جب تک تمہارے دل میں اس بات کا خیال نہیں ہوگا کہ مجھے خود اس کے حقوق کا خیال رکھنا ہے، اس وقت تک اس کے حقوق ٹھیک ٹھیک ادا نہیں ہو سکتے۔

نوکر کو کمتر مت تصوّر کرو

اسی طرح آج کل جو ملازمین اور نوکر ہوتے ہیں، ان کو اپنے سے کمتر اور حقیر سمجھنا بڑی جاہلیت کی بات ہے، اگر تم نے کسی کو اپنا نوکر رکھا ہے، چاہے وہ گھر کے کام کے لئے ہی کیوں نہ رکھا ہو، صرف اتنی بات ہے کہ تم نے اس کے ساتھ ایک معاہدہ کیا ہے، وہ نوکر معاہدے کا ایک فریق ہے، تم نے اس کی خدمات خریدی ہیں اور اس نے اپنی خدمات تمہیں فروخت کی ہیں اور اس کے بدلے میں تم نے اس کو پیسے اور تنخواہ دینے کا التزام کیا ہے، لہٰذا تم بھی معاہدے کے ایک فریق ہو اور وہ بھی معاہدے کا ایک فریق ہے۔

تم اور تمہارا نوکر درجے میں برابر ہیں

فرض کرو کہ تم کہیں بازار میں کسی دکان پر جاؤ اور دکاندار سے کوئی سودا خریدو، تم اس کو پیسے دے رہے ہو اور دکاندار سودا دے رہا ہے، تو کیا اس لین دین کرنے کے نتیجے میں تمہارا درجہ زیادہ ہو گیا اور دکاندار کا درجہ کم ہو گیا؟ نہیں، بلکہ تم دونوں برابر کے فریق ہو، تم پیسے دے رہے ہو اور وہ سودا دے رہا

ہے۔ اسی طرح تمہارا ملازم اور تمہارا نوکر بھی اس معنی میں تمہارے برابر کا فریق ہے کہ تم پیسے دے رہے ہو اور وہ اپنی خدمات دے رہا ہے، لہٰذا درجہ کے اعتبار سے اس کو کمتر یا حقیر سمجھنا اور اس کو حقارت سے دیکھنا کسی طرح بھی جائز نہیں۔

تمہارے نوکر تمہارے بھائی ہیں

ایک حدیث میں جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

اِخْوَانُکُمْ خَوَلُکُمْ جَعَلَهُمُ اللّٰهُ تَحْتَ اَیْدِیْکُمْ فَمَنْ کَانَ اَخُوْهُ تَحْتَ یَدِهٖ فَلْیُطْعِمْهُ مِمَّا یَاکُلُ وَلْیُلْبِسْهُ مِمَّا یَلْبَسُ۔

(بخاری، کتاب العتق، باب: العبید اخوانکم الخ)

یعنی تمہارے خادم، نوکر اور ملازم، سب تمہارے بھائی ہیں، صرف اتنی بات ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ان کو تمہارا ماتحت بنا دیا ہے، لہٰذا ان کو اسی کھانے میں سے کھلاؤ جو تم کھاتے ہو اور اسی کپڑے میں سے پہناؤ جو تم پہنتے ہو۔ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے ماتحتوں کے بارے میں یہ تعلیم دی، یہ نہیں کہ اگر وہ تمہارا ملازم ہوگیا تو اب وہ جانور ہوگیا، اور پھر اس کے ساتھ جانوروں جیسا سلوک کرو، اس کے ساتھ حقارت آمیز سلوک کرو، ارے وہ ملازم تمہارا بھائی ہے، اس کے ساتھ بھائیوں جیسا سلوک کرنا چاہئے۔

اللہ تعالیٰ کو تم پر زیادہ قدرت حاصل ہے

حدیث شریف میں آتا ہے کہ ایک مرتبہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم حضرت ابومسعود انصاری رضی اللہ عنہ کے پاس سے گزرے، وہ اپنے غلام پر غصّہ کر رہے تھے اور ڈانٹ رہے تھے اور قریب تھا کہ وہ اس غلام کو ماریں۔ جب سرکارِ دوعالم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو دیکھا تو ان سے فرمایا کہ:

لَلّٰه اَقْدَرُ عَلَيْكَ مِنْكَ عَلَيْهِ۔

(مسلم، کتاب الایمان، باب صحبۃ الممالیک)

یعنی جتنی قدرت تمہیں اس غلام پر حاصل ہے، اللہ تعالیٰ کو اس سے زیادہ تم پر قدرت حاصل ہے۔ لہٰذا اگر تم اس کے ساتھ غصّہ کا معاملہ کرو گے یا اس کو مارو گے یا اس کے ساتھ زیادتی کرو گے تو اللہ تعالیٰ اس کا بدلہ تم سے لیں گے۔ اب ابومسعود انصاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی شان دیکھئے کہ غصّہ آ رہا ہے، اشتعال کی حالت میں ہیں اور غلام کو مارنے کے قریب ہیں، اور مارنے کے لئے ہاتھ اٹھالیا ہے، لیکن جب سرکار دوعالم صلی اللہ علیہ وسلم کا ایک جملہ سنا کہ اللہ تعالیٰ کو تم پر اس سے زیادہ قدرت حاصل ہے جتنی قدرت تمہیں اس غلام پر حاصل ہے، اسی وقت فرمایا کہ یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! میں نے اس غلام کو آزاد کر دیا۔ کہاں تو غصّہ آ رہا ہے اور اس کو ڈانٹ رہے ہیں اور کہاں اس کو بالکل آزاد کر دیا۔

یہ احمقانہ خیال ہے

کبھی کبھی ہمارے دماغوں میں یہ احمقانہ خیال آ جاتا ہے کہ کاش ہم بھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں ہوتے۔ یاد رکھئے! یہ احمقانہ خیال ہے۔ کیونکہ اگر اس زمانے میں ہوتے تو معلوم نہیں کس اسفل السافلین میں ہوتے، العیاذ باللہ۔ اللہ تعالیٰ جس کو جو مقام دیتے ہیں اس کا ظرف دیکھ کر دیتے ہیں، یہ صحابہ کرامؓ ہی کا ظرف تھا کہ وہ سرکار دوعالم صلی اللہ علیہ وسلم کی صحبت کا حق ادا کر گئے، صحابہ کرامؓ اپنے ایک ایک عمل سے سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم کی اطاعت اور تعمیل کی مثال قائم کر کے چلے گئے، نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ایک ایک کلمے پر ان کے سارے جذبات قربان تھے۔

زیادہ سزا دینے پر پکڑ ہوگی

بہرحال، نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم دنیا سے جاتے جاتے یہ ارشاد فرما گئے کہ اپنے ماتحتوں کا خیال کرو۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ حقوق اللہ کی تلافی توبہ استغفار سے ہو جاتی ہے، لیکن اگر تم نے اپنے ماتحتوں پر ظلم اور زیادتی کر لی اور وہ ماتحت بھی بے زبان ہے جو تمہیں کچھ نہیں کہہ سکتا تو اس کے ساتھ کی گئی زیادتی کی تلافی کا کوئی راستہ نہیں ہے۔ حدیث شریف میں آتا ہے کہ ایک مرتبہ ایک صحابی نے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا کہ یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! اگر میرا غلام کوئی غلطی کرے یا کوئی غلط کام کرے تو میں

اس کو سزا دے سکتا ہوں یا نہیں؟ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے جواب میں فرمایا کہ سزا تو دے سکتے ہو مگر اس بات کا خیال رکھنا کہ تمہاری سزا اس کی غلطی کے برابر ہونی چاہئے، لہٰذا اگر تمہاری سزا اس کی غلطی سے کم رہی تو اللہ تعالیٰ تمہارا حق اس غلام سے آخرت میں دلا دیں گے، لیکن اگر تمہاری سزا اس کی غلطی سے بڑھ گئی تو قیامت کے روز اس کا ہاتھ ہوگا اور تمہارا گریبان ہوگا، اور اللہ تعالیٰ اس زیادتی کا بدلہ تم سے دلوائیں گے۔ یہ سن کر وہ صحابی چیخ پڑے اور کہا کہ یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! کہیں ایسا نہ ہو کہ مجھ سے زیادتی ہوگئی ہو، آپ نے فرمایا کہ کیا قرآن کریم میں تم نے یہ آیت تلاوت نہیں کی؟

فَمَنْ يَّعْمَلْ مِثْقَالَ ذَرَّةٍ خَيْرًا يَّرَهٗ ○

وَمَنْ يَّعْمَلْ مِثْقَالَ ذَرَّةٍ شَرًّا يَّرَهٗ ○

(سورۃ الزلزال: آیت ۷، ۸)

جو شخص ایک ذرہ کے برابر بھی بھلائی کرے گا، وہ آخرت میں اپنے سامنے اس کو دیکھے گا، اور جو شخص ایک ذرہ کے برابر برائی کرے گا، آخرت میں اپنے سامنے اس کو دیکھے گا۔ اس لئے اپنے ماتحت کو سزا تو دو لیکن تول کر دو، جتنا اس کا قصور ہے، کہیں اس سے زیادہ تو سزا نہیں دے رہے ہو؟ ان صحابی نے فرمایا کہ یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! یہ تو بڑا مشکل کام ہے، میں کہاں سے برابری کا پیمانہ لاؤں گا، لہٰذا آسان راستہ یہ ہے کہ میں اپنے غلام کو آزاد ہی کر دیتا ہوں۔ چنانچہ اس غلام کو آزاد کر دیا۔ اللہ تعالیٰ نے ان ماتحتوں کے اتنے حقوق رکھے ہیں۔

حضور ﷺ کی تربیت کا انداز

جب حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم ہجرت کر کے مدینہ طیبہ تشریف لائے تو حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے والد حضرت ابوطلحہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور ان کی والدہ حضرت اُم سُلیم رضی اللہ تعالیٰ عنہا ان دونوں نے آپس میں مشورہ کیا کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس کوئی خادم نہیں ہے ، ہم کیوں نہ اپنے بیٹے کو آپ کی خدمت میں پیش کر دیں کہ یہ آپ کی خدمت کیا کرے گا۔ چنانچہ یہ دونوں میاں بیوی حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو لے کر حاضر خدمت ہوئے، اس وقت یہ بچے تھے، انہوں نے آ کر عرض کیا کہ یہ ہمارا لڑکا بڑا عقلمند اور ہوشیار ہے، ہمارا دل چاہتا ہے کہ یہ آپ کی خدمت میں رہے اور آپ کے لئے بطور خادم کے کام کرے۔ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے قبول فرمالیا، چنانچہ ان کے ماں باپ ان کو چھوڑ کر چلے گئے۔ حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ دس سال تک حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں رہے، اس عرصہ میں حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے ساتھ کیا رویّہ رکھا؟ اس کے بارے میں وہ خود فرماتے ہیں کہ:

میں نے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی دس سال خدمت کی، لیکن اس عرصہ میں حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے اُف تک نہیں کہا، اور نہ ڈانٹا، نہ ڈپٹا، نہ کبھی مجھ سے یہ فرمایا کہ یہ کام کیوں کیا ؟ اور نہ کبھی یہ فرمایا کہ یہ

کام کیوں نہیں کیا؟ یہ معمولی بات نہیں، کہنے کو تو آسان ہے، لیکن جب کوئی اس سنّت پر عمل کرنے کا ارادہ کرے تو اس وقت اس کو پتہ چلے کہ اس سنّت پر عمل کرنے کے لئے کتنا دل گردہ چاہئے، ہم آسان آسان سنّتوں پر عمل تو کر لیتے ہیں، لیکن یہ بھی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی سنّت ہے، اللہ تعالیٰ ہمیں ان سب پر عمل کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین۔

ایک مرتبہ کا واقعہ

خود حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ اپنا واقعہ بیان کرتے ہیں کہ ایک مرتبہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے کسی کام کے لئے بھیجا کہ فلاں کام کر آؤ، میں گھر سے نکلا تو باہر کچھ کھیل تماشہ ہو رہا تھا، میں اس کھیل تماشے میں لگ گیا اور جس کام کے لئے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے بھیجا تھا وہ بھول گیا۔ اب حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم اس انتظار میں تھے کہ میں واپس آکر بتاؤں کہ اس کام کا کیا ہوا؟ جب کافی دیر گزر گئی اور میں واپس نہ پہنچا تو حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم باہر تشریف لائے اور جا کر وہ کام خود کر لیا جس کے لئے مجھے بھیجا تھا، آپ وہ کام کر کے واپس آئے تو آپ نے دیکھا کہ میں بچوں کے ساتھ کھیل رہا ہوں، جب میری نظر آپ ﷺ پر پڑی تو مجھے خیال آیا کہ مجھ سے غلطی ہوگئی، آپ ﷺ نے مجھے کام سے بھیجا تھا اور میں کھیل میں لگ گیا، مجھے صدمہ بھی ہوا اور فکر بھی ہوئی کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم ناراض ہوں گے۔ چنانچہ میں نے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس جا کر

عرض کیا کہ یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! جب میں گھر سے باہر نکلا تو میں وہ کام کرنا بھول گیا اور بچوں کے ساتھ کھیل میں لگ گیا۔ آپ ﷺ نے فرمایا کہ کوئی بات نہیں، میں وہ کام خود کر آیا۔ آپ ﷺ نے مجھ کو نہ ڈانٹا، نہ ڈپٹا اور نہ کوئی اور سزا دی۔

حسن سلوک کے نتیجے میں بگاڑ نہیں ہوتا

آج ہم لوگ تاویلیں گھڑ لیتے ہیں کہ اگر ہم اپنے نوکر اور اپنے خادم کے ساتھ یہ طرز عمل اختیار کریں گے تو وہ سرکش ہو جائے گا، وہ ہمارے سر چڑھ جائے گا وغیرہ۔ یہ دیکھئے کہ آخر یہ خیال حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو بھی تو آتا ہوگا کہ اگر میں سختی نہیں کروں گا تو یہ سرکش ہو جائے گا، لیکن آپ جانتے تھے کہ جس حسن سلوک کا معاملہ میں اس کے ساتھ کر رہا ہوں، اس کے اندر تادیب اور تعلیم کی صلاحیت موجود ہے۔ چنانچہ اس دس سال کے عرصے میں حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے اندر کوئی بگاڑ پیدا نہیں ہوا۔ بہر حال، یہ وہ حسن سلوک ہے جس کی مثال حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے قائم فرمائی اور آپ ﷺ نے صحابہ کرامؓ کو جس کی تاکید فرمائی۔

حضرت ابوذر غفاری رضی اللہ عنہ کو تنبیہ

ایک مرتبہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لے جا رہے تھے، آپ نے حضرت ابوذر غفاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو دیکھا کہ وہ اپنے غلام کو ڈانٹ

رہے ہیں، وہ غلام حبشی تھا، اس لئے اس کو یہ کہہ رہے تھے کہ اے حبشی! تو یہ کر رہا ہے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے جب یہ الفاظ سنے تو آپ نے فرمایا:

یا أباذر: فِیْكَ امر اِنَّكَ الجاھلیة۔

اے ابوذر! تمہارے اندر ابھی تک جاہلیت کی خوبو باقی ہے، اس لئے تم اپنے غلام کو حبشی کہہ کر خطاب کر رہے ہو۔ حضرت ابوذر غفاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ یہ سن کر رو پڑے، اور پھر بعد میں بار بار حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے اس جملے کو یاد کیا کرتے تھے کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے میرے بارے میں یہ جملہ فرمایا تھا۔

حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کا غلام پر ناراض ہونا

حضرت صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ ایک مرتبہ اپنے غلام پر ناراض ہو رہے تھے اور اس کو لعنت کا کلمہ کہہ رہے تھے۔ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے جب یہ جملہ سنا تو فرمایا کہ:

لعّانین و صدیقین کلّا و ربّ الکعبة۔

یعنی صدیق بھی بنتے ہو اور لعنت بھی کرتے ہو، ربّ کعبہ کی قسم یہ دونوں باتیں ایک ساتھ جمع نہیں ہوسکتیں۔ اگر صدیق ہو تو لعنت نہیں کر سکتے، اگر لعنت کر رہے ہو تو صدیق نہیں ہو سکتے۔ یہ سُنتے ہی حضرت صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کانپ گئے اور اس غلام کو جس کو لعنت کر رہے تھے، اس کو تو آزاد کیا ہی ہوگا، اس کے علاوہ اور بھی بہت سے غلام اس دن آزاد کر دیئے۔

ماتحتوں سے توہین کا معاملہ نہ کرو

بہر حال! اپنے غلاموں، اپنے ماتحتوں اور اپنے نوکروں کے ساتھ معاملہ کرنے کے بارے میں ہمارے اوپر جو غفلت طاری ہے کہ جب چاہا ان کو برا بھلا کہہ دیا، جب چاہا ان کو گالی دیدی، یا ان کو ایسا کلمہ کہہ دیا جو دل توڑنے والا ہو، یا ان کو تحقیر اور توہین کے انداز میں ڈانٹ دیا، یہ سب منع ہے۔ لہٰذا اگر تمہارا کوئی نوکر ہے تو اس کو بھائیوں کی طرح رکھو، بھائیوں جیسا سلوک کرو، اس کے بارے میں یہ سوچو کہ یہ بھی تمہاری طرح انسان ہے، اس کے سینے میں بھی دل دھڑکتا ہے، اس کے دل میں بھی خواہشات پیدا ہوتی ہیں، اس کے دل میں بھی جذبات اور خیالات ہیں، اس کی بھی ضروریات اور حاجتیں ہیں، یہ تو کوئی بات نہ ہوئی کہ نوکر کے ساتھ جانوروں جیسا سلوک کرو۔

یہ مغربی تہذیب کی لعنت ہے

امیر اور مامور کے درمیان، حاکم اور محکوم کے درمیان، افسر اور ماتحت کے درمیان جو دیواریں کھڑی کی ہیں، وہ مغربی تہذیب نے کھڑی کی ہیں، جس کے نتیجے میں آج افسر کا معاملہ اپنے ماتحت کے ساتھ جانوروں جیسا ہو کر رہ گیا ہے، آج اس کے اثرات ہمارے معاشرے میں بھی پھیل رہے ہیں،

ڈرائیور کے ساتھ سلوک

آج ڈرائیور کے ساتھ ہمارے معاشرے میں جانوروں جیسا سلوک

ہوتا ہے۔ البتہ اہل عرب کے اندر اب تک قدیم اسلامی معاشرے کی کچھ جھلکیاں باقی ہیں، وہ لوگ اپنے ڈرائیور کو بھائیوں جیسا درجہ دیتے ہیں، چنانچہ گاڑی میں سفر کر کے جب کسی جگہ پراتریں گے تو اس ڈرائیور سے کہیں گے "شکراً یا اخی" یعنی آپ کا شکر یہ کہ آپ نے مجھے یہاں تک پہنچا دیا۔ جب کہیں کھانا کھائیں گے تو ڈرائیور کو ساتھ بٹھا کر کھلائیں گے، اس کے ساتھ بھائیوں جیسا برتاؤ کریں گے، یہ سب قدیم اسلامی معاشرے کی جھلک ہے۔

ہمارے یہاں یہ رواج ہے کہ ڈرائیور کو ساتھ بٹھا کر نہیں کھلاتے، خود گھر میں بیٹھ کر کھالیتے ہیں اور وہ باہر گاڑی میں بیٹھا ہوتا ہے، اس کے کھانے کی کوئی پرواہ نہیں ہوتی۔ یہ سب باتیں ہمارے اندر غیر اسلامی معاشرے کی آ گئی ہیں۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی سنّت وہ ہے جو اس حدیث میں بیان ہوئی اور صحابہ کرامؓ کے ان واقعات سے ظاہر ہوتی ہے جو میں نے بیان کئے۔ اللہ تعالیٰ ہم سب کو اس کے سمجھنے اور اس پر عمل کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین۔

وَآخِرُ دَعْوَانَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ

یہ دنیا کھیل تماشہ ہے

شیخ الاسلام حضرت مولانا مفتی محمد تقی عثمانی صاحب مدظلہم

ضبط و ترتیب
محمد عبداللہ میمن

میمن اسلامک پبلشرز

۱۸۸/۱-لیاقت آباد، کراچی ۱۹

موضوع خطاب :

مقام خطاب : جامع مسجد بیت المکرم
گلشن اقبال کراچی

وقت خطاب : بعد نماز عصر تا مغرب

اصلاحی خطبات : جلد نمبر ۱۲

صفحات :

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْم ط

یہ دنیا کھیل تماشہ ہے

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ نَحْمَدُہٗ وَ نَسْتَعِیْنُہٗ وَ نَسْتَغْفِرُہٗ وَ نُؤْمِنُ بِہٖ وَنَتَوَکَّلُ عَلَیْہِ وَنَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنْ شُرُوْرِ اَنْفُسِنَا وَمِنْ سَیِّئَاتِ اَعْمَالِنَا ۔ مَنْ یَّھْدِہِ اللّٰہُ فَلَا مُضِلَّ لَہٗ وَمَنْ یُّضْلِلْہُ فَلَا ھَادِیَ لَہٗ وَأَشْھَدُاَنْ لَّا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ وَحْدَہٗ لَاشَرِیْكَ لَہٗ وَأَشْھَدُاَنَّ سَیِّدَنَا وَنَبِیَّنَا وَمَوْلَانَا مُحَمَّداً عَبْدُہٗ وَ رَسُوْلُہٗ صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَعَلٰی اٰلِہٖ وَاَصْحَابِہٖ وَبَارَكَ وَسَلَّمَ تَسْلِیْمًا کَثِیْرًا۔

أَمَّا بَعْدُ! فَاَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنَ الشَّیْطٰنِ الرَّجِیْم بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْم ط

اِعْلَمُوْٓا اَنَّمَا الْحَیٰوۃُ الدُّنْیَا لَعِبٌ وَّلَھْوٌ وَّزِیْنَۃٌ

وَتَفَاخُرٌ بَيْنَكُمْ وَتَكَاثُرٌ فِي الْاَمْوَالِ وَالْاَوْلَادِ
كَمَثَلِ غَيْثٍ اَعْجَبَ الْكُفَّارَ نَبَاتُهُ ثُمَّ يَهِيْجُ
فَتَرَاهُ مُصْفَرًّا ثُمَّ يَكُوْنُ حُطَامًا ○

(سورۃ حدید، آیت ۲۰)

آمنت باللّٰہ صدق اللّٰہ مولانا العظیم، وصدق رسوله النبی الکریم، ونحن علی ذٰلِكَ من الشاهدین والشاکرین والحمدللّٰہ ربّ العالمین

تمہید

بزرگان محترم و برادران عزیز! اس آیت میں اللہ تبارک و تعالیٰ نے دنیاوی زندگی کی ایک عجیب وغریب حقیقت بیان فرمائی ہے۔ ہم لوگ جو صبح سے لے کر شام تک اور شام سے لے کر صبح تک اسی دنیا کی دوڑ دھوپ میں لگے ہوئے ہیں اور اسی سوچ بچار میں سارا وقت صرف کررہے ہیں کہ کس طرح زیادہ سے زیادہ دنیا کمالوں، کس طرح زیادہ سے زیادہ پیسے حاصل کرلوں، کس طرح زیادہ سے زیادہ راحت مل جائے۔ اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے اس دنیا کی حقیقت بیان فرمادی ہے کہ تم دن رات جس چیز کے پیچھے لگے ہوئے ہو، اس کی حقیقت کیا ہے...

بازیچہء اطفال ہے یہ دنیا میرے آگے

چنانچہ فرمایا کہ ”یہ دنیاوی زندگی کھیل کود ہے اور زینت اور سجاوٹ کا سامان ہے، اور آپس میں ایک دوسرے پر فخر کرنا اور مال و دولت میں اور اولاد میں ایک دوسرے سے آگے بڑھنے کی کوشش کرنا،“ ساری دنیاوی زندگی کا حاصل بس یہی ہے۔ اس آیت کریمہ میں اس طرف اشارہ فرمایا گیا کہ اس دنیاوی زندگی کی حقیقت کا اگر تم جائزہ لے کر دیکھو گے تو یہ نظر آئے گا کہ انسان اس دنیا کی زندگی میں مختلف زمانوں سے گزرتا ہے، ایک زمانے میں کسی ایک چیز سے دل لگاتا ہے، وہی چیز اس کو جان سے زیادہ پیاری ہوتی ہے اور اسی پر فریفتہ ہوتا ہے، اس کے ملنے سے خوش ہوتا ہے اور اس کے نکل جانے سے اس کو رنج و تکلیف اور صدمہ ہوتا ہے۔ لیکن جب وہ اس دور سے گزر کر دوسرے دور میں داخل ہوتا ہے تو اس وقت اسی چیز پر جس سے پہلے دل لگایا تھا، ہنستا ہے کہ افسوس! میں نے کس چیز پر دل لگایا تھا، اور اس کو حقیر اور ذلیل سمجھنے لگتا ہے، اور اب نئی چیزوں سے دل لگاتا ہے۔ اور پھر جب یہ دوسرا دور گزر جاتا ہے اور وہ انسان تیسرے دور میں داخل ہو جاتا ہے تو جن چیزوں سے پہلے دل لگایا تھا، ان پر سے اب دل ہٹ گیا اور تیسری چیز کے ساتھ دل لگالیا اور اس پر فریفتہ ہونا شروع کر دیا اور اس وقت وہ پچھلی باتوں کو سوچ کر اپنی بیوقوفی پر ہنستا ہے کہ میں نے کس کے ساتھ دل لگایا تھا۔

زندگی کے مختلف مراحل

اللہ تعالیٰ نے اس آیت میں پوری انسانی زندگی کے ان مراحل کو بیان فرمایا ہے، اولاً جب انسان اس دنیا میں آتا ہے تو جب تک وہ چھوٹا سا بچہ ہوتا ہے تو اس کی ساری کائنات، سارے شوق، سارے ارمان کھیل کود سے وابستہ ہوتے ہیں۔

اور پھر کھیل کود کی بھی دو قسمیں ہوتی ہیں، ایک کھیل وہ ہوتا ہے جس میں ہار جیت ہوتی ہے، ایک ہار گیا اور دوسرا جیت گیا، دوسرا کھیل وہ ہوتا ہے جو بالکل بے مقصد ہوتا ہے، اس میں نہ ہار ہوتی ہے اور نہ جیت ہوتی ہے۔

پہلا مرحلہ: بے مقصد کھیل

ابتداء میں جب بچہ ماں کی گود میں ہوتا ہے، اس وقت اس کے سارے شوق ایسے کھیل سے وابستہ ہوتے ہیں جس کا کوئی مقصد نہیں ہوتا۔ مثلاً اگر اس کے ہاتھ میں آپ نے ایک جھنجھنا پکڑا دیا، اب وہ اسی سے کھیل رہا ہے، اس میں ہار جیت کے کوئی معنی نہیں، اس کھیل کا کوئی مقصد نہیں، اور وہ بچہ اسی جھنجھنے کو اپنی ساری کائنات سمجھتا ہے، اب اگر کوئی شخص اس بچے کے ہاتھ سے وہ جھنجھنا چھین لے تو وہ بچہ رونا شروع کر دے گا، اور وہ یہ سمجھے گا کہ میری ساری دنیا لٹ گئی، اس لئے کہ اس بچے کے سارے شوق اور سارے ارمان اس جھنجھنے سے وابستہ ہیں۔

دوسرا مرحلہ: بامقصد کھیل

اس کے بعد جب بچہ تھوڑا سا بڑا ہوا اور اس کو تھوڑی سمجھ آنی شروع ہوئی تو اب وہی جھنجھنا جو اس کی ساری کائنات تھی، اب وہ اسکی نظروں میں بے حقیقت ہوگیا اور اس سے نفرت ہوگئی، اس کو دیکھنے کو بھی دل نہیں چاہتا، اب اگر کوئی شخص بازار سے اس کے لئے ایک جھنجھنا خرید کر لائے اور اس سے کہے کہ میں تیرے لئے یہ جھنجھنا لایا ہوں، تو اب اس بچے کو نہ صرف یہ کہ خوشی نہیں ہوگی بلکہ اس لانے والے پر غصہ آئے گا کہ میں کیا دودھ پیتا بچہ ہوں جو تم میرے لئے جھنجھنا لے آئے۔ اور اب وہی بچہ اپنی پہلی زندگی پر ہنسے گا کہ میں کس بے حقیقت چیز سے دل لگائے ہوئے تھا۔

اب اس بچے کی طبیعت ایسے کھیلوں کی طرف راغب ہوگئی جس کے کوئی معنی ہوتے ہیں اور جس میں ہار جیت ہوتی ہے اور اس میں اس کا دل لگا ہوا ہے، دن رات کے سارے اوقات اسی میں صرف کر رہا ہے، کوئی شخص اس کو کھیل سے منع کرے تو اس پر اس کو غصہ آتا ہے کہ یہ کیوں منع کر رہا ہے۔

تیسرا مرحلہ: زیب وزینت کی فکر

اس کے بعد جب وہ بچہ اور بڑا ہوا اور جوانی کا دور آ گیا تو اب وہ کھیل جو بچپن میں مرغوب تھے، مثلاً گلی ڈنڈا، آنکھ مچولی، وغیرہ، وہ سب اب اس کی نظروں میں بے حقیقت ہوگئے، اب اگر کوئی بچہ اس کو آنکھ مچولی کھیلنے کے لئے

بلائے تو وہ اس کو اپنی توہین سمجھے گا اور یہ کہے گا کہ میں کیا تمہاری طرح چھوٹا بچہ ہوں جو تم مجھے آنکھ مچولی کھیلنے بلا رہے ہو، گویا کہ اب تک جن کھیلوں کے ساتھ دلچسپی تھی، وہ اب ختم ہوگئی، اب جوانی میں کھیل کود کے بجائے زیب و زینت سے دلچسپی ہوگئی، مثلاً یہ کہ کپڑے اعلیٰ درجے کے پہنوں، فیشن کے مطابق ہوں، میرا جسم، میرا لباس، میرے سر کے بال، میرے جوتے یہ سب زینت والے ہونے چاہئیں، تاکہ جب لوگ میری طرف دیکھیں تو دیکھ کر خوش ہوجائیں۔ اب جوانی کے دور میں زینت سے دلچسپی ہوگئی، لیکن جوانی سے پہلے اس سے کوئی دلچسپی نہیں تھی، بلکہ اس وقت تو یہ حالت تھی کہ اگر کپڑے میلے ہورہے ہیں تو ہوا کریں، ٹوپی ٹیڑھی ہورہی ہے تو ہوا کرے، بس اس کو تو اپنے کھیل سے مطلب ہے، لیکن اب یہ حال ہے کہ اگر کھیل بھی رہا ہے تو اس کا خیال بھی ساتھ لگا ہوا ہے کہ کپڑے خراب نہ ہو جائیں، کہیں ان کی استری خراب نہ ہو جائے، اور ہر وقت اپنے جسم اور اپنے لباس کو بنانے اور سنوارنے میں لگا ہوا ہے۔ یہ جوانی کا دور تھا۔

چوتھا مرحلہ: کیریئر بنانے کی فکر

اس کے بعد جب وہ اور بڑا ہوگیا اور اب جوانی ادھیڑ پن میں داخل ہونے لگی اور ۳۵ سال یا ۴۰ سال کی عمر ہوگئی تو اب زینت کا دور ختم ہوگیا۔ اب تک تو یہ خیال ہوتا تھا کہ کپڑوں پر شکن نہ آئے، اب اس طرف دھیان باقی نہیں رہا، کپڑوں پر شکنیں آجائیں اور ان کی کریز ٹوٹ جائے تو اس کی پرواہ

نہیں، لیکن اس دور میں سرمایہ فخر جمع کرنے کی فکر لگ گئی، مثلاً یہ کہ تعلیم حاصل کرے فلاں ڈگری بھی حاصل کرلوں اور فلاں سے آگے نکل جاؤں، فلاں عہدہ مل جائے، فلاں منصب حاصل ہو جائے اور لوگوں میں میری شہرت ہو جائے وغیرہ، وہ ان چیزوں کے تصور میں لگ کر زینت کا خیال دل سے نکل گیا۔ اس لئے کہ اب اپنے بچے بھی ہو گئے، کوئی بچہ سر پر چڑھ رہا ہے، کوئی گود میں بیٹھا ہے، کپڑے خراب ہو رہے ہیں، لیکن اس کی طرف کوئی دھیان نہیں ہے، اب سارا دھیان اس طرف ہے کہ میرا ایمپرئیر بن جائے۔

پانچواں مرحلہ: دولت جمع کرنے کی فکر

اور پھر جب جوانی کا دور گزرنے کے بعد بڑھاپے کا دور آیا تو اب زیادہ فکر اس بات کی ہے کہ مال کسی طرح زیادہ جمع ہو جائے اور میں مال اور اولاد کی تعداد میں دوسروں سے آگے نکل جاؤں۔ اس لئے کہ ایک زمانہ وہ تھا جب لوگ اولاد کی کثرت پر فخر کیا کرتے تھے اور اس فکر میں رہتے تھے کہ جتنی اولاد زیادہ ہو، اتنا ہی اچھا ہے، اور اب زمانہ بدل گیا ہے، اب کثرت اولاد پر اتنا فخر نہیں کیا جاتا، لیکن اب اس بات پر فخر کیا جاتا ہے کہ میرا فلاں بیٹا امریکہ میں تعلیم حاصل کر رہا ہے، فلاں بیٹا فلاں انگلش میڈیم اسکول میں تعلیم حاصل کر رہا ہے، فلاں بیٹا یہ ملازمت کر رہا ہے اور فلاں بیٹا اس عہدے پر فائز ہے۔

سابقہ مرحلہ سے بیزاری

آپ نے دیکھا کہ جب انسان ایک مرحلہ سے دوسرے مرحلہ میں داخل ہوتا ہے تو وہ پچھلے مرحلہ کو بے حقیقت سمجھتا ہے، وہی زیب و زینت جو جوانی مین بڑی محبوب تھی، لیکن بڑھاپے میں پہنچنے کے بعد نہ ٹوپی کا خیال ہے، نہ کپڑوں کا خیال ہے، بلکہ جب نوجوانوں کو سنگار پٹار میں وقت ضائع کرتے ہوئے دیکھتے ہیں تو کہتے ہیں کہ تم اس میں اپنا وقت ضائع کر رہے ہو اور یہ بھول جاتے ہیں کہ جوانی کے دور میں خود بھی ان کاموں میں وقت ضائع کر کے آئے ہیں، لیکن اب اس کو برا سمجھ رہے ہیں، اب ان کے دل میں اس کام کی کوئی اہمیت نہیں ہے۔ لہٰذا ہر نئے مرحلے میں پہنچنے کے بعد انسان پچھلے مرحلے سے بیزار ہو جاتا ہے اور اس پر ہنستا ہے اور اس کو حقیر اور بے حقیقت سمجھتا ہے۔

چھٹا مرحلہ: آنکھیں بند ہونے کے بعد

اس آیت کے ذریعہ اللہ تعالیٰ یہ سمجھا رہے ہیں کہ تم اس مرحلہ پر آ کر رُک گئے، حالانکہ آنکھیں بند ہونے اور قبر میں پہنچنے کے بعد آخرت کی زندگی کا مرحلہ شروع ہونے والا ہے، اس وقت دنیا کی یہ ساری چیزیں جن پر تم دنیا میں آپس میں لڑتے اور مرتے تھے، جن پر فریفتہ تھے، یہ سب چیزیں اسی طرح بے حقیقت نظر آئیں گی جس طرح چھوٹا بچہ جس کو ''جھنجھنا'' بڑا عزیز تھا، لیکن بعد

میں وہ بے حقیقت ہوگیا۔ ایسے ہی آخرت میں پہنچنے کے بعد دنیا کی یہ چیزیں بے حقیقت نظر آئیں گی، لیکن چونکہ ابھی آنکھوں پر پردے پڑے ہوئے ہیں، اس لئے جس مرحلہ سے وہ گزر رہا ہوتا ہے، اس مرحلہ کی دلچسپی کو اپنا سب کچھ سمجھے ہوئے ہوتا ہے، اور اس مرحلہ سے آگے اس کی نگاہ نہیں ہوتی، اس لئے وہ دنیاوی زندگی سے فریب اور دھوکہ کھا جاتا ہے۔

دنیا کی زندگی کی مثال

اللہ تعالیٰ اس آیت میں انسانی زندگی کے مراحل بیان فرما کر آگے اس دنیاوی زندگی کی مثال بیان فرماتے ہیں:

كَمَثَلِ غَيْثٍ اَعْجَبَ الْكُفَّارَ نَبَاتُهُ ثُمَّ يَهِيْجُ فَتَرٰىهُ مُصْفَرًّا ثُمَّ يَكُوْنُ حُطَامًا۔

یعنی اس دنیاوی زندگی کی مثال ایسی ہے جیسے اللہ تعالیٰ نے آسمان سے بارش برسائی اور اس بارش کے نتیجے میں خشک پڑی ہوئی زمین پر سبزہ اُگ آیا اور سبزی اور ترکاریاں پیدا ہوگئیں اور کھیت ہرے بھرے ہوگئے، وہ ہرے بھرے کھیت کسانوں کو بہت پسند آتے ہیں، لیکن کچھ وقت کے بعد وہی سبز کھیتی زرد پڑ جاتی ہے اور زرد پڑنے کے بعد وہ کھیتی آخر میں بھوسہ بن جاتی ہے اور بے حقیقت ہو جاتی ہے۔

یہی حال اس دنیاوی زندگی کا ہے، یہاں کی ہر چیز ابتداء میں بڑی خوبصورت اور بڑی خوشنما نظر آتی ہے، کھیل بھی اچھا لگ رہا ہے، زینت بھی

اچھی لگ رہی ہے، فخر بھی اچھا لگ رہا ہے، مال و دولت بھی اچھا لگ رہا ہے، لیکن آخرت میں جب تم اللہ تعالیٰ کے پاس پہنچو گے تو یہ سب بھوسہ نظر آئے گا۔

ماں کا پیٹ اس کیلئے کائنات ہے

مثنوی شریف میں حضرت مولانا رومی رحمۃ اللہ علیہ نے قرآن کریم کی انہی باتوں کو اور تفصیل سے بیان فرمایا ہے، چنانچہ وہ فرماتے ہیں کہ ایک بچہ جو ماں کے پیٹ میں ہوتا ہے، اس بچے میں چار ماہ کے بعد روح پڑ جاتی ہے اور وہ ایک زندہ وجود بن جاتا ہے، جس کا مطلب یہ ہے کہ اس کے پاس دل بھی ہے اور اس کے پاس دماغ بھی ہے اور اس کے اندر اپنی بساط کی حد تک سمجھ بوجھ بھی ہے۔ اس وقت اس بچے سے اس دنیا کی حقیقت کے بارے میں کوئی سوال کرے تو وہ بچہ یہ کہے گا کہ میری ساری کائنات یہی ماں کا پیٹ ہے، اس کی پوری دنیا اس ایک ڈیڑھ فٹ جگہ میں منحصر ہے، جہاں پر اس کی غذا خون ہے، وہی غذا اس کے لئے لذیذ اور مزیدار بنی ہوئی ہے۔

بچے کو ان باتوں پر یقین نہیں آئے گا

اگر کوئی شخص اس بچے سے کہے کہ جس جگہ کو تم اپنی ساری دنیا اور ساری کائنات سمجھ رہے ہو، یہ تو ایک گندی جگہ ہے اور نجس اور ناپاک جگہ ہے اور یہ اتنی چھوٹی جگہ ہے کہ حقیقی دنیا تمہاری اس دنیا سے لاکھوں اربوں اور کھربوں گنا

زیادہ بڑی ہے، اور کچھ عرصہ کے بعد تم اس حقیقی دنیا میں جانے والے ہو۔ یہ باتیں سن کر وہ بچہ کبھی ان باتوں پر یقین کرنے پر تیار نہیں ہوگا، اس لئے کہ اس نے یہ دنیا دیکھی نہیں ہے اور نہ اس کے تصور میں یہ دنیا آ سکتی ہے، کیونکہ اس نے تو صرف ماں کے پیٹ کی دنیا دیکھی ہے اور اسی کو وہ اپنا سب کچھ سمجھتا ہے۔

یہ خون میری غذا ہے

اسی طرح اگر اس بچے کو کوئی شخص یہ کہے کہ یہ خون جو تم پی رہے ہو، یہ بہت گندی چیز ہے اور ناپاک ہے، اور جب تم ماں کے پیٹ سے باہر نکلو گے تو تم خود بھی اس سے گھن کرو گے اور یہ خون تمہیں پسند نہیں آئے گا۔ تو وہ بچہ اس شخص کی یہ بات کبھی ماننے کے لئے تیار نہیں ہوگا، بلکہ وہ یہ کہے گا کہ اس خون سے تو میری زندگی وابستہ ہے، اگر میں یہ نہ پیوں تو میں مرجاؤں، اسی کے اندر مجھے لذت آتی ہے اور مجھے مزہ آتا ہے، یہی میری غذا ہے اور اسی سے میری زندگی ہے۔

بہرحال! یہ باتیں اس بچے کی سمجھ میں نہیں آئیں گی اور کبھی بھی تمہاری بات ماننے کے لئے تیار نہیں ہوگا۔

دنیا میں آنے کے بعد یقین آنا

میرے والد ماجد حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحب رحمۃ اللہ علیہ فرمایا

کرتے تھے کہ ماں کا پیٹ جو ایک گندی جگہ ہے، اس سے یہ جب حضرتِ انسان باہر تشریف لاتے ہیں تو ترک وطن کے صدمے میں روتے ہوئے آتے ہیں، اس لئے کہ اسی ماں کے پیٹ سے دل لگایا ہوا تھا اور اسی کو اپنا سب کچھ سمجھا ہوا تھا، اب جب دنیا میں آ گئے تو حیران ہو رہے ہیں کہ معلوم نہیں میں کہاں پہنچ گیا، بعد میں جب آنکھیں کھُلیں تو پتہ چلا کہ ماں کے پیٹ کے بارے میں کہنے والا مجھ سے جو کچھ کہہ رہا تھا، وہ صحیح کہہ رہا تھا اور واقعۃً وہ جگہ رہنے کے قابل نہیں تھی، اور حقیقت میں تو دنیا یہ ہے جس کے اندر میں اب آیا ہوں، یہ دنیا تو بڑی شاندار، بڑی مزیدار اور بڑی پرلطف ہے، یہ تو بڑی خوشنما اور بڑی خوبصورت ہے۔

رفتہ رفتہ ہر چیز کی حقیقت کھل جائے گی

اب پیدا ہونے کے بعد جس کمرے میں وہ مقیم تھا، اسی کمرے کو سب کچھ سمجھ رہا تھا۔ اگر اس بچے سے کوئی یہ کہے کہ اس کمرے کی تو کوئی حقیقت نہیں ہے، اس کمرے کے باہر بہت بڑا مکان ہے، اور اس مکان کے باہر بہت بڑا شہر ہے، اور اس شہر کے پیچھے بہت بڑا ملک ہے، اور ملک کے پیچھے بہت بڑی دنیا ہے، اور یہ دنیا چوبیس ہزار آٹھ سو مربع میل میں پھیلی ہوئی ہے۔ چونکہ اس بچے نے اب تک دنیا کا صرف ایک کمرہ دیکھا تھا، اس لئے چوبیس ہزار آٹھ سو مربع میل میں پھیلی ہوئی یہ دنیا اس کے تصور میں نہیں آ سکتی، لیکن جب وہ اس کمرے سے باہر نکلے گا تو اس وقت اس کو نظر آئے گا کہ اس کمرے جیسے

بہت سے کمرے اور بھی ہیں، اور جب وہ اس گھر سے نکلے گا تو اس کو شہر نظر آئے گا، اور جب شہر سے نکلے گا تو اس کو ملک نظر آئے گا اور ملک سے نکلے گا تو اس کو دنیا نظر آئے گی۔

یاد رکھئے! انسان کی عقل اپنے مشاہدے کی حدود کے اندر محدود ہو کر سوچتی ہے، اور صرف مشاہدہ کے اندر آنے والی چیزوں کو ہی اپنا سب کچھ سمجھ رکھا ہے، مشاہدے سے باہر کی چیزیں اس عقل کے اندر نہیں آتیں۔

ایک بڑھیا کا واقعہ

میں ایک مرتبہ ہندوستان گیا، وہاں پر اپنے ایک عزیز سے ملنے کے لئے ایک دور دراز علاقے کے ایک گاؤں میں جانے کا اتفاق ہوا، وہ گاؤں بہت چھوٹا تھا اور شہر سے بہت دور واقع تھا۔ اس گاؤں میں ایک بوڑھی خاتون تھیں، ان خاتون کو جب پتہ چلا کہ کراچی سے کوئی آدمی آیا ہے تو وہ خاتون مجھ سے ملنے کے لئے آ گئیں اور مجھ سے پوچھا کہ تم کراچی سے آئے ہو؟ میں نے کہا: جی ہاں کراچی سے آیا ہوں، اس نے کہا کہ تم میرے بیٹے حسن کو جانتے ہو؟ میں نے کہا کہ میں تو نہیں جانتا، وہ کہنے لگیں کہ تم کراچی میں رہتے ہو اور حسن کو نہیں جانتے؟ وہ بڑھیا بے چاری یہ سمجھ رہی تھی کہ جس طرح اس گاؤں میں ہر آدمی دوسرے آدمی کو جانتا ہے، اسی طرح کراچی میں رہنے والا بھی ہر آدمی دوسرے آدمی کو جانتا ہوگا۔ میں نے اس بڑھیا کو بتایا کہ کراچی بہت بڑا شہر ہے اور اس شہر میں بہت سارے لوگ رہتے ہیں، وہاں ایک آدمی دوسرے

آدمی کو نہیں جانتا۔ لیکن آخر وقت تک بڑھیا کو یہ بات سمجھ میں نہیں آئی کہ ایک شہر میں رہتے ہوئے دو آدمی ایک دوسرے کو کیوں نہیں جانتے؟ میں نے سمجھایا کہ آپ کے اس گاؤں سے میرٹھ تک جتنا فاصلہ ہے، کراچی اتنا بڑا ایک شہر ہے، اور اس میں تیس پینتیس لاکھ آدمی رہتے ہیں (اس وقت اتنی ہی آبادی تھی) لیکن یہ بات اس بڑھیا کی سمجھ میں نہیں آئی، کیونکہ اس نے ساری عمر اس چھوٹے سے گاؤں میں گزاری تھی، اس گاؤں سے باہر کی کسی چیز کو قبول کرنے اور سمجھنے کو وہ تیار نہیں تھی۔

اس بڑھیا کا قصور نہیں

مجھے خیال آیا کہ اس بے چاری کا کوئی قصور نہیں، یہی کام ہم بھی کرتے ہیں، ہم نے ذرا سا ملک دیکھ لیا، ذرا سی دنیا دیکھ لی، اور اب اسی دنیا کو ہم سب کچھ سمجھے ہوئے ہیں، جب کہ اللہ تعالیٰ کے پیغمبر ہمیں یہ بتاتے ہیں کہ تم نے اس دنیا میں جو دل لگا رکھا ہے، اور اسی دنیا کی حدود میں جو چکر لگا رہے ہو، اس کے آگے بھی اور کائنات ہے، جس کے بارے میں قرآن کریم کا ارشاد ہے:

وَجَنَّةٍ عَرْضُهَا السَّمٰوٰتُ وَالْاَرْضُ۔

(سورۃ ال عمران، آیت ۱۳۳)

یعنی ایسی جنت ملنے والی ہے جس کی چوڑائی تمام زمین و آسمان کے برابر ہے۔ حدیث شریف میں آتا ہے کہ جو شخص سب سے آخر میں جنت میں داخل ہوگا، اس سے اللہ تعالیٰ فرمائیں گے کہ جاؤ میں نے تمہیں پوری کرۂ زمین سے دس گنا

زیادہ جنّت دیدی۔ وہ شخص کہے گا کہ اے پروردگار! آپ ربّ العالمین ہیں اور مجھ سے مذاق فرمارہے ہیں؟ چونکہ وہ بے چارہ ابھی دنیا ہی کی حدود کے اندر محدود تھا، اس کے تصور میں یہ بات نہیں آسکتی تھی کہ ایک ادنیٰ جنتی کو اس دنیا سے دس گنا زیادہ جنّت مل سکتی ہے۔ بہرحال! اللہ تعالیٰ فرمائیں گے میں مذاق نہیں کررہا ہوں، واقعۃً تمہیں دس گنا زیادہ جنّت دیدی ہے اور تمام اہل جنّت کے مقابلے میں سب سے کم جگہ تمہیں دی جارہی ہے۔

ہمارے دماغ محدود کردیے گئے

آج کی موڈرن تعلیم نے ہمارے دماغ اتنے محدود کردئے ہیں کہ جب یہ باتیں ہمارے سامنے کہی جاتی ہیں تو ہم جواب میں یہ کہتے ہیں کہ یہ سمجھ میں آنے والی بات نہیں۔ ارے یہ باتیں اسی طرح سمجھ میں نہیں آرہی ہیں جس طرح اگر ماں کے پیٹ میں بچے سے یہ کہا جاتا کہ نو ماہ بعد جس کمرے میں تم جانے والے ہو، وہ تمہاری اس دنیا سے ستر گنا زیادہ بڑا ہوگا، جس طرح وہ بات اس بچے کی عقل میں نہیں آسکتی، اسی طرح یہ بات آج ہماری عقل میں نہیں آرہی ہے۔ لیکن یہ حقیقت ہے اور دیکھنے والوں نے دیکھی ہے، دیکھنے والے محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہیں، جنہوں نے اپنی آنکھوں سے دیکھ کر اس کی اطلاع ہمیں دی ہے۔

دنیاوی زندگی دھوکہ ہے

بہرحال! قرآن کریم اس طرف توجہ دلا رہا ہے کہ جن چیزوں سے تم

دل لگائے بیٹھے ہو، ان کو تم خود اپنی آنکھوں سے دیکھ رہے ہو کہ جو چیزیں ایک مرحلہ میں محبوب تھیں، وہی چیزیں اگلے مرحلہ میں تمہیں قابل نفرت معلوم ہوتی ہیں۔ چنانچہ قرآن کریم نے فرمایا:

وَمَا الْحَيٰوةُ الدُّنْيَا اِلَّا مَتَاعُ الْغُرُوْرِ۔

(سورۃ الحدید، آیت ۲۰)

یعنی دنیا کی زندگی دھوکہ کا سامان ہے، ہر وقت دھوکہ کھا رہے ہو، بچپن میں دھوکہ کھایا، جوانی میں دھوکہ کھایا، بڑھاپے میں دھوکہ کھایا، اور اب بھی پیغمبروں کی بات نہیں مانو گے تو دھوکہ کھاؤ گے، اس لئے اس دنیا میں دل نہ لگانا۔

حضرت مفتی صاحبؒ کے بچپن کا واقعہ

میرے والد ماجد حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحب رحمۃ اللہ علیہ اپنے بچپن کا ایک قصہ سنایا کرتے تھے کہ جب میں چھوٹا تھا تو اپنے چچا زاد بھائی کے ساتھ کھیلا کرتا تھا۔ اس زمانے میں ایسے کھیل ہوتے تھے جس میں خرچ کچھ نہیں ہوتا تھا لیکن ورزش پوری ہوتی تھی۔ چنانچہ درختوں سے ''سرکنڈے'' توڑ لیتے اور پھر ان کو کسی اونچی جگہ سے نیچے کی طرف لڑھکاتے، بچوں میں اس بات میں مقابلہ ہوتا کہ کس کا سرکنڈا سب سے آگے نکلتا ہے، جس کا سرکنڈا آگے نکل جاتا وہ جیت جاتا اور وہ بچہ دوسرے بچوں کے سرکنڈوں پر قبضہ کر لیتا۔ اور ''سرکنڈے'' کو پھینکنے کا ایک خاص طریقہ ہوتا تھا، اگر اس طریقے سے پھینکا جاتا تو وہ سرکنڈا سب سے آگے نکل جاتا تھا۔ میرا چچا زاد بھائی بڑا ہوشیار تھا،

وہ جانتا تھا کہ کس طرح سے سرکنڈا پھینکا جائے تو وہ آگے نکل جائے گا، چنانچہ وہ بھی اوپر سے اپنا سرکنڈا پھینکتا اور میں بھی پھینکتا، لیکن ہر مرتبہ اس کا سرکنڈا آگے نکل جاتا اور پھر وہ میرے سرکنڈے پر قبضہ کرلیتا، یہاں تک کہ میں نے جتنے سرکنڈے جمع کئے تھے، وہ سب اس نے جیت لئے۔ آج بھی مجھے اس روز کی دل کی کیفیت یاد ہے کہ مجھے ایسا محسوس ہوا کہ وہ سرکنڈے کیا گئے کہ میری کائنات ویران ہوگئی، میری دنیا اندھیری ہوگئی، میرا سب کچھ لٹ گیا، اس دن کے صدمہ کی کیفیت آج بھی مجھے یاد ہے۔

وہاں پتہ چل جائے گا

لیکن آج جب اس واقعہ کو یاد کرتا ہوں تو یہ خیال آتا ہے کہ کس بیوقوفی اور حماقت میں مبتلا تھا، کس چیز کو کائنات سمجھا ہوا تھا۔ یہ واقعہ سنانے کے بعد فرماتے کہ کل قیامت کے دن جب اللہ تبارک وتعالیٰ کے حضور حاضری ہوگی اور جنت اور جہنم کے مناظر سامنے آئیں گے، اس وقت پتہ چلے گا کہ یہ زمین، یہ جائیدادیں، یہ ملیں، یہ کارخانے، یہ کاریں، یہ بنگلے وغیرہ جس پر لڑائیاں ہورہی تھیں، جس پر جھگڑے ہورہے تھے، جس پر مقدمہ بازیاں ہورہی تھیں، یہ سب ان سرکنڈوں سے زیادہ بے حقیقت ہیں۔

دنیا کی حقیقت پیش نظر رکھو

اس وقت آنکھوں پر ان دنیاوی لذتوں کا اور خوشنمائیوں کا اور

خوبصورتیوں کا پردہ پڑا ہوا ہے، اور اس کے نتیجے میں انہی چیزوں کو سب کچھ سمجھے بیٹھے ہوئے ہیں۔ قرآن کریم ہم سے یہ مطالبہ کر رہا ہے کہ اس دنیا میں رہو اور اس دنیا کو برتو، لیکن اس دنیا کی حقیقت کو نہ بھولو، یہ دنیا بہت بے حقیقت چیز ہے۔ البتہ یہ دنیا ضرورت کی چیز ہے، ضرورت کے وقت اس کو ضرور استعمال کرو، لیکن اس کو دل میں جگہ مت دو، اس کے ساتھ دل نہ لگاؤ، اس کو اپنے دل و دماغ پر سوار مت کرو، اس کو اپنے اوپر حاوی اور غالب نہ ہونے دو، جس دن یہ دنیا تمہارے اوپر غالب آ گئی، اس دن یہ دنیا تمہیں ہلاک اور تباہ کر دے گی۔

یہ ہے اس دنیا کی حقیقت، اسی حقیقت کو بیان کرنے کے لئے بار بار انبیاء علیہم السلام بھیجے گئے، اور انبیاء علیہم السلام کا سلسلہ ختم ہونے کے بعد وارثان نبی اسی کام کے لئے بھیجے جاتے ہیں کہ وہ آ کر لوگوں کو یہ بتائیں کہ جس چیز پر تم مر رہے ہو، وہ بہت بے حقیقت چیز ہے، اس کو ضرورت کے تحت ضرور اختیار کرو، لیکن دن رات اس کے اندر انہماک پیدا نہ کرو۔

یہ دنیا قید خانہ ہے

حضرت ابو ہریرۃ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

اَلدُّنْیَا سِجْنُ الْمُؤْمِنِ وَجَنَّۃُ الْکَافِرِ۔

یعنی یہ دنیا مؤمن کا قید خانہ ہے اور کافر کی جنّت ہے۔ جنّت ہونے کا مطلب یہ

ہے کہ اس کی منزل مقصود ہی یہ دنیا ہے، اس دنیا سے آگے زندگی کا کوئی اور مقصد نہیں ہے۔ اور قید خانے کا مطلب یہ نہیں ہے کہ مؤمن کو اس دنیا میں تکلیف ضرور ہوگی، بلکہ قید خانے کا مطلب یہ ہے کہ یہ دنیا مؤمن کے لئے ایک عارضی رہائش گاہ ہے، جیسے قید خانہ عارضی ہوتا ہے، اسی لئے مؤمن اس دنیا سے دل نہیں لگاتا، اور صبح سے لے کر شام تک کی ساری محنت اسی پر خرچ نہیں کرتا۔ مؤمن کے لئے یہ دنیا قید خانہ تو ہے، لیکن قید خانے میں تکلیف ہونا تو کوئی ضروری نہیں، ایسے بھی قید خانے ہوتے ہیں جس میں آدمی آرام سے کھا پی رہا ہے اور مزے اڑا رہا ہے، جیسے آج کل جیل کے اندر A کلاس ہوتی ہے، جس میں وی آئی پی لوگ رکھے جاتے ہیں، اور ان کو وہاں وی آئی پی سہولتیں دی جاتی ہیں۔ مثلاً اعلیٰ درجے کے بستر ہوتے ہیں، اعلیٰ درجے کے کھانے مہیّا ہوتے ہیں، باورچی موجود ہیں، جیسا کھانا چاہیں، ان سے پکوالیں۔ کمرہ میں ائیر کنڈیشنڈ لگا ہوا ہے، اخبار اور رسالے وقت پر پہنچائے جاتے ہیں، تمام سہولتیں موجود ہیں، ہر قسم کی راحت اور آرام کا سامان موجود ہے، لیکن اس کے باوجود وہ ''قید خانہ'' ہے۔ کوئی اگر اس آرام دہ قید خانے میں رہنے والے سے کہے کہ ''آپ کو تو یہاں بڑا آرام مل رہا ہے، براہ کرم آپ ساری عمر یہاں تشریف فرمارہیں'' تو وہ شخص کبھی بھی وہاں رہنے کے لئے تیار نہیں ہوگا، کیونکہ آرام و راحت سب کچھ صحیح، لیکن یہ قید خانہ ہی ہے، اور یہ ہمیشہ رہنے کی جگہ نہیں ہے، بلکہ عارضی طور پر رہنے کی جگہ ہے، چنانچہ وہ وہاں سے نکلنے کی فکر کرے گا۔

مؤمن کی خواہش جنّت میں پہنچنا ہے

بہر حال! حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ یہ دنیا مؤمن کے لئے قید خانہ ہے۔ یعنی اگر اس کے پاس دنیا میں مال و دولت ہو، نوکر چاکر ہوں، کوٹھی بنگلے ہوں، کاریں ہوں، دکان اور کارخانے بھی کچھ ہو، لیکن مؤمن کو یہ حقیقت کبھی فراموش نہیں ہوتی کہ اس کو یہ چیز چھوڑ کر جانا ہے اور یہ دنیا ہمیشہ رہنے کی جگہ نہیں ہے۔ اس لحاظ سے یہ دنیا قید خانہ ہے، اس لئے ایک مؤمن کی یہ خواہش ہوتی ہے کہ میں جلد از جلد اپنے وطن اصلی یعنی جنّت میں پہنچ جاؤں جو اللہ تعالیٰ نے میرے لئے تیار کر رکھی ہے۔

اللہ تعالیٰ سے ملاقات کا شوق

اس لئے ایک حدیث شریف میں حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

مَنْ اَحَبَّ لِقَاءَ اللّٰهِ اَحَبَّ اللّٰهُ لِقَائَهٗ

یعنی جو شخص اللہ تعالیٰ سے ملاقات کو پسند کرتا ہے اور اس کا دل چاہتا ہے کہ میں جلد اللہ تعالیٰ کے پاس پہنچ جاؤں، تو اللہ تعالیٰ بھی اس سے ملاقات کو پسند فرماتے ہیں۔ جب حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ حدیث سنائی تو حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے آپ ﷺ سے پوچھا کہ یا رسول اللہ ﷺ! آپ ﷺ نے فرمایا کہ جو شخص اللہ تعالیٰ سے ملنے کو پسند کرتا ہے تو اللہ تعالیٰ

اس سے ملنے کو پسند فرماتے ہیں۔ لیکن اللہ تعالیٰ سے ملنا مرے بغیر ممکن نہیں، اور موت ایسی چیز ہے کہ کون آدمی ہے جو اس کو پسند کرتا ہو، بلکہ ہم میں سے ہر شخص موت کو ناپسند کرتا ہے، لہٰذا اس کا مطلب تو یہ ہوا کہ کوئی بھی شخص اس معیار پر پورا نہیں اتر سکتا کہ وہ اللہ تعالیٰ سے ملاقات کو پسند کرے۔

حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے جواب دیتے ہوئے فرمایا: اے عائشہ! (رضی اللہ تعالیٰ عنہا) اس کا یہ مطلب نہیں ہے جو تم سمجھ رہی ہو، بلکہ اس کا مطلب یہ ہے کہ جب ایک مؤمن اللہ تعالیٰ کی رضامندی اور خوشنودی کا اور جنّت کا تصور کرتا ہے تو اس کے دل میں یہ خواہش پیدا ہوتی ہے کہ کاش میں جلدی سے اس مقام تک پہنچ جاؤں، ملاقات کو پسند کرنے کا یہ مطلب ہے، جبکہ کافر کے دل میں یہ خواہش نہیں ہوتی، یا تو کافر کو اس بات کا یقین ہی نہیں ہوتا کہ مرنے کے بعد بھی کوئی زندگی آنے والی ہے، اور اگر اس کو آخرت کا یقین ہوتا ہے تو اس کو یہ دھڑکہ اور خطرہ لگا ہوتا ہے کہ کہیں مجھے وہاں پر جہنم میں نہ ڈالا جائے، اسی وجہ سے کافر کی یہ خواہش ہوتی ہے کہ جو مزے اڑانے ہیں، یہیں پر اڑالو، بقول کسی کے:

بابر بعیش کوش کہ عالم دوبارہ نیست

لیکن جو اللہ تعالیٰ کے بندے ہوتے ہیں، جن کو دنیا اور آخرت کی حقیقت حال معلوم ہوتی ہے، ان کا ذہن وطن اصلی کی طرف مائل رہتا ہے اور وطن اصلی میں جانے کا شوق ان کے دل میں رہتا ہے۔

الحمدللہ وقت قریب آرہا ہے

حضرت مولانا مظفر حسین صاحب کاندھلوی رحمۃ اللہ علیہ، جو بہت بڑے بزرگ گزرے ہیں اور ان کے حالات اور واقعات بڑے عجیب وغریب ہیں، کسی شخص نے ان کی داڑھی کے سفید بال دیکھ کر ان سے کہا کہ آپ تو بوڑھے ہوگئے ہیں۔ انہوں نے داڑھی پر ہاتھ پھیرتے ہوئے فرمایا کہ ہاں! بال سفید ہوگئے ہیں، الحمدللہ وقت قریب آرہا ہے، منزل قریب آرہی ہے۔ ایسا معلوم ہوتا تھا کہ وطن اصلی کی طرف جانے کے اشتیاق اور انتظار میں ہیں، اس لئے کہ مؤمن یہ چاہتا ہے کہ میں اللہ تعالیٰ کے حضور پہنچ جاؤں اور وہاں پر میری حاضری ہوجائے۔ بہرحال! اس دنیا میں رہو، دنیا کو برتو، دنیا کے حقوق ادا کرو، لیکن اس دنیا کو اپنے اوپر طاری نہ ہونے دو۔

ترک دنیا مقصود نہیں

لیکن اس کا یہ مقصد نہیں ہے کہ آدمی دنیا چھوڑ کر جنگل میں جا بیٹھے، یا دنیا میں کمانے کا دھندا چھوڑ بیٹھے، یا بیوی بچوں کو چھوڑ بیٹھے، یا دنیا کے تعلّقات کو خیرآباد کہدے۔ یاد رکھئے! ان میں سے کوئی چیز مطلوب نہیں، اگر یہ چیزیں مطلوب اور مقصود ہوتیں تو حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم اس طرح زندگی نہ گزارتے، آپ ﷺ نے دنیا میں رہتے ہوئے سبھی کچھ کیا، آپ ﷺ نے تجارت بھی کی، زراعت بھی کی، مزدوری بھی کی، آپ ﷺ کے بیوی بچے بھی

تھے، آپ کے تعلقات بھی تھے، آپ کے دوست احباب بھی تھے، لہٰذا یہ چیزیں مطلوب نہیں۔

دنیا دل و دماغ پر سوار نہ ہو

بلکہ مطلوب یہ ہے کہ دنیا کے اندر انہماک نہ ہو، انہماک کا مطلب یہ ہے کہ صبح سے لے کر شام تک ایک ہی فکر، ایک ہی سوچ دل پر مسلّط ہے کہ یہ دنیا کس طرح سے زیادہ سے زیادہ حاصل کروں؟ آخرت کا کوئی خیال ہی نہیں آتا، یہ بات نہیں ہونی چاہئے۔لہٰذا ہر شخص اپنے دل کو ٹٹول کر دیکھے کہ کیا چوبیس گھنٹے کی سوچ بچار میں کبھی یہ خیال بھی آتا ہے کہ جب ہم وہاں آخرت میں پہنچیں گے تو وہاں کیا ہوگا؟ جنّت ہوگی، جہنّم ہوگی، اللہ تعالیٰ کے سامنے جواب دہی ہوگی۔کیا ان باتوں کا خیال آتا ہے یا نہیں؟ اگر خیال آتا ہے تو یہ دیکھو کہ دوسرے خیالات کے مقابلے میں ان خیالات کا کیا تناسب ہے؟ مثلاً چوبیس گھنٹوں میں سے چھ گھنٹے تو سونے کے نکال دو، باقی اٹھارہ گھنٹوں میں سے کتنا وقت ایسا گزرتا ہے جس میں آخرت کا اور اللہ تعالیٰ کے سامنے جواب دہی کا تصور آتا ہے۔اگر آخرت کا خیال اور اللہ تعالیٰ کے سامنے جواب دہی کا خیال نہیں آتا تو اس کا مطلب یہ ہے کہ دنیا کے اندر انہماک ہے، یہ انہماک درست نہیں، اس انہماک سے بچو۔

دنیا ضروری ہے، لیکن بیت الخلاء کی طرح

یاد رکھئے! یہ دنیا ضروری تو ہے، اس دنیا کے بغیر گزارہ بھی نہیں ہے،

اس لئے کہ اگر پیسہ پاس نہ ہوتو کیسے زندگی گزارے گا، کھانا نہ ہوتو کیسے زندہ رہے گا، اگر کمانے کے اسباب اختیار نہیں کرے گا تو کیسے زندہ رہے گا، لہٰذا دنیا کی ضرورت تو ہے، لیکن دنیا کی ضرورت ایسی ہے جیسے مکان کے اندر بیت الخلاء کی ضرورت ہوتی ہے، اگر کسی مکان میں بیت الخلاء نہ ہوتو وہ مکان ناقص ہے، لیکن آدمی مکان میں بیت الخلاء اس لئے بناتا ہے تاکہ اس سے ضرورت پوری کرے، البتہ اس کا مطلب یہ نہیں ہے کہ بیت الخلاء بنانے کے بعد صبح سے شام تک ہر وقت اس بیت الخلاء کے بارے میں سوچتا رہے کہ اس کے اندر کیا کیا آرام کی چیزیں لگاؤں، کس طرح اس کو آراستہ کروں۔ لہٰذا بیت الخلاء اتنا ضروری نہیں ہے کہ آدمی اسی کی سوچ میں منہمک ہوجائے۔ اسی طرح یہ دنیا بھی ضروری ہے، لیکن یہ انہماک کہ صبح سے لے کر شام تک اسی دنیا کی فکر، اسی کی سوچ، اسی کا خیال دل پر سوار رہے، یہ بات غلط ہے۔

دوسری بات یہ ہے کہ اللہ اور اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمیں اسی دنیا کو دین بنانے کے نسخے بتادئے، تاکہ اسی دنیا کو ہم آخرت کے لئے زینہ بنالیں، اور اسی دنیا کو جنت کے اعلیٰ درجات تک پہنچنے کے لئے سیڑھی بنالیں۔

حضرت فاروق اعظم رضی اللہ عنہ کی دعا

حضرت فاروق اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اپنے دورحکومت میں قیصر و کسریٰ کے ممالک فتح کئے جو اس زمانے کے سپر پاور تصور کئے جاتے تھے۔

آپؓ نے بیک وقت دونوں سے لڑائی کی اور دونوں کو فتح کیا، اور دونوں کے خزانے لاکر مسجد نبوی صلی اللہ علیہ وسلم میں لاکر ڈھیر کئے گئے، ایک مرتبہ جو سونا چاندی آیا اور اس کو جب مسجد نبوی ﷺ میں رکھا گیا تو وہ اتنا زیادہ تھا کہ حضرت فاروق اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ اس کے ڈھیر کے پیچھے چھپ گئے۔ روایات میں آتا ہے کہ اس سونا چاندی کو دیکھ کر آپؓ نے اللہ تعالیٰ سے دعا کی کہ اے اللہ! اس دنیا کی کچھ نہ کچھ محبّت تو آپ نے ہماری سرشت میں داخل فرمائی ہے، وہ محبّت تو باقی رہے گی، اس محبّت کے زائل ہونے کی ہم آپ سے دعا نہیں کرتے۔ لیکن ہم آپ سے یہ دعا کرتے ہیں کہ اے اللہ! یہ دنیا جو آپ ہمیں عطا فرما رہے ہیں، اس کو ہماری آخرت درست کرنے کا ذریعہ بنا دیجئے، ہم یہ نہیں کہتے کہ اس کی محبّت بالکل ختم کر دیجئے اور نہ ہم یہ کہتے ہیں کہ ہمیں اس دنیا کی ضرورت نہیں ہے، لیکن ہم یہ کہتے ہیں کہ اس دنیا کو آخرت کا زینہ بنا دیجئے۔

اس دنیا کو آخرت کا زینہ بناؤ

اس دعا کے اندر آپؓ نے دنیا کی ساری حقیقت کھول دی، وہ یہ کہ اگر یہ دنیا بذات خود آجائے تو یہ اللہ تبارک وتعالیٰ کی عطا ہے، اس کی نوازش اور اس کا کرم ہے، لیکن اس دنیا کو اس طرح استعمال کرو کہ وہ دنیا تمہاری آخرت بنانے کا ذریعہ بن جائے، یہ نہ ہو کہ اس دنیا کے حاصل کرنے کی خاطر اللہ کے حکم کو بھی چھوڑ دیا، اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے فرمان کو بھی چھوڑ دیا۔

حرام طریقے سے دنیا حاصل نہیں کرونگا

اب دیکھنا یہ ہے کہ یہ دنیا کس طرح دین بن سکتی ہے اور کس طرح آخرت مانے کا ذریعہ بن سکتی ہے؟ اس مقصد کے لئے ان دو باتوں کو پلّے باندھ لیں، ایک یہ کہ اس بات کا عہد کرلیں کہ اس دنیا کی کوئی بھی چیز، چاہے وہ روپیہ ہو یا پیسہ ہو، اسباب ہو یا سامان ہو، وہ ناجائز طریقے سے حاصل نہیں کرنی ہے، حرام طریقے سے حاصل نہیں کرنی ہے، نہ سود کے ذریعہ، نہ رشوت کے ذریعہ، نہ جوے کے ذریعہ، نہ جھوٹ بول کر، نہ فریب دے کر، نہ دھوکہ دے کر، نہ کسی کی دل آزاری کر کے، نہ کسی کا دل دکھا کر، اس بات کا عہد کرلیں کہ زندگی بھر ایک پیسہ بھی اس طریقے سے حاصل نہیں کروں گا، بلکہ جو کچھ کماؤں گا، حلال طریقے سے کماؤں گا۔

حرام کاموں میں استعمال نہیں کرونگا

• دوسرے اس بات کا عہد کرلیں کہ جو چیز حلال طریقے سے آئے گی، اس کو حلال طریقے سے استعمال کروں گا، حرام طریقے سے استعمال نہیں کروں گا، ناجائز طریقے سے استعمال نہیں کروں گا، اور اس چیز پر اللہ جل شانہٗ کا شکر ادا کروں گا، جو نعمت ملے گی اس پر یہ کہوں گا کہ یا اللہ! میں اس قابل نہیں تھا کہ مجھے یہ چیز دی جائے، یہ آپ کی عطا ہے، آپ کا کرم ہے، اس پر آپ کا شکر ادا کرتا ہوں۔

اَللّٰھُمَّ لَکَ الْحَمْدُ وَ لَکَ الشُّکْرُ

بہر حال! دنیا کی محبّت کو دل سے نکالنے اور دنیا کی محبّت کے مذموم نتائج سے بچنے کا طریقہ یہ ہے کہ اس دنیا کو حلال طریقے سے حاصل کرو اور حلال طریقے سے خرچ کرو، اور جو حلال طریقے سے حاصل ہو، اس پر اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کرو۔

قارون کا کیا حال ہوا؟

قارون کا نام آپ نے سنا ہوگا، حضرت موسیٰ علیہ السلام کے زمانے میں یہ بہت بڑا دولت مند، بہت بڑا سرمایہ دار تھا، اتنا بڑا دولت مند تھا کہ اس کے خزانے کی چابیاں طاقت ور لوگوں کی ایک جماعت اٹھایا کرتی تھی۔ اس زمانے میں چابیاں بھی بڑی وزنی بنائی جاتی تھیں۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اس سے فرمایا کہ یہ دولت تو اللہ تعالیٰ کی دی ہوئی نعمت ہے، اس لئے اس پر نہ اتراؤ، کیونکہ اللہ تعالیٰ اترانے والے کو پسند نہیں فرماتے ہیں، اور اس نعمت پر اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کرو اور اس نعمت کو اللہ تعالیٰ کی معصیت میں صرف مت کرو۔

ان نصیحتوں کے جواب میں اس نے کہا کہ یہ جو کچھ مجھے ملا ہے، یہ میرے علم کی بدولت مجھے ملا ہے، اور میں نے اپنی قوت بازو سے اس کو حاصل کیا ہے، لہٰذا اس پر شکر کیوں ادا کروں؟ چنانچہ قارون اپنی دولت پر اترانے لگا اور اس نے تکبر شروع کر دیا اور اس مال کو اپنی قوت بازو کا نتیجہ قرار دیا۔ اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ اللہ تعالیٰ نے اسی مال کو اس کے لئے عذاب بنا دیا، زلزلہ آیا اور

اس کے سارے خزانے زمین میں دھنس گئے، یہ تو قارون کی دولت تھی جو اسے لے ڈوبی۔

حضرت سلیمان علیہ السلام کو بھی دنیا ملی

دوسری طرف حضرت سلیمان علیہ السلام کو دیکھئے۔ اللہ تعالیٰ نے ان کو حکومت اور سلطنت دی، مال و دولت دی، ایسی دولت اور ایسی حکومت ان کو دی کہ ان کے بعد ایسی دولت اور ایسی حکومت کسی اور کو نہیں دی گئی، چنانچہ انہوں نے خود یہ دعا کی تھی کہ:

هَبْ لِیْ مُلْكًا لَّا یَنْبَغِیْ لِاَحَدٍ مِّنْۢ بَعْدِیْ

(سورۂ ص، آیت ۳۵)

یعنی اے اللہ! مجھے ایسی سلطنت عطا فرمایئے کہ میرے بعد ایسی سلطنت کسی کو نہ ملے۔ ایسی سلطنت مانگنے کا منشا یہ تھا کہ تاکہ لوگوں کو دکھایا جائے کہ اتنی بڑی دولت اور اتنی بڑی سلطنت ہونے کے بعد اس دولت اور اس دنیا کو کس طرح دین بنایا جاسکتا ہے۔ چنانچہ جب ایسی سلطنت حضرت سلیمان علیہ السلام کو حاصل ہوگئی کہ ان کی حکومت تمام انسانوں پر، تمام جنات پر، جانوروں پر، پرندوں پر، درندوں پر قائم ہے اور ان سب جانوروں کی بولیاں بھی جانتے ہیں، ایسی سلطنت حاصل ہونے کے باوجود سینہ تنا ہوا نہیں ہے، گردن اکڑی ہوئی نہیں ہے، بلکہ اللہ تعالیٰ کے حضور سر جھکا ہوا ہے اور زبان پر یہ الفاظ ہیں کہ:

رَبِّ اَوْزِعْنِیٓ اَنْ اَشْكُرَ نِعْمَتَكَ الَّتِیٓ اَنْعَمْتَ عَلَیَّ۔ (سورۃ النمل، آیت ۱۹)

اے اللہ! مجھے اس کی توفیق عطاء فرمایئے کہ جو نعمت آپ نے مجھے عطا فرمائی ہے، میں اس کا شکر قول و فعل سے ادا کرتا رہوں۔

دونوں میں فرق

دونوں میں فرق دیکھئے کہ یہ دنیا قارون کے پاس بھی تھی، اور یہ دنیا حضرت سلیمان علیہ السلام کے پاس بھی تھی، لیکن قارون کی دنیا اس کو زمین کے اندر دھنسانے کا سبب بن گئی اور آخرت میں جہنم میں جانے کا مستحق بنا دیا۔ اور حضرت سلیمان علیہ السلام کی دنیا نے ان کو دنیا میں بھی پیغمبری کا مرتبہ عطا کیا اور بادشاہت کا مرتبہ عطا کیا، اور آخرت میں بھی جنّت کے اعلیٰ مقام دلانے کا سبب بن گئی۔

زاویۂ نگاہ بدل لو

ہمارے حضرت ڈاکٹر عبدالحیؒ صاحب رحمۃ اللہ علیہ بڑی پیاری بات بیان فرمایا کرتے تھے، فرمایا کرتے تھے کہ ''دین'' زاویۂ نگاہ کی تبدیلی کا نام ہے، یہ دنیا وہی رہے گی، لیکن اگر تم ذرا سا زاویۂ نگاہ بدل لوگے تو وہی دنیا دین بن جائے گی۔ اس کی مثال یہ دیا کرتے تھے کہ جیسے آج کل ایسی تصویریں ہوتی

ہیں کہ اگر ان کو ایک طرف سے دیکھا جائے تو یہ نظر آئے گا کہ یہ کعبہ شریف کی تصویر ہے، اور اگر اسی تصویر کو دوسرے رُخ سے دیکھا جائے تو یہ نظر آئے گا کہ یہ روضہ اقدس کی تصویر ہے، اور اگر تیسرے رُخ سے دیکھا جائے تو یہ نظر آئے گا کہ یہ مسجد اقصیٰ کی تصویر ہے، حالانکہ وہ ایک ہی تصویر ہے، لیکن زاویۂ نگاہ کے بدلنے سے اس کی صورت بدل جاتی ہے۔ حضرت فرمایا کرتے تھے کہ اسی طرح اس دنیا کے اندر زاویۂ نگاہ بدل لو، تو یہی دنیا ''دین'' بن جاتی ہے اور آخرت کا زینہ بن جاتی ہے۔

زاویۂ نگاہ بدلنے کا طریقہ

پھر اس کا طریقہ بتایا کہ کس طرح زاویۂ نگاہ کو بدلا جائے، فرمایا: اگر تم تجارت کر رہے ہو یا ملازمت کر رہے ہو تو اس کے اندر یہ نیت کر لو کہ یہ تجارت اور یہ ملازمت میں اپنے اور اپنے بیوی بچوں کے ان حقوق کی ادائیگی کے لئے کر رہا ہوں جو اللہ تعالیٰ نے میرے اوپر عائد کئے ہیں۔ اور میں اس تجارت میں حلال طریقے سے کمانے کا اہتمام کروں گا، ناجائز طریقے سے ایک پیسہ بھی نہیں کماؤں گا، اس نیت اور اہتمام کے بعد تم جو تجارت اور ملازمت کر رہے ہو، یہی عبادت اور یہی دین بن گیا۔

یا مثلاً گھر میں داخل ہوئے [illegible]نے کا وقت آیا، اب کھانا کھانا بھی دنیا ہے، کونسا انسان ہے جو کھانا نہیں کھاتا [illegible]یک کافر انسان بھی کھانا کھاتا ہے، ایک فاسق و فاجر اور غافل انسان بھی کھانا کھاتا ہے، لیکن اس کے کھانے [illegible]، وہ

ایک جانور کے کھانے میں کوئی فرق نہیں ہے۔ دوسری طرف ایک وہ مؤمن بھی کھانا کھاتا ہے جو محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سنّت کا پیروکار ہے، جب وہ کھانا شروع کرے گا تو پہلے ''بسم اللہ الرحمٰن الرحیم'' پڑھے گا، جس کا مطلب یہ ہے کہ میں اس کھانے کو اس اللہ تعالیٰ کے نام سے شروع کر رہا ہوں جو ''رحمٰن'' ہے اور ''رحیم'' ہے، اس کے ذریعہ وہ اس بات کا اقرار کرتا ہے کہ اس کھانے کو مہیا کرنا میری قوّت بازو کا کرشمہ نہیں ہے، میری یہ مجال نہیں تھی کہ میں یہ کھانا حاصل کرسکتا، بلکہ یہ کھانا میرے مالک کا عطیہ ہے اور اس کا دیا ہوا ہے، اسی کا نام لے کر کھاتا ہوں، اے اللہ! یہ کھانا آپ کی نعمت ہے، اور اس کو آپ کی نعمت سمجھ کر کھا رہا ہوں، اپنے نفس کا حق ادا کرنے کے لئے کھا رہا ہوں۔

کھانے پر شکر ادا کرو

جب کھانا کھا چکو تو یہ دعا پڑھو:

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِیْ اَطْعَمَنَا وَسَقَانَا وَكَفَانَا وَ آوَانَا وَاَرْوَانَا وَجَعَلَنَا مِنَ الْمُسْلِمِیْنَ۔

یعنی اس اللہ کا شکر ہے جس نے ہمیں یہ کھانا کھلایا۔ بعض روایتوں میں لفظ ''وَرَزَقَنَا'' کا اضافہ ہے۔ اس کا معنی یہ ہوگا کہ اس اللہ کا شکر ہے جس نے ہمیں یہ رزق دیا، ''رِزق'' دینے کا مطلب یہ ہے کہ یہ کھانا ہمیں مل گیا اور ہمارے پاس آیا، اور ''اَطْعَمَنَا'' کا مطلب یہ ہے کہ اس رزق کو کھانے کا موقع فراہم کیا۔ ورنہ یہ بھی تو ہوسکتا تھا کہ ''رزق'' تو حاصل ہے، دسترخوان پر

اعلیٰ درجے کے کھانے چنے ہوئے ہیں، بریانی ہے، پلاؤ ہے، قورمہ بھی ہے، کباب بھی ہے، لیکن معدہ خراب ہے اور پرہیز کی وجہ سے ان میں سے کوئی چیز نہیں کھا سکتے اب "رَزَقْنَا" تو پایا گیا، لیکن "اَطْعَمَنَا" نہیں پایا گیا، رزق موجود ہے، لیکن کھانے کی سکت نہیں ہے، لہٰذا اس نعمت پر بھی اللہ کا شکر ادا کرو۔ اور جب کھانا کھانے سے پہلے بھی اللہ تعالیٰ کا نام لے لیا اور کھانا کھانے کے بعد اس پر شکر ادا کر لیا تو اب وہ پورا کھانا عبادت بن گیا اور یہ دنیا کا عمل دین بن گیا۔ اسی کو زاویۂ نگاہ کی تبدیلی کہا جاتا ہے، اسی کی دعوت دینے کے لئے انبیاء کرام علیہم السلام اس دنیا میں تشریف لائے، اور اس دنیا کی محبّت کو دل سے نکالنے کا یہی مطلب ہے، اور اللہ تعالیٰ کی محبّت پر اس دنیا کی محبّت کو غالب نہ ہونے دینے کا یہی مطلب ہے۔ اللہ تعالیٰ اپنی رحمت سے اور اپنے فضل وکرم سے ہم سب کو اس کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین۔

وَآخِرُ دَعْوَانَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ

❁❁❁
❁

دنیا کی حقیقت

شیخ الاسلام حضرت مولانا مفتی محمد تقی عثمانی صاحب مدظلہم

ضبط و ترتیب
محمد عبد اللہ میمن

میمن اسلامک پبلشرز
۱۸۸/۱۔ لیاقت آباد، کراچی ۱۹

موضوع خطاب :

مقام خطاب : جامع مسجد بیت المکرّم
گلشن اقبال کراچی

وقت خطاب : بعد نماز عصر تا مغرب

اصلاحی خطبات : جلد نمبر ۱۲

صفحات :

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡم ؕ

دنیا کی حقیقت

اَلۡحَمۡدُ لِلّٰہِ نَحۡمَدُہٗ وَ نَسۡتَعِیۡنُہٗ وَ نَسۡتَغۡفِرُہٗ وَ نُؤۡمِنُ بِہٖ وَنَتَوَکَّلُ عَلَیۡہِ وَنَعُوۡذُ بِاللّٰہِ مِنۡ شُرُوۡرِ اَنۡفُسِنَا وَمِنۡ سَیِّئَاتِ اَعۡمَالِنَا ـ مَنۡ یَّھۡدِہِ اللّٰہُ فَلَا مُضِلَّ لَہٗ وَمَنۡ یُّضۡلِلۡہُ فَلَا ھَادِیَ لَہٗ وَاَشۡھَدُاَنۡ لَّا اِلٰـہَ اِلَّا اللّٰہُ وَحۡدَہٗ لَاشَرِیۡکَ لَہٗ وَاَشۡھَدُاَنَّ سَیِّدَنَا وَنَبِیَّنَا وَمَوۡلَانَا مُحَمَّداً عَبۡدُہٗ وَ رَسُوۡلُہٗ صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیۡہِ وَعَلٰی اٰلِہٖ وَاَصۡحَابِہٖ وَبَارَکَ وَسَلَّمَ تَسۡلِیۡمًا کَثِیۡرًا ـ

اَمَّا بَعۡدُ!

عن أبی سعید الخدری رضی اللّٰہ عنہ أن رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم قال: إن

الدنیا حلوة خضرة، وان اللّٰہ تعالٰی مستخلفکم فیھا فینظر کیف تعملون فاتقوا الدنیا واتقوا النساء۔

(صحیح مسلم، کتاب الرقاق، باب اکثر اہل الجنۃ الفقراء، حدیث نمبر۴۲ ۲۷)

حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ تعالیٰ عنہ روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: بیشک دنیا میٹھی اور سرسبز ہے، یعنی ایک انسان کو دنیا کی شان وشوکت، دنیا کی لذتیں، دنیا کی خواہشات بڑی خوشنما معلوم ہوتی ہیں، گویا کہ یہ دنیا خوشنما بھی ہے اور بظاہر خوش ذائقہ بھی ہے، لیکن اللہ تعالیٰ نے اس کو تمہاری آزمائش کا ایک ذریعہ بنایا ہے، اور تم کو اس دنیا میں اپنا خلیفہ بنا کر بھیجا ہے، تاکہ وہ یہ دیکھیں کہ تم اس دنیا میں کیسا عمل کرتے ہو، کیا دنیا کی یہ ظاہری خوبصورتی اور خوشنمائی تمہیں دھوکے میں ڈال دیتی ہے اور تم اس دنیا کے پیچھے لگ جاتے ہو یا تم اللہ اور اللہ کی پیدا کی ہوئی جنّت اور آخرت کو یاد کرتے ہو اور اس کی تیاری کرتے ہو؟

لہٰذا تم دنیا سے بچو اور عورتوں سے بچو، اس لئے کہ عورت بھی مرد کے لئے دنیا کے فتنوں میں سے ایک فتنہ ہے، اگر انسان جائز طریقے کو چھوڑ کر ناجائز طریقے سے عورت سے لطف اندوز ہو، تو پھر یہ عورت دنیا کا دھوکہ اور فریب ہے۔

حقیقی زندگی

عن سهل بن سعد رضی اللّٰه عنه عن النبی صلی اللّٰه علیه وسلم قال: أللّٰهم لا عیش الاّ عیش الآ خرۃ۔

(صحیح بخاری، کتاب المغازی، باب غزوۃ الخندق، حدیث نمبر ۴۰۹۸)

حضرت سہل بن سعد رضی اللہ تعالیٰ عنہ روایت کرتے ہیں کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے دعا کرتے ہوئے فرمایا کہ اے اللہ! حقیقی زندگی تو آخرت کی زندگی ہے۔

یعنی دنیا کی زندگی تو اس کے مقابلے میں کوئی حیثیت نہیں رکھتی، ہیچ در ہیچ ہے۔

قبر تک تین چیزیں جاتی ہیں

عن أنس رضی اللّٰه عنه عن النبی صلی اللّٰہ علیه وسلم قال: یتبع المیت ثلاثة، أهله وماله وعمله، فیرجع اثنان و یبقی واحد یرجع أهله وماله ویبقی عمله۔

(صحیح بخاری، کتاب الرقاق، باب سکرات الموت، حدیث نمبر ۶۵۱۴)

حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ روایت کرتے ہیں کہ حضور اقدس صلی

اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جب کسی شخص کا انتقال ہو جاتا ہے اور اس کا جنازہ قبرستان لے جایا جاتا ہے تو اس وقت میّت کے ساتھ تین چیزیں جاتی ہیں، ایک عزیز و اقارب جو اس شخص کو دفن کرنے کے لئے جاتے ہیں، دوسرا اس کا مال ساتھ جاتا ہے۔ (اس لئے کہ بعض جگہوں پر یہ رواج ہے کہ مرنے والے کا مال قبرستان تک ساتھ لے جاتے ہیں) اور تیسرا اس کا عمل ہے جو اس کے ساتھ جاتا ہے، پھر فرمایا کہ قبر تک اس کو پہنچانے کے بعد دو چیزیں تو واپس لوٹ آتی ہیں، ایک عزیز و اقارب اور دوسرے اس کا مال وغیرہ، اور تیسری چیز یعنی اس کا عمل، وہ اس کے ساتھ قبر میں جاتا ہے۔

مال اور عزیز و اقارب کام آنے والے نہیں

اس سے معلوم ہوا کہ میّت کے اہل وعیال اور عزیز و اقارب جن کو وہ اپنا محبوب سمجھتا تھا، جن کو اپنا پیارا سمجھتا تھا، جن کے ساتھ محبتیں اور تعلّقات تھے، جن کے بغیر ایک پل گزارنا مشکل معلوم ہوتا تھا، وہ سب اس کو قبر کے اندر کام آنے والے نہیں، اور وہ مال جس پر اس کو بڑا فخر اور ناز تھا کہ میرے پاس اتنا مال ہے، اتنا بینک بیلنس ہے، وہ بھی سب یہاں رہ جاتا ہے وہ چیز جو اسکے ساتھ قبر کے اندر جاتی ہے وہ اس کا عمل ہے جو اس نے دنیا میں رہ کر کیا تھا، اس کے علاوہ کوئی چیز ساتھ جانے والی نہیں ہے۔ چنانچہ حدیث شریف میں آتا ہے کہ جب کسی میّت کو دفن کرنے کے بعد اس کے عزیز و اقارب وہاں سے جانے لگتے ہیں تو ان کے جانے کے وقت میّت ان کے قدموں کی آواز سنتا ہے، اور

یہ آواز اس کو یہ بتانے کے لئے سنائی جاتی ہے کہ جن لوگوں پر تم بھروسہ کئے ہوئے تھے، جن کے ساتھ تمہارے صبح وشام گزر رہے تھے، جن کی محبّت پر تم نے بھروسہ کر رکھا تھا، وہ سب تمہیں اس گڑھے میں اتار کر چلے گئے، حقیقت میں وہ تمہارا ساتھ دینے والے نہیں تھے، گویا کہ مال بھی ساتھ چھوڑ گیا اور عزیز واقارب بھی ساتھ چھوڑ گئے، صرف ایک عمل ساتھ جا رہا ہے، اب اگر نیک عمل ساتھ میں ہے تو اس صورت میں قبر کا وہ گڑھا جس کو دیکھ کر ایک زندہ انسان کو وحشت معلوم ہوتی ہے، وہ گڑھا اس نیک عمل کے نور کی وجہ سے منور ہو جاتا ہے، اس میں روشنی ہو جاتی ہے، اس میں وسعت ہو جاتی ہے، اور پھر وہ قبر کا گڑھا نہیں رہتا، بلکہ جنّت کا ایک باغ بن جاتا ہے۔

جنّت کا باغ یا جہنّم کا گڑھا

حدیث شریف میں آتا ہے کہ جب نیک عمل والا بندہ قبر میں رکھا جاتا ہے تو اس کو خطاب کر کے کہا جاتا ہے کہ:

"نم کنومة العروس الذی لا یوقظه الا أحبّ أهله الیه۔

(ترمذی، کتاب الجنائز، باب ماجاء فی عذاب القبر، حدیث نمبر ۱۰۷۱)

کہ اب تمہارے لئے جنّت کی کھڑکی کھول دی گئی ہے، اب جنّت کی ہوائیں تمہارے پاس آئیں گی، تم اس طرح سو جاؤ جس طرح دلہن سوتی ہے اور اس دلہن کو سب سے زیادہ محبوب شخص بیدار کرتا ہے، اس کے علاوہ کوئی دوسرا بیدار

نہیں کرتا۔ لہٰذا اگر عمل اچھا ہے تو وہ قبر کا گڑھا ابدی راحتوں کا پیش خیمہ بن جاتا ہے اور وہ جنّت کا ایک باغ بن جاتا ہے۔ اور خدا نہ کرے اگر عمل خراب ہے تو پھر وہ جہنّم کا گڑھا بن جاتا ہے، اس کے اندر عذاب ہے، اور عذاب اور تکلیفوں کا سلسلہ قبر کے اندر ہی شروع ہو جاتا ہے۔ اللہ تعالیٰ ہر مسلمان کی اس سے حفاظت فرمائے، آمین۔ اس لئے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے پناہ مانگی کہ اے اللہ! میں عذاب قبر سے آپ کی پناہ مانگتا ہوں۔

اس دنیا میں اپنا کوئی نہیں

لہٰذا اس حدیث شریف میں حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم یہ حقیقت بیان فرما رہے ہیں کہ جب وہ وقت آئے گا اور لوگ قبر کے گڑھے میں تمہیں رکھ کر چلے جائیں گے، اس وقت تو یہ حقیقت واضح ہو جائے گی کہ اس دنیا میں اپنا کوئی نہیں، نہ عزیز و اقارب اور رشتہ دار اپنے ہیں اور نہ یہ مال اپنا ہے، لیکن اس وقت پتہ چلنے کا کوئی فائدہ نہیں ہوگا، اس لئے کہ اگر اس وقت اپنی حالت بدلنا بھی چاہے گا اور اپنی اصلاح کرنا چاہے گا تو اس کا وقت گزر چکا ہوگا، بلکہ جب وہ وقت آجائے گا تو پھر اس کو مہلت نہیں دی جائے گی، چنانچہ لوگ اپنا برا انجام دیکھ کر اللہ تعالیٰ سے عرض کریں گے کہ ایک مرتبہ ہمیں پھر دنیا میں بھیج دیجئے کہ وہاں جا کر خوب صدقہ خیرات کریں گے اور نیک عمل کریں گے، لیکن باری تعالیٰ فرمائیں گے کہ:

ولن يؤخر الله نفسا اذا جاء أجلها۔

(سورۃ المنافقون: آیت ۱۱)

کہ جب موت کا وقت آ جاتا ہے تو اللہ تعالیٰ کسی کو مؤخر نہیں کرتے۔ موت کا وقت آ جانے کے بعد کسی نبی کو، کسی ولی کو، کسی صحابی کو اور کسی بھی بڑے سے بڑے آدمی کو مؤخر نہیں کیا جاتا۔ لہٰذا اس وقت اپنی اصلاح کا خیال آنے کا فائدہ کچھ نہیں ہے، اس لئے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم پہلے سے ہمیں باخبر کر رہے ہیں کہ اس وقت کے آنے سے پہلے یہ بات سوچ لو کہ اس وقت یہ سب تمہیں چھوڑ کر چلے جائیں گے، تم اکیلے رہ جاؤ گے اور صرف تمہارا عمل تمہارے ساتھ جائے گا۔

شکریہ اے قبر تک پہنچانے والو شکریہ
اب اکیلے ہی چلے جائیں گے اس منزل سے ہم

اس لئے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم فرما رہے ہیں کہ آج ہی سے اس بات کا استحضار کر لو، پھر تمہیں یہ نظر آئے گا کہ دنیا کی ساری لذتیں، منفعتیں، دنیا کے کاروبار، دنیا کی خواہشات ہیچ در ہیچ ہیں، اور اصل چیز وہ ہے جو آخرت کے لئے تیار کی گئی ہو۔

جہنّم کا ایک غوطہ

عن أنس رضى الله عنه قال قال رسول الله
صلى الله عليه وسلم: يوتى بأنعم اهل الدنيا

من اهل النار يوم القيٰمة فيصبغ فى النار صبغة ثم يقال: يا ابن آدم هل رأيت خيراً قط هل مرّبِكَ نعيم قط فيقول: لا واللّٰه يارب! ويؤتى بأشد الناس بؤساً فى الدنيا من أهل الجنة فيصبغ صبغةً فى الجنة فيقال له يا ابن آدم: هل رأيت بؤساً قط هل مرّبِكَ شدّةً قط فقول: لا واللّٰه يا ربّ! مامرّبى بؤس قط ولا رأيت شدةً قط۔

(صحیح مسلم، کتاب صفات المنافقین، باب صبغ أنعم أهل الدنيا فى النار، حدیث نمبر ۲۸۰۷)

حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ قیامت کے دن اللہ تعالیٰ ایک ایسے شخص کو بلائیں گے جس کی ساری زندگی نعمتوں میں گزری ہوگی، اور دنیا کے تمام انسانوں میں سب سے زیادہ جس کو دنیا کی نعمتیں میسر آئی ہونگی، یعنی مال سب سے زیادہ، اہل وعیال زیادہ، نوکر چاکر، دوست احباب، کوٹھی بنگلے، اور دنیا کے اسباب عیش وعشرت سب سے زیادہ اس کو ملے ہوں گے، ایسے شخص کو اللہ تعالیٰ بلائیں گے۔ اب آپ اندازہ لگائیں کہ جب سے یہ دنیا پیدا ہوئی، اس وقت سے لے کر قیامت کے دن تک جتنے انسان پیدا ہوئے، ان میں سے ایسے شخص کا انتخاب کیا جائے گا جو اس دنیا میں سب سے زیادہ مالدار، سب سے زیادہ خوش حال اور سب سے

زیادہ خوش وخرم رہا ہوگا، اور اس کو جہنم کے اندر ایک غوطہ دیا جائے گا اور ملائکہ سے کہا جائے گا کہ اس کو جہنم کے اندر ایک غوطہ دلا کر لے آؤ، پھر اس شخص سے پوچھا جائے گا کہ اے ابن آدم! کیا تم نے کبھی کوئی راحت اور آرام اور خوش حالی دیکھی ہے؟ کیا تم پر کبھی کوئی نعمت گزری، یعنی مال و دولت، عیش و آرام کچھ ملا ہے؟ وہ شخص جواب میں کہے گا کہ اے پروردگار! میں نے کبھی راحت و آرام، عیش و عشرت، مال و دولت کی شکل تک نہیں دیکھی۔ وہ ساری عمر جو دنیا کے اندر نعمتوں میں، راحتوں میں، مال و دولت میں، عیش و آرام میں گزاری تھی، جہنم کے ایک غوطے سے وہ سب نعمتیں اور راحتیں بھول جائے گا، اس لئے کہ اس ایک غوطے میں اس کو اتنی اذیت، اتنی تکلیف اور اتنا عذاب اور اتنی پریشانی ہوگی کہ وہ اس کی وجہ سے دنیا کی نعمتیں بھول جائے گا۔

جنّت کا ایک چکر

اس کے بعد ایک ایسے شخص کو بلایا جائے گا جو دنیا میں سب سے زیادہ تنگ دستی، پریشانی اور فقر و فاقے کا شکار رہا ہوگا، گویا کہ دنیا میں اس نے اس طرح زندگی گزاری ہوگی کہ کبھی راحت و آرام کی شکل ہی نہیں دیکھی ہوگی، اس کو بلا کر جنّت کا ایک چکر لگوایا جائے گا اور فرشتوں سے کہا جائے گا کہ اس کو ذرا جنّت میں سے ایک مرتبہ گزار کر لے آؤ اور پھر اس سے پوچھا جائے گا کہ اے آدم کے بیٹے! کیا کبھی تم نے فقر و فاقہ دیکھا؟ کیا کبھی تم پر سختی اور پریشانی کا زمانہ گزرا؟ وہ جواب میں کہے گا کہ خدا کی قسم! میرے اوپر تو کبھی کوئی سختی اور

پریشانی کا زمانہ نہیں گزرا اور کبھی مجھ پر فقر و فاقہ نہیں گزرا۔ اس لئے کہ دنیا کی ساری زندگی جو مصیبت، پریشانی اور آلام میں گزاری تھی، جنّت کا ایک چکر لگانے کے بعد وہ سب بھول جائے گا۔

دنیا بے حقیقت چیز ہے

یہ سب حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی بتائی ہوئی باتیں ہیں اور ان کے بتانے کا مقصد یہ ہے کہ یہ دنیا کی نعمتیں آخرت کے مقابلے میں اتنی بے حقیقت، اتنی ناپائیدار اور ہیچ در ہیچ ہیں کہ جہنم کی ذرا سی تکلیف کے سامنے دنیا کی ساری راحتیں انسان بھول جائے گا، اور ساری عمر کی تکلیفیں اور مصائب و آلام جنّت کا ایک چکر لگانے کے بعد بھول جائے گا۔ یہ دنیا اتنی بے حقیقت چیز ہے، جس کے خاطر تم دن رات دوڑ دھوپ میں لگے ہوئے ہو، صبح سے لے کر شام تک، شام سے لے کر صبح تک ہر وقت دماغ پر یہی فکر مسلّط ہے کہ کس طرح دنیا زیادہ سے زیادہ کمالوں؟ کس طرح پیسے جوڑ لوں؟ کس طرح مکان بنالوں؟ کس طرح زیادہ سے زیادہ اسباب عیش و عشرت جمع کرلوں؟ دن رات بس اسی کی دوڑ دھوپ ہے، اس لئے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم فرمارہے ہیں کہ ذرا سوچ لو کہ کس چیز کی طلب میں تم لگے ہوئے ہو، اور اس کے مقابلے میں آخرت کی نعمتیں اور تکلیفیں بھولے ہوئے ہو۔ ''زہد'' اسی کا نام ہے کہ انسان دنیا کی حقیقت کو پہچان لے اور دنیا کے ساتھ وہی معاملہ کرے جس کی وہ مستحق ہے، اور آخرت کے ساتھ وہ معاملہ کرے جس کی وہ مستحق ہے۔

دنیا کی حیثیت ایک پانی کا قطرہ ہے

عن المستور بن شدّاد رضی اللّٰہ عنہ قال:
قال رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم: واللّٰہ
ما الدنیا فی الآخرۃ الا مثل ما یجعل احد کم
اصبعہ فی الیم فلینظر بم ترجع۔

(صحیح مسلم، کتاب الجنة، باب فناء الدنیا، حدیث نمبر ۲۸۵۸)

حضرت مستورد بن شداد رضی اللہ تعالیٰ عنہ روایت کرتے ہیں کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ آخرت کے مقابلے میں دنیا کی مثال ایسی ہے جیسے کہ تم میں سے کوئی شخص اپنی انگلی سمندر میں ڈالے اور پھر وہ انگلی نکال لے یعنی اس انگلی پر جتنا پانی لگا ہوا ہوگا، آخرت کے مقابلے میں دنیا کی اتنی بھی حیثیت نہیں، اس لئے کہ سمندر پھر بھی متناہی ہے، غیر متناہی نہیں ہے، اور آخرت کی نعمتیں غیر متناہی ہیں، لافانی ہیں، کبھی ختم ہونے والی نہیں ہیں، اس لئے دنیا کی آخرت کے مقابلے میں وہ نسبت بھی نہیں ہے جو نسبت سمندر کو انگلی میں لگے ہوئے پانی سے ہوتی ہے، لیکن سمجھانے کے لئے فرمایا کہ دنیا بس اتنی ہے جتنا انگلی ڈبونے سے پانی لگ جاتا ہے، باقی آخرت ہے۔

اب عجیب بات یہ ہے کہ انسان صبح سے شام تک اس انگلی پر لگے ہوئے پانی کی فکر میں تو ہے اور اس سمندر کو بھولا ہوا ہے جس سمندر کے ساتھ مرنے کے بعد واسطہ پیش آنا ہے۔ اور خدا جانے اس کے ساتھ کب واسطہ پیش آ

جائے، آج پیش آ جائے، کل پیش آ جائے، کسی وقت کی گارنٹی نہیں، ہر لمحے پیش آ سکتا ہے۔ اسی غفلت کے پردے کو اٹھانے کے لئے حضرات انبیاء علیہم السلام دنیا میں تشریف لائے کہ آنکھوں پر جو غفلت کا پردہ پڑا ہوا ہے اور اس کے نتیجے میں دن رات کی دوڑ دھوپ اس انگلی میں لگے ہوئے پانی پر لگی ہوئی ہے، اس سے توجہ ہٹا کر آخرت کے سمندر کی طرف توجہ لگائیں۔

دنیا ایک مردار بکری کے بچے کے مثل ہے

عن جابر رضی اللّٰه عنه ان رسول اللّٰه صلی اللّٰه علیه وسلّم مرّ بالسوق والناس کنفتیه فمدّ بجدی اسك میت فتنا وله فأخذ باذنه ثم قال: أیکم یحب أن هذاله بدرهم فقالوا: مانحبّ أنه لنابشیئی وما نصنع به؟ قال: أتحبون انه لکم؟ قالوا واللّٰه لو کان حیاً کان عیباً فیه لانه اسك فکیف و هومیت! فقال: فواللّٰه للدنیا أهون علی اللّٰه من هذا علیکم۔

(صحیح مسلم، کتاب الزہد، حدیث نمبر ۲۹۵۷)

حضرت جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ روایت کرتے ہیں کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم ایک بازار میں گزرے، اور آپ کے دونوں طرف لوگ چل رہے تھے، تو آپ بکری کے ایک مردار بچے کے پاس سے گزرے، وہ بکری کا بچہ بھی عیب

دار تھا، یعنی چھوٹے کانوں والا تھا اور مردار بھی تھا، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس مردار بچے کو کان سے پکڑ کر اٹھایا اور پھر فرمایا کہ تم میں سے کون شخص بکری کے اس مردار بچے کو ایک درہم میں خریدنے کے لئے تیار ہے؟ صحابہ کرامؓ نے عرض کیا کہ ایک درہم تو کیا، معمولی چیز کے بدلے میں بھی اس کو کوئی لینے کو تیار نہیں ہے، ہم اس کو لے کر کیا کریں گے؟ پھر حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ایک درہم میں نہ سہی، کیا تم میں سے کوئی اس کو مفت میں لینے کو تیار ہے؟ صحابہ کرامؓ نے عرض کیا کہ خدا کی قسم! اگر یہ بچہ زندہ بھی ہوتا تو بھی یہ عیب دار تھا، اس لئے کہ اس کے کان چھوٹے ہیں، تو جب زندہ لینے کیلئے کوئی تیار نہ ہوتا تو مردار لینے کو کون تیار ہوگا؟

اس کے بعد حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ تمہاری نظروں میں بکری کے اس مردار بچے کی لاش جتنی بے حقیقت اور ذلیل چیز ہے، اس سے زیادہ بے حقیقت اور ذلیل چیز یہ دنیا ہے جو تمہارے سامنے ہے، تم میں سے کوئی شخص بھی اس مردار بچے کو مفت میں لینے کو بھی تیار نہیں، اور وہ دنیا جو اللہ تعالیٰ کے نزدیک اس سے زیادہ بے حقیقت اور ذلیل ہے، تم اس کے پیچھے دن رات پڑے ہوئے ہو۔ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی تعلیم کا یہ انداز تھا، صحابہ کرامؓ کو جگہ جگہ اور قدم قدم پر اس دنیا کی بے ثباتی بتانے کے لئے آپ ایسی باتیں ارشاد فرماتے تھے۔

اُحد پہاڑ کے برابر سونا خرچ کردوں

وعن أبی ذر رضی اللّٰه عنه قال: کنت أمشی مع النبی صلی اللّٰه علیه وسلم فی حرّة المدینة فاستقبلنا احد فقال: یا أبا ذر! قلت: لبیك یا رسول اللّٰه! قال: مایسرنی أن عندی مثل احد هذا ذهبا تمضی علیّ ثلاثة ایام وعندی عنه دینار الا شئی ارصده لدین الاّ ان اقول به فی عباداللّٰه هکذا و هکذا و هکذا عن یمنیه و عن شماله ومن خلفه ثم سار فقال:

(صحیح بخاری، کتاب الرقاق، باب قول النبی ﷺ: مایسرنی أن عندی مثل أُحد۔ حدیث نمبر ۶۴۴۴)

حضرت ابوذر غفاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ بھی درویش صحابی ہیں۔ فرماتے ہیں کہ میں ایک مرتبہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ مدینہ کے ''حرّہ'' سے گزر رہا تھا۔ ''حرہ'' کالے پتھر والی زمین کو کہا جاتا ہے، جن حضرات کو مدینہ منورہ حاضری کا موقع ملا ہے، انہوں نے دیکھا ہوگا کہ مدینہ منورہ کے چاروں طرف کالے پتھروں والی زمین ہے، اس کو ''حرہ'' کہا جاتا ہے۔ راستے میں حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ساتھ چلتے چلتے ہمارے سامنے احد پہاڑ آ گیا اور وہ ہمیں نظر آنے لگا، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھ سے خطاب کرتے

ہوئے فرمایا کہ اے ابوذر! میں نے عرض کیا یا رسول اللہ! میں حاضر ہوں، کیا بات ہے؟ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اے ابوذر! یہ تمہیں سامنے جو احد پہاڑ نظر آ رہا ہے، اگر یہ سارا پہاڑ سونے کا بنا کر مجھے دیدیا جائے، تب بھی مجھے یہ بات پسند نہیں ہے کہ تین دن مجھ پر اس حالت میں گزریں کہ اس میں سے ایک دینار بھی میرے پاس باقی رہے، ہاں اگر میرے اوپر کسی کا قرضہ ہے تو صرف قرضہ اتارنے کیلئے جتنے دینار کی ضرورت ہو وہ تو رکھ لوں، اس کے علاوہ ایک دینار بھی میں اپنے پاس رکھنے کے لئے تیار نہیں، اور وہ مال میں اس طرح اور اس طرح اور اس طرح مٹھیاں بھر بھر کے لوگوں میں تقسیم کردوں۔

وہ کم نصیب ہونگے

پھر آگے فرمایا کہ:

الاان الا کثرین هم الأ قلون یوم القیامة إلاّمن قال هکذا وهکذا وهکذا وقلیل ماهم۔

فرمایا کہ یاد رکھو! دنیا میں جن کے پاس مال و دولت بہت زیادہ ہے، بڑے بڑے مالدار، بڑے بڑے سرمایہ دار، بڑے بڑے دولت مند، وہ قیامت کے دن بہت کم نصیب ہوں گے، یعنی دنیا میں جتنی دولت زیادہ ہے، قیامت میں اس کے حساب سے آخرت کی نعمتوں میں ان کا حصہ دوسروں کے مقابلے میں کم ہوگا، سوائے ان دولت مندوں کے جو اپنی دولت کو اس طرح خرچ کریں

اور اس طرح خرچ کریں اور اس طرح خرچ کریں، یعنی مٹھیاں بھر بھر کے اللہ کے راستے میں خیرات کریں، لہٰذا جو ایسا کریں گے وہ تو محفوظ رہیں گے اور جو ایسا نہیں کریں گے، تو پھر یہ ہوگا کہ جتنی دولت زیادہ ہوگی، آخرت میں اتنا ہی کم حصہ ہوگا۔ اور پھر فرمایا کہ دنیا میں جن کے پاس دولت زیادہ ہے اور وہ دنیا میں خیرات وصدقات کر کے آخرت میں اپنا حصہ بڑھا لیتے ہیں، اللہ تعالیٰ کے یہاں ایسے لوگوں کی تعداد بہت کم ہے۔

حضور ﷺ کا حکم نہ ٹوٹے

ساری باتیں راستے میں گزرتے ہوئے ہو رہی تھیں، پھر ایک جگہ پہنچ کر حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ابوذر غفاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے فرمایا کہ تم اس جگہ ٹھیرو، میں ابھی آتا ہوں، اور اس کے بعد رات کے اندھیرے میں حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کہیں تشریف لے گئے اور مجھے پتہ نہیں چلا کہ آپ کہاں تشریف لے گئے، یہاں تک کہ آپ نظروں سے اوجھل ہو گئے، اس کے بعد مجھے کوئی آواز سنائی دی، اس آواز کے نتیجے میں مجھے یہ خوف ہوا کہ کوئی دشمن حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے آ گیا ہو اور اس کی یہ آواز ہو، اس لئے میں نے آپ ﷺ کے پاس جانے کا ارادہ کیا، لیکن مجھے یاد آیا کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تھا کہ اپنی جگہ سے مت ہلنا۔ یہ تھے صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین، جب حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ فرمادیا کہ اپنی جگہ سے مت ہلنا اور یہیں رہنا، اس کے بعد آواز

آنے کے نتیجے میں یہ خطرہ بھی ہوا کہ کہیں کوئی شخص حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کو نقصان نہ پہنچادے، لیکن حضور ﷺ کا ارشاد یاد آ گیا کہ یہیں ٹھیرنا، کہیں مت جانا، اس لئے میں وہاں بیٹھا رہا۔

صاحب ایمان جنّت میں ضرور جائیگا

تھوڑی دیر میں حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لے آئے تو میں نے عرض کیا کہ یارسول اللہ ﷺ! میں نے ایک آواز سنی تھی جس کی وجہ سے مجھے آپ کے اوپر خطرہ ہونے لگا تھا، حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے پوچھا کہ کیا تم نے وہ آواز سنی تھی؟ میں نے کہا جی ہاں! میں نے وہ آواز سنی تھی، پھر آپ ﷺ نے فرمایا کہ وہ آواز درحقیقت حضرت جبرئیل علیہ السلام کی تھی، حضرت جبرئیل علیہ السلام میرے پاس تشریف لائے اور انہوں نے یہ خوشخبری سنائی کہ یارسول اللہ ﷺ! آپ کی امّت میں سے جو شخص بھی اس حالت میں مر جائے کہ اس نے اللہ کے ساتھ کسی کو شریک نہ ٹھہرایا ہو، یعنی کفر کا کوئی کلمہ نہ کہا ہو، بلکہ توحید کی حالت میں مر گیا اور توحید پر ایمان رکھتے ہوئے دنیا سے گزر گیا تو وہ ضرور جنّت میں جائے گا۔ جس کا مطلب یہ ہے کہ وہ کسی نہ کسی وقت ضرور جنّت میں جائے گا، اگر برے اعمال کئے ہیں تو برے اعمال کی سزا پاکر جائے گا، لیکن جنّت میں ضرور جائے گا۔ حضرت ابوذر غفاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے سوال کیا یارسول اللہ ﷺ! کیا اگرچہ اس نے زنا کیا ہو اور چوری کی ہو، تب بھی وہ جنّت میں جائے گا؟ آپ ﷺ نے جواب میں فرمایا کہ چاہے

اس نے زنا کیا ہو، اور چاہے اس نے چوری کی ہو۔ مطلب یہ ہے کہ اگرچہ اس نے گناہوں کا ارتکاب کیا ہو، لیکن دل میں ایمان ہے تو آخر میں کسی نہ کسی وقت انشاء اللہ جنّت میں پہنچ جائے گا، البتہ جن گناہوں کا ارتکاب کیا، جو بداعمالیاں کیں، اس کی سزا میں پہلے جہنم میں جائے گا اور اس کو گناہوں کی سزا دینے کے لئے جہنم میں رکھا جائے گا، اگر بدکاری کی تھی، چوری کی تھی، ڈاکے ڈالے تھے، غیبت کی تھی، جھوٹ بولا تھا، رشوت لی تھی، سود کھایا تھا، ان سب گناہوں کی سزا پہلے جہنم میں دی جائے گی پھر ایمان کی بدولت انشاء اللہ آخر میں کسی نہ کسی وقت جنّت میں پہنچ جائے گا۔

گناہوں پر جراُت مت کرو

لیکن کوئی شخص یہ نہ سمجھے کہ چلو جنّت کی خوشخبری مل گئی ہے کہ آخر میں تو جنّت میں جانا ہی ہے، لہٰذا خوب گناہ کرتے جاؤ، اس میں کوئی حرج نہیں۔ خوب سن لیجئے! ابھی آپ پیچھے ایک حدیث سن آئے ہیں کہ دنیا کے اندر عیش و عشرت اور راحت و آرام میں زندگی گزارنے والے کو جہنم میں صرف ایک غوطہ دیا گیا تو اس ایک غوطے نے دنیا کی ساری خوشیاں اور سارے عیش و آرام کو بھلا دیا، ساری دنیا ہیچ معلوم ہونے لگی، ساری خوشیاں غارت ہوگئیں، اور ایسا معلوم ہونے لگا کہ دنیا میں کوئی خوشی اور کوئی راحت حاصل نہیں کی۔ لہٰذا جہنم کے ایک غوطے کی بھی کسی کو سہار اور برداشت ہے؟ اس لئے یہ حدیث ہم لوگوں کو گناہوں پر جری نہ کرے کہ جنّت میں جانا ہی ہے، اس لئے گناہ کرتے

جاؤ، اللہ تعالیٰ ہماری حفاظت فرمائے۔ آمین۔

دنیا میں اس طرح رہو

عن ابن عمر رضی اللّٰہ عنهما قال: أخذ رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیه وسلم بمنکبیّ فقال: کن فی الدنیا کأنك غریب أو عابر سبیل۔

(صحیح بخاری، کتاب الرقاق، باب قول النبی ﷺ: کن فی الدنیا کانك غریب، حدیث نمبر ٦٤١٦)

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما روایت کرتے ہیں کہ ایک دن حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے میرے کندھوں پر ہاتھ رکھا۔ کندھوں پر ہاتھ رکھنا بڑی شفقت، بڑی محبت، بڑے پیار کا انداز ہے۔ اور اس کے بعد فرمایا: دنیا میں اس طرح رہو جیسے اجنبی ہو یا راستے کے راہی اور مسافر ہو۔ یعنی جیسے مسافر سفر کے دوران کہیں کسی منزل پر ٹھہرا ہوا ہوتا ہے، تو وہ یہ نہیں کرتا کہ اس منزل ہی کی فکر میں لگ جائے اور جس مقصد کے لئے سفر کیا تھا، وہ مقصد بھول جائے۔ فرض کیجئے کہ ایک شخص یہاں سے لاہور کسی کام کے لئے گیا، اب جس مقصد کے لئے لاہور آیا تھا، وہ کام تو بھول گیا اور اس فکر میں لگ گیا کہ یہاں اپنے لئے مکان بنالوں اور یہاں اسباب عیش و عشرت جمع کرلوں، اس شخص سے زیادہ احمق کون ہوگا۔

دنیا ایک ''خوبصورت جزیرے'' کے مانند ہے

حضرت امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ ایک مثال بیان فرماتے ہیں کہ ایک جہاز کہیں جا رہا تھا اور وہ پورا جہاز مسافروں سے بھرا ہوا تھا، راستے میں ایک جزیرہ آیا تو جہاز کے کپتان نے اس جزیرہ پر جہاز کو روک دیا، تاکہ آگے کے سفر کے لئے کچھ راشن اور ضرورت کا سامان لے لیا جائے۔ اور اس کپتان نے اعلان کر دیا کہ ہمیں چونکہ چند گھنٹوں کے لئے اس جزیرے پر ٹھیرنا ہے، لہٰذا اگر کوئی مسافر اس جزیرے پر اترنا چاہے تو اتر سکتا ہے، ہماری طرف سے اجازت ہے۔ چنانچہ جہاز پر جتنے لوگ سوار تھے، سب کے سب اتر کر جزیرے کی سیر کیلئے چلے گئے، جزیرہ بڑا شاندار اور خوشنما تھا، اس میں بہت خوبصورت قدرتی مناظر تھے، چاروں طرف قدرتی مناظر کا حسن و جمال بکھرا ہوا تھا، لوگ ان خوبصورت مناظر سے بہت محظوظ ہوتے رہے، یہاں تک کہ جہاز کی روانگی کا وقت قریب آ گیا تو کچھ لوگوں نے سوچا کہ اب واپس چلنا چاہئے، روانگی کا وقت آ رہا ہے، چنانچہ وہ لوگ جہاز پر واپس آ گئے اور جہاز کی عمدہ اور اعلیٰ اور آرام دہ جگہوں پر قبضہ کر کے بیٹھ گئے، دوسرے کچھ لوگوں نے سوچا کہ یہ جزیرہ تو بہت خوبصورت اور بہت خوشنما ہے، ہم تھوڑی دیر اور اس جزیرے میں رہیں گے اور لطف اندوز ہوں گے، چنانچہ تھوڑی دیر اور گھومنے کے بعد خیال آیا کہ کہیں جہاز روانہ نہ ہو جائے اور جہاز کی طرف دوڑے ہوئے آئے، یہاں آ کر دیکھا کہ جہاز کی اچھی اور عمدہ جگہوں پر قبضہ ہو چکا ہے، چنانچہ ان کو بیٹھنے

کے لئے خراب اور گھٹیا جگہیں مل گئیں اور وہ وہیں بیٹھ گئے اور یہ سوچا کہ کم از کم جہاز پر تو سوار ہو گئے۔ کچھ لوگ اور تھے، انہوں نے سوچا کہ یہ جزیرہ تو بڑا شاندار ہے، یہاں تو بہت مزہ آ رہا ہے، جہاز میں مزہ نہیں آ رہا تھا، چنانچہ وہ اس جزیرے پر رک گئے اور ان خوبصورت قدرتی مناظر میں اتنے بدمست ہوئے کہ ان کو واپسی کا خیال بھی بھول گیا، اتنے میں جہاز روانہ ہو گیا اور وہ لوگ اس میں سوار نہ ہو سکے۔ دن کے وقت تو وہ جزیرہ بہت خوشنما معلوم ہو رہا تھا اور اس کے مناظر بہت حسین معلوم ہو رہے تھے، لیکن جب شام کو سورج غروب ہو گیا اور رات سر پر آ گئی تو وہی خوبصورت جزیرہ رات کے وقت بھیانک بن گیا کہ اس خوبصورت جزیرے میں ایک لمحہ گزارنا مشکل ہو گیا، کہیں درندوں کا خوف، کہیں جانوروں کا خوف۔ اب بتائیے! وہ قوم جو جزیرے کے حسن و جمال میں اتنی محو ہو گئی کہ جو جہاز جا رہا تھا، اس کو چھوڑ دیا، وہ قوم کتنی احمق اور بے وقوف ہے۔

یہ مثال بیان کرنے کے بعد امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ اس دنیا کی مثال اس جزیرے جیسی ہے، لہٰذا اس دنیا میں دل لگا کر بیٹھ جانا اور اس کی خوشنمائیوں پر فریفتہ ہو جانا ایسا ہی ہے جیسے وہ قوم جو اس جزیرے کی خوشنمائیوں پر فریفتہ ہو گئی تھی، اور جس طرح اس جزیرے پر رہنے والوں کو ساری دنیا احمق اور بیوقوف کہے گی، اسی طرح اس دنیا پر دل لگانے والوں کو بھی دنیا احمق اور بیوقوف کہے گی۔

دنیا سفر کی ایک منزل ہے، گھر نہیں

اس لئے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ دنیا میں اس طرح رہو جیسے ایک مسافر رہتا ہے اور جیسے ایک اجنبی آدمی رہتا ہے، اس لئے کہ یہ دنیا سفر کی ایک منزل ہے، خدا جانے اصل وطن کی طرف روانگی کا وقت کب آ جائے۔ ایک حدیث میں حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

الدنیا دار من لا دار له و لها یجمع من لا عقل له۔ (مسند احمد، ج ۶، ص ۷۱)

فرمایا کہ یہ دنیا اس شخص کا گھر ہے جس کا کوئی گھر نہ ہو، اور اس کے لئے وہ شخص جمع کرتا ہے جس کے پاس عقل نہ ہو۔ یعنی کیا تم اس دنیا کو اپنا گھر سمجھتے ہو؟ حالانکہ یہ دیکھو کہ انسان کا اپنا گھر کونسا ہوتا ہے؟ انسان کا اپنا گھر وہ ہوتا ہے جس میں انسان کو مکمل اقتدار حاصل ہو، اس کے قبضے میں ہو، اس کی ملکیت میں ہو، جس وقت تک چاہے وہ اس میں رہے اور اس میں داخل ہونے سے کوئی نہ روک سکے، اور اس کو اس میں سے کوئی باہر نہ نکال سکے، وہ حقیقت میں اپنا گھر ہوتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ آپ کسی دوسرے شخص کے گھر میں داخل ہو کر یہ نہیں کہہ سکتے کہ یہ میرا گھر ہے، اس لئے کہ دوسرے کے گھر پر اقتدار حاصل نہیں، اور اپنا گھر وہ ہے جس پر اقتدار حاصل ہو۔

اب آپ سوچئے کہ اس دنیا کے گھر پر کس قسم کا اقتدار آپ کو حاصل ہے؟ آپ کے اقتدار کا یہ حال ہے کہ جس دن آنکھ بند ہوئی، اس دن سارے

گھر والے مل کر آپ کو قبر کے گھڑے میں پھینک کر آ جائیں گے، اب اس گھر سے آپ کا کوئی تعلق نہیں، وہ گھر کسی بھی وقت آپ سے چھن جائے گا، اور یہ مال و دولت بھی کسی وقت آپ سے چھن جائے گا، لہٰذا جس گھر پر اتنا اقتدار بھی آپ کو حاصل نہیں، اس کو آپ اپنا گھر کیسے سمجھتے ہو؟ اس لئے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ دنیا اس شخص کا گھر ہے جس کو آخرت کا وہ گھر ملنے والا نہیں ہے جو ہمیشہ رہنے والا ہے، جس پر ہمیشہ قبضہ رہے گا، وہ گھر کبھی ہاتھ سے نکلنے والا نہیں، لہٰذا آخرت میں جس کا گھر نہ ہو، وہ اس دنیا کو اپنا گھر بنائے۔

دنیا کو دل و دماغ پر حاوی نہ ہونے دو

پھر آگے دوسرا جملہ ارشاد فرمایا کہ اس کے لئے وہ شخص مال و دولت جمع کرتا ہے جس کو عقل نہ ہو۔ ان احادیث سے درحقیقت یہ بتلانا مقصود ہے کہ اس میں ضرور رہو، لیکن اس کی حقیقت سمجھ کر رہو، اس کو اپنے سوچ اور خیالات پر حاوی نہ ہونے دو، بلکہ یہ سمجھو کہ یہ دنیا راستے کی ایک منزل ہے جیسے تیسے گزر ہی جائے گی، لیکن اصل فکر آخرت کی ہونی چاہئے، یہ نہ ہو کہ صبح سے لے کر شام تک اسی کی دھن اور دھیان ہے، اسی کی سوچ اور اسی کی فکر ہے، یہ مسلمان کا کام نہیں، مسلمان کا کام تو یہ ہے کہ بقدر ضرورت دنیا کو اختیار کرے اور زیادہ فکر آخرت کی کرے۔

دل میں دنیا ہونے کی ایک علامت

دل میں دنیا کی محبّت ہے یا نہیں، اس کی پہچان اور علامت کیا ہے؟ اس کی پہچان یہ ہے کہ یہ دیکھو کہ صبح سے لے کر شام تک تمہاری فکر اور سوچ کیا رہتی ہے، کیا ہر وقت یہ فکر رہتی ہے کہ زیادہ پیسے کہاں سے کمالوں؟ مال کس طرح جمع کرلوں؟ یا اس کا خیال بھی آتا ہے کہ مجھے مرنا بھی ہے، اور اللہ تعالیٰ کے سامنے جواب دینا ہے، اگر مرنے کا خیال اور آخرت کا خیال آتا ہے، پھر تو الحمدللہ، دنیا کی محبّت کی مذمت جو قرآن وحدیث میں وارد ہوئی ہے، وہ آپ کے دل میں نہیں۔ ہاں! اگر صبح سے لے کر شام تک دل و دماغ پر یہی چھایا ہوا ہے کہ کس طرح دنیا جمع کرلوں تو پھر وہ آخرت کو بھولے ہوئے ہے اور دنیا کی محبّت اس کے دل میں بیٹھی ہوئی ہے۔

ایک سبق آموز قصّہ

حضرت شیخ سعدی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی کتاب ''گلستان'' میں ایک قصّہ لکھا ہے کہ میں ایک مرتبہ سفر کر رہا تھا، سفر کے دوران میں نے ایک تاجر کے گھر میں قیام کیا، اس تاجر نے ساری رات میرا دماغ چاٹا اور اپنی تجارت کے قصّے مجھے سناتا رہا کہ فلاں جگہ میری یہ تجارت ہے، ہندوستان میں فلاں کاروبار ہے، ایران میں فلاں چیز کا کاروبار ہے، خراسان میں فلاں چیز کا کاروبار ہے، وغیرہ وغیرہ، سارے قصّے سنانے کے بعد آخر میں کہنے لگا کہ

میری تمام آرزوئیں تو پوری ہوگئیں، میری تجارت پروان چڑھ گئی ہے، البتہ اب مجھے ایک آخری سفر تجارت کے لئے کرنے کا ارادہ ہے، آپ دعا کردیجئے کہ میرا وہ سفر کامیاب ہو جائے تو اس کے بعد قناعت کی زندگی اختیار کرلوں گا اور بقیہ زندگی دکان پر بیٹھ کر گزارلوں گا۔

شیخ سعدی رحمۃ اللہ علیہ نے اس سے پوچھا کہ وہ آخری سفر کہاں کا ہے؟ اس نے جواب دیا کہ میں یہاں سے فلاں سامان خرید کر چین جاؤنگا، وہاں اس کو فروخت کروں گا، پھر چین سے چینی شیشہ خرید کر روم لے جا کر فروخت کروں گا، اس لئے کہ چینی شیشہ روم میں اچھے داموں میں فروخت ہوتا ہے، پھر روم سے فلاں سامان لے کر اسکندریہ جاؤں گا اور وہاں اس کو فروخت کروں گا، پھر اسکندریہ سے قالین ہندوستان لے جا کر فروخت کروں گا، اور ہندوستان سے گلاس خرید کر حلب لے جا کر فروخت کروں گا، وغیرہ وغیرہ۔ اس طرح اس نے ساری دنیا کے طویل سفر کا منصوبہ پیش کیا اور کہا کہ دعا کرو کہ میرا یہ منصوبہ کسی طرح پورا ہو جائے تو اس کے بعد بقیہ زندگی قناعت کے ساتھ اپنی دکان پر گزاردوں گا۔ یعنی یہ سب کچھ کرنے کے بعد بھی بقیہ زندگی دکان پر گزارے گا۔

شیخ سعدی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ یہ سب کچھ سننے کے بعد میں نے اس سے کہا کہ ؎

آں شنیدہ ستی کہ در صحرائے غور
رختِ سالار افتادہ اسپ طور

گفت چشم تنگِ دنیا دار را
یا قناعت پُر کند یا خاک گور

میں نے اس سے کہا کہ تم نے یہ قصہ سنا ہے کہ غور کے صحراء میں ایک بہت بڑے سوداگر کا سامان اس کے خچر سے گرا ہوا پڑا تھا، اس کا خچر بھی مرا ہوا پڑا تھا اور خود وہ سوداگر بھی مرا ہوا پڑا تھا، اور وہ سامان اپنی زبانِ حال سے یہ کہہ رہا تھا کہ دنیا دار کی تنگ نگاہ کو یا قناعت پر کر سکتی ہے یا قبر کی مٹی پر کر سکتی ہے، اس کی تنگ نگاہ کو تیسری کوئی چیز پر نہیں کر سکتی۔ شیخ سعدیؒ فرماتے ہیں کہ جب یہ دنیا انسان کے اوپر مسلّط ہو جاتی ہے تو اس کے دل میں دنیا کے سوا دوسرا خیال نہیں آتا۔ یہ ہے "حبِ دنیا" جس سے منع کیا گیا ہے۔ اگر یہ "حُبِ دنیا" نہ ہو اور پھر اللہ تعالیٰ اپنی رحمت سے مال دیدے اور اس مال کے ساتھ دل اٹکا ہوا نہ ہو اور وہ مال اللہ تعالیٰ کے احکام کی پیروی میں رکاوٹ نہ بنے، بلکہ وہ مال اللہ تعالیٰ کے احکام بجالانے میں صرف ہو، تو پھر وہ مال دنیا نہیں ہے بلکہ وہ مال بھی آخرت کا سامان ہے۔ لیکن اگر اس مال کے ذریعہ آخرت کے کاموں میں رکاوٹ پیدا ہوگئی تو وہ حُبِ دنیا ہے جس سے روکا گیا ہے۔ یہ ساری تفصیل کا خلاصہ ہے۔

دنیا کی محبّت دل سے نکالنے کا طریقہ

البتہ "حُبِ دنیا" کو دل سے نکالنے اور آخرت کی فکر دل میں پیدا کرنے کا راستہ یہ ہے کہ چوبیس گھنٹے میں سے تھوڑا سا وقت نکال کر اس بات کا

مراقبہ کیا کرو۔ ہم لوگ غفلت میں دن رات گزار رہے ہیں، مرنے سے غافل ہیں، اللہ تعالیٰ کے سامنے پیش ہونے سے غافل ہیں، حساب و کتاب سے غافل ہیں، جزا وسزا سے غافل ہیں، آخرت سے غافل ہیں، لہٰذا ہم لوگ ان چیزوں کا خیال بھی نہیں لاتے، اس لئے تھوڑا سا وقت نکال کر ہر شخص مراقبہ کیا کرے کہ ایک دن مروں گا، کس طرح اللہ تعالیٰ کے سامنے میری پیشی ہوگی؟ کیا سوال ہونگے اور مجھے کیا جواب دینا ہوگا؟ ان سب باتوں کا استحضار کرے۔ حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ اگر کوئی آدمی روزانہ ان باتوں کا مراقبہ کیا کرے تو چند ہی ہفتوں میں انشاء اللہ وہ یہ محسوس کرے گا کہ دنیا کی محبّت دل سے نکل رہی ہے۔ اللہ تعالیٰ اپنی رحمت سے مجھے اور آپ سب کو اس پر عمل کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین۔

وَآخِرُ دَعْوَانَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ

سچی طلب پیدا کریں

شیخ الاسلام حضرت مولانا مفتی محمد تقی عثمانی صاحب مدظلہم

ضبط و ترتیب
محمد عبد اللہ میمن

میمن اسلامک پبلشرز
۱۸۸/۱۔ لیاقت آباد، کراچی ۱۹

موضوع خطاب :

مقام خطاب : جامع مسجد بیت المکرّم
گلشن اقبال کراچی

وقت خطاب : بعد نماز عصر تا مغرب

اصلاحی خطبات : جلد نمبر ۱۲

صفحات :

سچی طلب پیدا کریں

اور

فضول سوالات و بحث و مباحثہ سے بچیں

الحمد للّٰہ نحمدہ و نستعینہ ونستغفرہ و نؤمن بہ ونتوکل علیہ، ونعوذ باللّٰہ من شرور انفسنا ومن سیآت اعمالنا من یھدہ اللّٰہ فلا مضل لہ ومن یضللہ فلا ھادی لہ، ونشھدان‌لاالٰہ الّااللّٰہ وحدہ لاشریک لہ، ونشھد ان سیدنا و سندنا ونبینا و مولانا محمداً عبدہ و رسولہ، صلی اللّٰہ تعالیٰ علیہ وعلی الہ واصحابہ وبارک وسلم تسلیماً کثیراً —

أمّا بعد!

عن وراد قال کتب المغیرۃ إلی معاویۃ سلام علیک أمّابعد فإنی سمعت رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ

وسلم يقول : إن الله حرم ثلاثاً ونهى عن ثلاث حرم حقوق الوالد و وأدالبنات ولاوهات ونهى عن ثلاث قيل وقال و كثرة السؤال واضاعة المال

(مسلم: باب النہی عن کثرۃ المسائل من غیر حاجۃ ۲/۷۶)

چھوٹے سے علم سیکھنا

ایک مرتبہ حضرت معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے حضرت مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو خط لکھا کہ مجھے کوئی ایسی بات لکھ کر بھیجئے جو آپ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنی ہو۔ حضرت معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ شام کے حاکم تھے اور بعد میں پورے عالم اسلام کے خلیفہ بن گئے۔ اور حضرت مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ ایک مخصوص علاقہ کے گورنر تھے، دونوں صحابی ہیں، حضرت معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ بھی صحابی ہیں اور حضرت مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ بھی صحابی ہیں، لیکن حضرت معاویہؓ نے حضرت مغیرہ ابن شعبہؓ کو خط لکھا جو بظاہر ان کے ماتحت ہیں۔

اس خط میں یہ لکھا کہ آپ مجھے کچھ ایسی باتیں لکھ کر بھیجئے جو نبی کریم سرور دوعالم صلی اللہ علیہ وسلم سے آپ نے سنی ہوں۔ اب ذرا غور فرمایئے کہ ایک طرف حضرت معاویہؓ خود صحابی ہیں اور صحابی بھی وہ جو کاتبِ وحی ہیں، یعنی ان صحابہ کرامؓ میں سے ہیں کہ جب کوئی وحی نازل ہوتی اور قرآن کریم نازل ہوتا تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم جن صحابہ کرامؓ کو قرآن کریم لکھوایا کرتے تھے ان میں سے حضرت معاویہؓ ہیں، تو خود صحابی ہیں، آپ ﷺ کی صحبت اٹھائی ہے، آپ ﷺ کی باتیں سنی ہیں، اس کے باوجود دوسرے صحابی سے محتاج بن

کر پوچھ رہے ہیں کہ آپؓ نے جو کچھ بات رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنی ہو وہ مجھے بتایئے۔

علم احتیاج چاہتا ہے

آج اگر کوئی دو آدمی ہم مرتبہ بھی ہوں، ایک ہی استاذ کے شاگرد ہوں، ایک ہی شیخ کے مرید ہوں، دونوں نے اپنے اپنے استاذ اور شیخ کی صحبتیں اٹھائی ہوں، تو ہر ایک اپنے کو دوسرے سے بے نیاز سمجھتا ہے کہ مجھے بھی وہی بات حاصل ہے جو اس دوسرے کو حاصل ہے۔ لیکن حضراتِ صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم اجمعین اپنے آپ کو اس معاملہ میں ہمیشہ محتاج سمجھتے تھے، کیونکہ ہو سکتا ہے کہ دوسرے نے کوئی ایسی بات نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے سُن لی ہو جو میں نہیں سُن سکا، اس لئے حضرت معاویہؓ نے حضرت مغیرہ بن شعبہؓ سے فرمایا کہ تم نے جو بات نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے سنی ہو وہ مجھے بتایئے تاکہ میرے علم میں اضافہ ہو۔ معلوم ہوا کہ علم نہ کسی کی جاگیر ہے اور نہ کسی کی جائیداد ہے اور نہ کوئی شخص علم کے معاملے میں کبھی بے نیاز ہو سکتا ہے۔ ہمیشہ انسان کو طالبِ علم رہنا چاہئے کہ ہر وقت اس کے اندر یہ طلب رہے اور یہ جستجو رہے کہ میرے علم میں اضافہ ہو، چاہے اس کے لئے مجھے کسی چھوٹے ہی سے رجوع کرنا پڑے، لیکن اس کے ذریعہ اگر میرے علم میں اضافہ ہو جائے تو یہ میرے لئے سعادت کی بات ہے۔ لہذا کبھی علم کے معاملے میں اور دین کے معاملے میں اپنے آپ کو بے نیاز نہیں سمجھنا چاہئے۔

جو لوگ اپنے آپ کو بڑا عالم سمجھتے ہیں کہ ہم نے بڑا علم حاصل کرلیا، ان کے اندر یہ روگ اور بیماری ہوتی ہے کہ وہ دوسرے سے علم حاصل کرنے

کے معاملے میں اپنے آپ کو بے نیاز سمجھتے ہیں کہ مجھے اس کے پاس جانے کی کیا ضرورت ہے۔ مجھے ان سے پوچھنے کی کیا ضرورت ہے؟، لیکن اللہ تبارک و تعالیٰ کی سنّت یہ ہے کہ بعض اوقات چھوٹے کے دل پر وہ بات جاری فرمادیتے ہیں جو بڑوں کے دل میں نہیں آتی۔

حضرت مفتی اعظمؒ اور طلب علم

میرے والد ماجد حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحب قدس اللہ سرہ، مفتی اعظم پاکستان، جن کی ساری عمر پڑھنے پڑھانے میں گزری، دارالعلوم دیوبند میں پڑھا اور وہیں پڑھایا۔ وہاں دارالافتاء کے صدر مفتی رہے۔ ایک دن فرمانے لگے کہ:

> "میں جب کبھی کہیں جا رہا ہوتا ہوں، اور دیکھتا ہوں کہ کہیں کوئی واعظ وعظ کہہ رہا ہے یا تقریر کر رہا ہے، چاہے کتنی ہی جلدی میں ہوں لیکن تھوڑی ہی دیر کو اس کی بات سننے کے لئے ضرور کھڑا ہو جاتا ہوں۔ اس لئے کہ کیا پتہ اللہ تبارک و تعالیٰ اس کی زبان پر کوئی ایسی بات جاری فرما دے جو میرے لئے فائدے مند ہو جائے۔"

یہ کون کہہ رہا ہے؟ مفتی اعظم پاکستان جن کے پاس لوگ دن رات دین حاصل کرنے کے لئے آتے ہیں، بڑے بڑے علماء اپنی مشکلات کو حل کرنے کے لئے آتے ہیں۔ یہ ہے علم کی طلب، حالانکہ عام طور پر ان کے زمانہ میں جو واعظ وعظ کہا کرتے تھے وہ سب ان کے چھوٹے، ان کے شاگرد یا شاگردوں کے شاگرد یا شاگردوں کے شاگردوں کے شاگرد ہوتے تھے۔ لیکن اس

لئے تھوڑی دیر کیلئے کھڑے ہوجاتے تھے کہ شاید ان کے منہ سے اللہ تبارک و تعالیٰ کوئی ایسی بات کہلوادے جو میرے علم میں نہ ہو اور اس سے مجھے فائدہ پہنچے۔

حضرت مفتی اعظمؒ کا قولِ زرّیں

اور پھر فرمایا کہ:

"بھائی! در حقیقت علم عطاء کرنا اور فائدہ پہنچانا، یہ نہ استاذ کا کام ہے، نہ واعظ کا کام ہے، نہ مقرر کا کام ہے، یہ تو کسی اور کی عطاء ہے۔ علم تو وہ (اللہ) دینے والا ہے، وہ کسی بھی ذریعہ سے دیدے، کسی کو بھی واسطہ بنا دے۔ اگر کوئی آدمی طالب بن کر طلبِ صادق لے کر جاتا ہے تو اللہ تبارک و تعالیٰ استاذ کے دل پر ایسی بات جاری فرما دیتے ہیں جو اس کے لئے فائدہ مند ہوتی ہے، ورنہ کسی میں مجال ہے کہ وہ دوسرے کو کوئی نفع پہنچا دے، کائنات میں کوئی فرد ایسا نہیں ہے جو اپنی ذات سے دوسرے کو فائدہ پہنچا دے جب تک اللہ جلّ جلالہ کی توفیق نہ ہو اور جب تک اللہ تبارک و تعالیٰ ارادہ نہ فرمائیں۔ وہ اگر چاہیں تو ایک جملہ سے فائدہ پہنچا دیں، اور وہ نہ چاہیں تو لمبی چوڑی تقریریں بیکار رہ جائیں۔"

اسی لئے ہمیشہ ہمارے بزرگوں کا یہ مقولہ رہا ہے کہ:

"طالب کی طلب کی برکت سے کہنے والے کے دل میں اور اس کی زبان پر اللہ تعالیٰ ایسی بات جاری فرما دیتے ہیں کہ

سننے والوں کے لئے فائدہ مند ہو جاتی ہے۔"

حضرت تھانویؒ کی مجلس کی برکات

حضرت حکیم الامّت مولانا اشرف علی صاحب تھانوی قدس اللہ سرہ (اللہ تعالیٰ ان کے درجات بلند فرمائے، آمین) ان کے بارے میں یہ بات مشہور تھی کہ ان کی مجلس میں جانے والے اگر دل میں کوئی کھٹک لے کر جائیں یا کوئی سوال لے کر جائیں اور پھر چاہے حضرتؒ کی مجلس میں جاکے ویسے ہی خاموش بیٹھ جائیں، اللہ تبارک و تعالیٰ کے فضل و کرم سے ان کی زبان پر وہ بات جاری ہو جائے گی اور کھٹک دور ہو جائے گی۔ چنانچہ حضرتؒ نے ایک دن خود فرمایا کہ:

> "لوگ سمجھتے ہیں کہ یہ میری کرامت ہے کہ میری زبان سے ان کے سوالات کا جواب مل جاتا ہے۔ فرمایا کہ اصل بات یہ ہے کہ سوال کا جواب دینا اور سوال کرنے والے کی تشفّی کرنا یہ تو اللہ جلّ جلالہ کا کام ہے، جب کوئی بندہ طالب بن کر جاتا ہے تو اللہ تعالیٰ کہنے والے کے دل میں خود سے وہ بات ڈال دیتے ہیں، وہ سمجھتا ہے کہ اس کو میرے سوال کا پتہ چل گیا ہے اور اس نے یہ بات کہدی۔ اور بعض اوقات غلو کرکے اس کے بارے میں لوگ یہ کہنا شروع کر دیتے ہیں کہ اس کو کشف ہوتا ہے، کوئی الہام ہوتا ہے، کوئی علمِ غیب حاصل ہے (العیاذ باللہ) حالانکہ کسی کو نہ کچھ علم غیب ہے اور نہ اپنی ذات کے اندر کسی کو نفع پہنچانے کی طاقت ہے بلکہ اللہ تعالیٰ طالب کی طلب کی برکت سے اس کی زبان پر وہ بات جاری فرما

دیتے ہیں۔"

بہر حال، یہ طلب بڑی چیز ہے۔

مولانا رومی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ: ؎

آب کم جو تشنگی آور بدست
تا بجوشد آیت از بلا وپست

کہ پانی کم ڈھونڈو، پیاس زیادہ پیدا کرو، جب پیاس زیادہ پیدا ہو گی تو اللہ تبارک و تعالیٰ اوپر اور نیچے سے تمہارے لئے پانی آبال دیں گے۔

تو یہ پیاس بڑی عجیب و غریب چیز ہے، جب اللہ تبارک و تعالیٰ کسی کو عطاء فرما دیتے ہیں تو پھر اللہ تبارک و تعالیٰ مختلف ذرائع سے اس کی پیاس کو بجھانے کا سامان فرما دیتے ہیں۔ لیکن اصل چیز طلب ہے۔

آگ مانگنے کا واقعہ

حضرت حاجی امداد اللہ صاحب مہاجر مکّی قدس اللہ سرہٗ اس کی مثال دیتے تھے کہ ایک عورت تھی، اس کے گھر میں آگ کی ضرورت تھی۔ پہلے زمانہ میں آگ جلانا ایک مسئلہ ہوتا تھا، اب تو ذرا سا چولہے کا بٹن دبایا اور آگ جل گئی، لیکن پہلے زمانہ میں آگ جلانا ایک مسئلہ ہوتا تھا، پہلے جنگل سے لکڑیاں جمع کر کے لاؤ، پھر ان کو جلاؤ، پھونکنی سے اس کے اندر پھونک مارو، تب جا کر کہیں آگ سلگتی تھی، اور اس میں کافی وقت لگ جاتا تھا۔ تو عورتیں یہ کرتی تھیں کہ جب آگ کی ضرورت ہوتی اور اپنے گھر میں آگ نہ ہوتی تو اپنی پڑوسن سے مانگ لیتی تھیں کہ بہن! اگر تمہارے ہاں آگ جل رہی ہو تو ایک انگارا دیدو، پھر وہ کڑچھے میں آگ لے کر اپنے چولہے کو جلا لیا کرتی تھیں۔ بہر

حال، اس عورت نے اپنی پڑوسن سے کہا کہ بی بی! میرے گھر میں آگ ختم ہو گئی ہے، اگر تمہارے گھر میں آگ ہو تو دیدو۔ پڑوسن نے کہا کہ بی بی میں ضرور دیدیتی مگر میرا چولہا تو خود ہی ٹھنڈا ہے، چولہے میں آگ نہیں ہے۔ مانگنے والی نے کہا کہ اگر اجازت دو تو میں ذرا راکھ کو کرید کر دیکھ لوں، ہو سکتا ہے کوئی چنگاری مل جائے۔ پڑوسن نے کہا کہ ہاں دیکھ لو۔ چنانچہ اس عورت نے چولہے کی راکھ کو کرید کے دیکھا تو اندر ایک چھوٹی سی چنگاری مل گئی، تو خاتون نے کہا کہ مجھے تو چنگاری مل گئی، میرا مقصد حاصل ہو گیا اور میں اس سے اپنا کام چلالوں گی، وہ لے کر چلی گئی اور جا کے اس سے آگ جلالی۔

طلب کی چنگاری پیدا کرو

حضرت حاجی امداد اللہ صاحب مہاجر مکیؒ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ دیکھو! اس نے جب چولہے کو کریدا تو کریدنے کے نتیجے میں اندر سے چنگاری نکل آئی اور اس سے آگ بن گئی، لیکن اگر کوئی معمولی سی چنگاری بھی نہ ہوتی تو پھر اس کو ہزار کریدتی رہتی، مگر اس سے کچھ بھی نہ بنتا اور نہ آگ سلگتی، لیکن چونکہ چنگاری تھی تو اس کو کریدنے سے اور اس کو ذرا سا دوسری لکڑیوں پر استعمال کرنے سے وہ آگ بن کر بھڑک گئی اور پورا چولہا جل پڑا۔ تو حضرت فرماتے ہیں کہ جب کوئی شخص کسی استاذ یا شیخ کے پاس جاتا ہے تو اگر اندر چنگاری ہے تو شیخ اس کو کرید کر اس کو آگ بنادے گا، لیکن اگر اندر چنگاری ہی نہیں ہے تو وہ شیخ اور استاذ ہزار کریدتا رہے اور ہزار اس کے اندر محنت کرتا رہے، مگر چونکہ اندر چنگاری ہے نہیں، اس لئے وہ آگ نہیں بنتی۔ اور یہ چنگاری طلب کی چنگاری ہے، جستجو کی چنگاری ہے۔ اگر انسان کے اندر علم حاصل کرنے کی طلب ہو، اس کے بعد وہ استاذ کے پاس جائے گا تو وہ کریدے گا تو اللہ تبارک و تعالیٰ

کے فضل و کرم سے وہ چنگاری آگ بن جائے گی، لیکن اگر طلب ہی نہ ہو تو کچھ بھی نہیں ہوگا۔ تو یہ درحقیقت اللہ جلّ جلالہ کی سنّت ہے کہ جب کوئی بندہ کسی کے پاس طلب لے کر جاتا ہے تو دینے والے تو وہ ہیں، قلب پر وہ جاری فرما دیتے ہیں۔

درس کے دوران طلب کا مشاہدہ

جو لوگ دین کے علوم پڑھاتے ہیں، ان کو اس بات کا تجربہ ہے۔ مثلاً رات کو اگلے دن پڑھانے والے سبق کا مطالعہ کیا، اس کی تیاری کی، تیاری کرکے درس گاہ میں گئے، جب پڑھانا شروع کیا تو عین سبق کے دوران ایسی بات دل میں آتی ہے کہ رات کو گھنٹوں تیاری کرنے کے باوجود ذھن میں نہیں آئی تھی، لیکن پڑھاتے پڑھاتے ذھن میں آگئی۔ وہ کہاں سے آئی ہے؟ وہ کسی طالب کی طلب کی برکت ہوتی ہے کہ کوئی طالب سچّی طلب لے کر آیا تھا، اللہ تبارک و تعالیٰ نے اس کی برکت سے وہ بات دل میں ڈال دی جو خود سے سمجھ میں نہیں آ رہی تھی۔ اسی لئے حضرت والد صاحب قدس اللہ سرہ فرماتے تھے کہ بھائی! جب کوئی شخص وعظ کہہ رہا ہو تو اپنے آپ کو بے نیاز نہ سمجھو، کیا پتہ اگر تم سچّی طلب لے کر گئے تو اس کی زبان سے اللہ تبارک و تعالیٰ ایسی بات جاری فرمادیں جو تمہارے لئے نفع کا سامان بن جائے۔

کلام میں تاثیر من جانب اللہ ہوتی ہے

ایک اور بات حضرت فرماتے تھے وہ یہ ہے کہ یہ بھی اللہ جلّ جلالہ کی طرف سے معاملہ ہوتا ہے کہ کسی وقت کسی بات میں اللہ تبارک و تعالیٰ ایسی تاثیر پیدا فرمادیتے ہیں کہ اس بات میں دوسرے وقت میں وہ تاثیر نہیں ہوتی،

وہ بھی کسی طالب کی برکت ہے۔ کسی نے ایک وقت میں ایک جملہ کہا، اس کا ایسا اثر ہوا کہ دل پلٹ گیا، وہی جملہ کوئی دوسرا آدمی کسی دوسرے وقت میں کہہ دے تو بعض اوقات اس کا وہ اثر ظاہر نہیں ہوتا۔ تو کیا پتہ میں جس وقت جارہا ہوں، اس وقت اللہ تبارک و تعالیٰ اس کی زبان پر کوئی ایسی بات جاری فرمادیں جو اس لمحے میں میرے لئے مؤثر ہو۔

حضرت فضیل بن عیاضؒ کا واقعہ

حضرت فضیل بن عیاض رحمۃ اللہ علیہ آج ہم جن کو اولیاء اللہ میں شمار کرتے ہیں، چنانچہ اولیاء کرامؒ کا جو شجرہ ہے اس میں فضیل بن عیاضؒ سرِفہرست آتے ہیں۔ دراصل یہ ڈاکو تھے، ڈاکے ڈالا کرتے تھے اور ایسے ڈاکو تھے کہ مائیں بچوں کو ڈرایا کرتی تھیں کہ بیٹا سو جاؤ ورنہ کہیں فضیل نہ آجائے، اور قافلے گزرتے تھے اور یہ قافلوں کو لوٹتے تھے اور قافلے والے جب کہیں پڑاؤ ڈالتے تو کہتے تھے کہ یہ فضیل کا علاقہ ہے، کہیں ایسا نہ ہو کہ فضیل یا اس کے آدمی آکر ہمیں لوٹ لیں۔ ایک دن کسی کے گھر پر ڈاکہ ڈالنے کے لئے گئے، آخر شب کا وقت تھا، وہاں اللہ کا کوئی بندہ قرآن کریم کی تلاوت کر رہا تھا، قرآن کریم کی تلاوت کرتے ہوئے یہ آیت تلاوت کی کہ:

اَلَمْ يَأْنِ لِلَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اَنْ تَخْشَعَ قُلُوْبُهُمْ لِذِكْرِ اللّٰهِ
وَمَانَزَلَ مِنَ الْحَقِّ ○

(سورۃ الحدید، آیت ۱۶)

قرآن کریم کے بھی اندازِ خطاب عجیب و غریب ہوتے ہیں یعنی:

ترجمہ: کیا ایمان والوں کے لئے اب بھی وقت نہیں آیا کہ ان کے دل اللہ کے ذکر کے آگے پسیج جائیں اور اللہ نے جو حق

بات نازل فرمائی ہے اس کے آگے وہ اپنے آپ کو سر تسلیم خم کرلیں، کیا اب بھی وقت نہیں آیا۔

ڈاکہ ڈالنے جارہے ہیں اور ڈاکہ ڈالنے کے لئے کمند لگائی ہوئی ہے، کان میں قرآن کریم کی یہ آیت پڑگئی، بس اس لمحے میں اللہ تعالیٰ نے کیا تاثیر رکھی تھی، حالانکہ ہزار مرتبہ خود بھی یہ آیت پڑھی ہوگی، آخر کو مسلمان تھے، قرآن پڑھا ہی ہوگا، لیکن اس وقت میں جب اس آدمی کی زبان سے یہ آیت کریمہ سنی تو اس نے ایک انقلاب برپا کردیا، اسی وقت اسی لمحے دل میں آیا کہ میں ڈاکہ ڈالنا اور سارے غلط کام چھوڑتا ہوں اور وہیں سے یہ کہتے ہوئے واپس ہوئے کہ:

بَلٰی یَارَبِّ قَدْ آن

ترجمہ: اے پروردگار! اب وہ وقت آگیا:

اور سارا ڈاکہ چھوڑ دیا۔ پھر اللہ تعالیٰ نے وہ مقام بخشا کہ اتنے بڑے اولیاء میں سے ہیں کہ آج سارے اولیاء اللہ کا شجرہ ان سے جاکر ملتا ہے۔

کس لمحے میں کس آدمی کی زبان سے نکلی ہوئی کونسی بات اثر کرجائے یہ انسان پہلے سے اندازہ نہیں کرسکتا، اس لئے کبھی بھی اپنے آپ کو کسی دوسرے کی نصیحت سے بے نیاز نہ سمجھیں، کیا معلوم، اللہ تبارک و تعالیٰ کس بات سے اصلاح فرمادیں، یہی معاملہ حضراتِ صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کا تھا۔

اب دیکھئے کہ حضرت معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ باوجود اونچے درجے پر ہونے کے اپنے ماتحت کو خط لکھ رہے ہیں کہ مجھے کوئی ایسی بات لکھئے جو آپ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنی ہو۔

ان کے جواب میں حضرت مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے بھی یہ تکلف نہیں کیا کہ حضرت !آپ تو مجھ سے بڑے عالم ہیں، آپ کو میں کیا لکھوں بلکہ میں زیادہ محتاج ہوں، آپ مجھے لکھئے۔ اس قسم کے الفاظ نہیں لکھے بلکہ یہ سوچا کہ جو میرے علم میں ہے وہ میں بتا دیتا ہوں، چنانچہ انہوں نے بھی خط میں لکھ دیا، اب سنئے کیا حدیث لکھی:

حضرت مغیرہ بن شعبہؓ نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا جو ارشاد خط میں لکھ کر بھیجا وہ تین سطریں بھی پوری نہیں ہیں، بلکہ ڈھائی سطروں میں آیا ہے۔ عام طور پر اگر کوئی آدمی سوچے کہ ایک بڑا آدمی مجھے کہہ رہا ہے کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد مجھے لکھ کر بھیجو تو یہ اتنا بڑا آدمی ہے اس کو چھوٹی سی بات لکھ کر کیا بھیجوں؟ کوئی لمبی چوڑی تقریر ہو، کوئی لمبا چوڑا وعظ ہو، کوئی لمبے چوڑے ارشادات ہوں۔ لیکن انہوں نے ڈھائی سطروں میں مختصر سی بات لکھ کر بھیج دی کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ بات سنی اور حضرت معاویہ بھی مطمئن ہوگئے۔ کیوں؟ اس لئے کہ اعتبار اس کا نہیں ہے کہ کتنی لمبی بات کہی جارہی ہے، کتنا وقت لیا جارہا ہے؟ اعتبار اس کا ہے کہ کیا بات کہی جارہی ہے؟ وہ بات مختصر ہی سہی لیکن نافع ہے تو اس کو انسان پلے باندھ لے اور اس پر عمل کرے تو اس کی نجات ہو جائے گی، لمبی چوڑی تقریروں کی حاجت نہیں، لمبے چوڑے بیانات کی بھی حاجت نہیں۔ لہذا اگر پوچھنے والے کے دل میں طلب ہو اور کہنے والے کے دل میں اخلاص ہو تو اللہ تعالیٰ ایک جملے سے فائدہ پہنچا دیتے ہیں، اور اگر (خدانہ کرے) سننے والے کے دل میں طلب نہ ہو، یا کہنے والے کے دل میں اخلاص نہ ہو تو گھنٹوں تقریر

کرتے رہو، ایک کان سے بات داخل ہو جائے گی اور دوسرے کان سے نکل جائے گی، دل پر اثر انداز نہیں ہو گی۔ لیکن جب اخلاص ہو تو چھوٹی بات بھی کار آمد ہو جاتی ہے۔

مختصر حدیث کے ذریعہ نصیحت

چنانچہ حضرت مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے یہ چھوٹی سی حدیث بطور نصیحت کے لکھ کر بھیج دی کہ:

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم چھ چیزوں سے منع فرمایا کرتے تھے، مقصد یہ تھا کہ ان کو اگر پلّے باندھ لو گے تو ان شاء اللہ اس سے آپ کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشاد کا فائدہ پہنچ جائے گا، وہ چھ چیزیں کیا ہیں جن سے منع فرمایا؟

چھ چیزیں

وہ چھ چیزیں یہ ہیں:

﴿۱﴾ عَنْ قِيْلَ وَقَالَ

قیل و قال سے اور فضول بحث و مباحثہ سے منع فرماتے تھے۔

﴿۲﴾ وَإِضَاعَةِ الْمَالِ

اور مال کو ضائع کرنے سے منع فرماتے تھے۔

﴿۳﴾ وَكَثْرَةِ السُّوَالِ

اور سوال کی کثرت سے کہ ہر وقت آدمی سوال ہی کرتا

رہے، اس سے منع فرماتے تھے۔

﴿۴﴾ وَعَنْ مَنْعٍ وَهَاتِ

اور اس بات سے منع فرماتے تھے کہ آدمی دوسروں کو تو دے نہیں اور خود مانگتا رہے۔

﴿۵﴾ وَعُقُوقِ الْأُمَّهَاتِ

اور ماؤں کی نافرمانی سے منع فرماتے تھے۔

﴿۶﴾ وَعَنْ وَأْدِ الْبَنَاتِ

اور لڑکیوں کو زندہ درگور کرنے سے منع فرماتے تھے۔

یہ چھ چیزیں لکھ کر حضرت مغیرہ بن شعبہؓ نے بھیجیں کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان چھ چیزوں سے منع فرمایا ہے۔ اب ان چھ چیزوں کی تھوڑی سی تفصیل سن لیجئے۔

پہلی چیز: فضول بحث و مباحثہ

پہلی چیز کہ جس سے رسول کریم سرور دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے منع فرمایا ہے وہ قیل و قال ہے یعنی فضول بحث و مباحثہ جس کا کوئی نتیجہ برآمد نہیں ہوتا، اسی میں فضول کی گفتگو بھی داخل ہے، یہ ایسی چیز ہے کہ جس سے رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے منع فرمایا۔ اب بظاہر تو یہ کوئی گناہ کی بات نہیں ہو رہی ہے، وقت گزاری ہو رہی ہے، اور فضول گفتگو ہو رہی ہے، بحث و مباحثہ کسی بات پر چل رہا ہے۔

وقت کی قدر کرو

لیکن اس لئے منع فرمایا کہ اللہ جلّ جلالہ نے ہمیں اور آپ کو جو زندگی عطا فرمائی ہے، اس کا ایک ایک لمحہ بڑی عظیم دولت ہے، ایک ایک لمحہ اس کا قیمتی ہے، کچھ پتہ نہیں کب یہ زندگی چھن جائے اور کب ختم ہو جائے۔ اور یہ اس لئے ملی ہے تاکہ انسان اس زندگی کے اندر اپنی آخرت کی بہتری کا سامان کرے، جس انسان کے اندر ذرا بھی عقل ہوگی وہ اپنی زندگی کے لمحات کو اور اس قیمتی دولت کو اصل مقصد کے حاصل کرنے کے لئے خرچ کرے گا، اور بے کار اور بے مصرف کاموں میں خرچ کرنے سے بچے گا۔ اب فرض کرو کہ اگر کسی نے ایسا کام کرلیا یا وقت کو ایسے کام میں صرف کرلیا جس کا فائدہ نہ دنیا میں ہے نہ دین میں ہے، تو بظاہر تو لگتا ہے کہ کوئی گناہ کا کام نہیں کیا، لیکن اسی وقت کو اگر وہ صحیح مصرف میں خرچ کرتا تو آخرت کی کتنی نیکیاں اور کتنا اجر و ثواب جمع کرلیتا۔

گویائی عظیم نعمت

اسی طرح اللہ جلّ جلالہ نے ہمیں اور آپ کو گویائی کی قوت عطاء فرمائی ہے۔ یہ اتنی بڑی نعمت ہے کہ ساری عمر انسان سجدہ میں پڑا رہے تو بھی اس کا شکر ادا نہ ہو، ان لوگوں سے پوچھو جو اس گویائی کی قوت سے محروم ہیں، جو بولنا چاہتے ہیں مگر بول نہیں سکتے، اپنی دل کی بات کہنا چاہتے ہیں مگر کہہ نہیں سکتے، ان کے دل میں جذبات پیدا ہوتے ہیں، ان کے دل میں امنگیں پیدا ہوتی ہیں کہ اپنے جذبات کے اظہار کے لئے کچھ کہدیں، مگر کہنے سے محروم ہیں۔ ان سے پوچھو کہ یہ کتنی بڑی نعمت ہے۔ اللہ تبارک و تعالیٰ نے ہمیں اور آپ کو

یہ نعمت عطا فرمائی ہے، اور یہ نعمت ایسی ہے کہ انسان اگر اس کو صحیح مصرف میں خرچ کرے تو نیکی کا پلڑا بھر جاتا ہے اور کتنا اجر و ثواب حاصل ہوتا ہے، اور اسی کو انسان اگر غلط کام میں خرچ کرے، مثلاً گناہ کی بات میں، جھوٹ میں، غیبت میں، دل آزاری میں، تو یہ چیز ایسی ہے کہ اس کے بارے میں حدیث میں آتا ہے کہ:

انسان کو جہنم کے اندر اوندھے منہ گرانے والی کوئی چیز اس سے زیادہ سخت نہیں ہے جتنی انسان کی زبان ہے۔

یہ زبان سب سے زیادہ انسان کو اوندھے منہ گرائے گی۔ اگر زبان قابو میں نہیں ہے، جھوٹ بات زبان سے نکل رہی ہے، غیبتیں نکل رہی ہیں، دل آزاری کی باتیں نکل رہی ہیں تو وہ انسان کو جہنم میں لے جائے گی۔

حضور ﷺ کی نصیحت

حضور اقدس سرور دو عالم نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم جو ہم پر ماں باپ سے زیادہ شفیق اور مہربان ہیں، وہ فرماتے ہیں کہ اگر تم نے اس زبان کو فضول بحث و مباحثہ میں خرچ کرنا شروع کر دیا، جس کا نہ دنیا میں فائدہ ہے اور نہ آخرت میں فائدہ ہے تو تم ایک بڑی دولت کو بلاوجہ ضائع کرنے والے ہوگے۔ کیونکہ جب انسان بحث و مباحثہ میں پڑے گا تو کبھی جھوٹ بھی نکلے گا، غیبت بھی ہوگی، کبھی اور بھی باتیں ہوں گی اور فضول باتوں میں لگا ہوگا، تو گناہ میں بھی مبتلا ہو گا، اور اس کا نتیجہ یہ ہوگا کہ انسان صحیح مصرف میں زبان استعمال کرنے سے محروم ہوتا چلا جائے گا۔ (العیاذ باللہ) اس لئے قیل و قال اور فضول بحث و مباحثہ سے اجتناب کرو۔

صحابہؓ اور بزرگانِ دین کا طرز عمل

حضرات صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین میں حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی تعلیمات کی وجہ سے فضول بحث و مباحثہ کا کوئی تصور نہ تھا۔ وہ اس قول پر عامل تھے کہ:

قل خیراً والا فاصمت

یا تو اچھی بات کہو ورنہ خاموش رہو۔

چنانچہ وہ فضولیات کے اندر پڑتے نہیں تھے۔ اور ہمارے جو بزرگ اولیاء اللہ گزرے ہیں، ان کے ہاں جب کوئی اصلاح کرانے کے لئے جاتا تھا تو اصلاح کے اندر پہلا قدم یہ ہوتا تھا کہ زبان قابو میں کرو اور فضول بحث و مباحثہ سے اجتناب کرو۔

اصلاح کا ایک واقعہ

پہلے بھی شاید آپ کو واقعہ سنایا تھا کہ حضرت مرزا مظہر جان جاناں رحمۃ اللہ علیہ جو بڑے درجہ کے اولیاء اللہ میں سے تھے، دہلی میں ان کی بڑی شہرت تھی، اللہ تعالیٰ نے ان سے دین کا بڑا فیض پھیلایا، دو طالب علم بلخ سے آپ کی شہرت سُن کر حاضر ہوئے، حضرت سے بیعت ہونے اور اصلاح کرانے کا ارادہ تھا، جب حضرت کی مسجد میں پہنچے تو نماز کا وقت ہو رہا تھا تو وضوء کرنے بیٹھ گئے، ایک طالب دوسرے سے کہنے لگا کہ یہ حوض جس سے ہم وضوء کر رہے ہیں یہ بڑا ہے یا وہ جو ہمارے بلخ میں ہے؟ تو دوسرے نے کہا کہ وہ بلخ والا بڑا ہے، اس نے کہا کہ میرے خیال میں یہ دہلی کا حوض بڑا ہے۔ اب اس

موضوع پر دونوں کے درمیان دلائل کا تبادلہ شروع ہوا، ایک کہہ رہا ہے وہ بڑا ہے دوسرا کہہ رہا ہے یہ بڑا ہے۔ حضرت مرزا صاحبؒ بھی وہیں وضو فرمارہے تھے، انہوں نے دیکھا کہ یہ دونوں آدمی اس طرح بحث کر رہے ہیں۔ جب نماز ہوگئی تو یہ حضرت کی خدمت میں حاضر ہوئے تو حضرت نے سوال کیا کہ کیسے آنا ہوا؟ انہوں نے کہا کہ حضرت! آپ سے اصلاحی تعلق قائم کرنے اور بیعت ہونے کے لئے حاضر ہوئے ہیں۔ حضرت نے فرمایا کہ پہلے یہ طے کر لو کہ ہماری مسجد کا حوض بڑا ہے یا بلخ کا حوض بڑا ہے۔ یہ مسئلہ طے کرلو تو پھر آگے بات چلے۔ اب وہ بڑے شرمندہ ہوئے، لیکن حضرت نے فرمایا کہ جب تک یہ اہم مسئلہ طے نہ ہو اس وقت تک بیعت کرنا فضول ہے۔ لہذا پہلے اس حوض کو ناپو، پیمائش کرو اور پھر واپس جاکر اس حوض کو ناپو، اس کے بعد فیصلہ کرو کہ یہ بڑا ہے یا وہ بڑا ہے، جب یہ کام کرلو گے تو پھر تمہیں بیعت کریں گے۔

اور پھر فرمایا کہ تمہاری اس گفتگو سے دو باتیں معلوم ہوئیں، ایک یہ کہ فضول بحث و مباحثہ کرنے کی عادت ہے جس کا کوئی مصرف نہیں، اور دوسری بات یہ کہ بات میں تحقیق نہیں، آپ نے ویسے ہی اندازے سے دعویٰ کرلیا کہ یہ بڑا ہے، اور آپ نے ویسے ہی اندازہ سے دعویٰ کرلیا کہ وہ بڑا ہے، تحقیق کسی نے کی نہیں، تو معلوم ہوا کہ زبان سے بات کرنے میں تحقیق نہیں اور فضول بحث و مباحثہ کی عادت ہے، اس کی موجودگی میں اگر آپ کو کچھ ذکر و اذکار بتاؤں گا تو کچھ حاصل نہیں ہوگا جب تک یہ عادت ختم نہ ہو، اور یہ عادت اسی طرح ختم ہوگی کہ ایک مرتبہ تمہیں سبق مل جائے کہ اس کا کیا نتیجہ ہوتا ہے۔ لہذا واپس جاؤ اور پیمائش کرنے کے بعد پھر واپس آنا تو بات چلے گی۔

آج کل کی پیری مریدی

اب آج کل تو پیری مریدی یہ ہو گئی ہے کہ کچھ اذکار بتا دیئے اور کچھ وظائف بتا دیئے اور خواب کی تعبیر بتا دی، اور یہ بتا دیا کہ فلاں مقصد کے لئے یہ پڑھو اور فلاں مقصد کے لئے یہ پڑھو، یہ پیری مریدی ہو گئی۔ حالانکہ پیری مریدی کا اصل مقصد تھا "اصلاح نفس۔" اب ان کو ساری عمر کے لئے ایسی نصیحت ہو گئی کہ اب آئندہ کسی فضول بحث میں نہیں پڑیں گے۔ ارے بھائی! اگر یہ پتہ بھی چل جائے کہ یہ بڑا ہے یا وہ بڑا ہے تو کیا حاصل؟ دنیا میں کیا فائدہ ہوا؟ اور آخرت میں کیا فائدہ؟ اس لئے یہ چیز انسان کو خواہ مخواہ وقت ضائع کرنے کی طرف لے جاتی ہے اور بالآخر گناہوں میں مبتلا کر دیتی ہے۔ مرزا صاحبؒ نے یہ ایسا سبق دیدیا کہ آئندہ کبھی عمر بھر بحث نہیں کی ہو گی۔

مذہبی بحث و مباحثہ

بعض اوقات یہ بحث و مباحثہ مذہب کے نام پر اور دین کے نام پر ہوتا ہے، ایسے سوالات جو نہ قبر میں پوچھے جائیں گے، نہ حشر میں اور نہ نشر میں، نہ اللہ تبارک و تعالیٰ کے ہاں اس کی پُرسش ہو گی، اس کے اوپر لمبی چوڑی بحث چل رہی ہے۔ اور مناظرے ہو رہے ہیں، اور اس کے نتیجے میں اِدھر کا بھی وقت برباد ہو رہا ہے اور اُدھر کا بھی وقت برباد ہو رہا ہے۔ یہ بحث اور بھی زیادہ خطرناک ہے۔ حضرت امام مالک رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

انّ المراء یذھب بِنُوْرِالعِلْمِ

یہ بحث و مباحثہ علم کے نور کو زائل کر دیتا ہے، علم کا نور ختم کر دیتا ہے۔

فالتو عقل والے

اکبر الہ آبادی مرحوم جو تنزیہ شاعر ہیں لیکن بعض اوقات بڑے حکیمانہ اشعار کہہ دیتے ہیں۔ وہ کہتے ہیں ؎

مذہبی بحث میں نے کی ہی نہیں
فالتو عقل مجھ میں تھی ہی نہیں

مطلب یہ ہے کہ فضول بحث و مباحثہ کا کام وہ کرے جس کے پاس فالتو عقل ہو، اور فالتو عقل مجھ میں تھی ہی نہیں۔ جس مسئلہ کا سوال نہ قبر میں ہو گا، نہ حشر میں، نہ نشر میں، نہ اللہ تبارک و تعالیٰ کبھی پوچھیں گے، اور اُس کے بارے میں لمبی چوڑی بحثیں کر رہے ہیں، اس کے اندر وقت کو ضائع کر رہے ہیں، حالانکہ نبی کریم سرورِ دوعالم صلی اللہ علیہ وسلم نے قیل و قال سے اور فضول بحث و مباحثہ سے منع فرمایا ہے۔ اور افسوس یہ ہے کہ ہمارے معاشرے کے اندر یہ فضول بحث و مباحثہ بے انتہا پھیل گیا ہے، اس کا نتیجہ یہ ہے کہ جو دین کے ضروری مسائل اور احکام تھے اس سے تو لوگ جاہل رہ گئے، اس کا پتہ نہیں اور فضول بحثوں کے اندر پڑے ہیں، تاریخی بحثوں کے اندر مبتلا ہیں۔ مثلاً اب اس میں بحث ہو رہی ہے کہ یزید کی مغفرت ہو گی یا نہیں ہو گی؟ اور وہ فاسق تھا کہ نہیں تھا؟ بھائی! تم سے کوئی قبر میں اس کے بارے میں پوچھے گا؟ یا تم سے پوچھ کر اللہ تعالیٰ اس کی مغفرت کریں گے؟ یا تمہارے اوپر اس کے اعمال کی ذمہ داری عائد ہوتی ہے کہ جس کی وجہ سے اس بات پر بحث ہو رہی ہے کہ اس کی مغفرت ہو گی یا نہیں ہو گی۔

یزید کے فِسق کے بارے میں سوال کا جواب

میرے والد ماجد قدس اللہ سرہ سے کسی نے ایک مرتبہ سوال کیا کہ حضرت! یزید فاسق تھا یا نہیں تھا؟ والد صاحبؒ نے جواب میں فرمایا کہ بھائی میں کیا جواب دوں کہ فاسق تھا یا نہیں تھا، مجھے تو اپنے بارے میں فکر ہے کہ پتہ نہیں میں فاسق ہوں یا نہیں، مجھے تو اپنی فکر ہے کہ پتہ نہیں میرا کیا انجام ہونا ہے، دوسروں کے بارے میں مجھے کیا فکر جو اللہ تبارک و تعالیٰ کے پاس جا چکے ہیں۔ قرآن کریم کا ارشاد ہے:

تِلْكَ اُمَّةٌ قَدْ خَلَتْ لَهَا مَا كَسَبَتْ وَلَكُمْ مَا كَسَبْتُمْ
وَلَا تُسْئَلُوْنَ عَمَّا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ۝

ترجمہ: یہ امت ہے جو گزر گئی، ان کے اعمال ان کے ساتھ تمہارے اعمال تمہارے ساتھ، ان کے اعمال کے بارے میں تم سے سوال نہیں کیا جائے گا۔

بہر حال، کیوں اس بحث کے اندر پڑ کر اپنا بھی وقت ضائع کرتے ہو اور دوسروں کا بھی وقت ضائع کرتے ہو کہ کس کی مغفرت ہو گی اور کس کی نہیں ہو گی۔ اس قسم کے بے شمار مسائل ہمارے معاشرے کے اندر کثرت سے پھیلے ہوئے ہیں اور اس پر قیل و قال ہو رہی ہے، بحثیں ہو رہی ہیں، مناظرے ہو رہے ہیں، کتابیں لکھی جا رہی ہیں، وقت برباد ہو رہا ہے، نبی کریم سرور دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ فضول کی بحثوں سے منع فرمایا ہے۔

سوالات کی کثرت سے ممانعت

دوسرا لفظ بھی اس کے ساتھ ہے، وہ ہے ”وکثرة السوال“ سوالوں کی کثرت سے منع فرمایا۔ جس آدمی کو اس بات کی فکر نہیں ہوتی کہ جو کام کی بات ہے وہ کرے اور فضول باتوں سے اجتناب کرے، اس کے دل میں سوالات بہت پیدا ہوتے ہیں اور وہ کثرت سے سوال کرتا رہتا ہے۔ سوال وہ کرو جس کا تعلق تمہاری عملی زندگی سے ہے، سوال وہ کرو جس کے بارے میں تمہیں یہ معلوم کرنا ہے کہ یہ حلال ہے یا حرام؟ جائز ہے یا ناجائز؟ یہ کام کروں یا نہ کروں؟ باقی ماضی کے بارے میں سوالات اور دوسرے فضول باتوں کے بارے میں سوالات، ان کا کچھ حاصل نہیں۔

احکام کی حکمتوں کے بارے میں سوالات

میں یہاں خاص طور پر دو باتوں کی طرف اشارہ کرنا چاہتا ہوں، جو ہمارے معاشرے میں بہت زیادہ پھیلی ہوئی ہیں۔ ایک یہ کہ دین کے احکام کی حکمتوں کے بارے میں لوگ بکثرت سوالات کرتے ہیں کہ یہ فلاں چیز حرام کیوں ہے؟ فلاں چیز منع کیوں ہے؟ دین کے معاملے میں یہ کیوں ہے؟ ہمارے معاشرے میں یہ سوالات بہت پھیل گئے ہیں، حالانکہ صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کے حالات پڑھو گے تو یہ نظر آئے گا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے صحابہ کرامؓ سوالات کرتے تھے، لیکن اس میں ”کیوں“ کا لفظ کہیں نہیں ملے گا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے انہوں نے کبھی یہ نہیں پوچھا کہ آپ جو بات کر رہے ہیں یہ کیوں کر رہے ہیں؟ یا یہ حرام کر رہے ہیں تو کیوں کر رہے ہیں؟

ایک مثال

اب آپ کو ایک مثال دیتا ہوں۔ وہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے سود حرام کیا، یعنی قرضہ دے کر اس کے اوپر زیادہ پیسے لینا سود ہے، قرآن نے اس کو حرام کہا اور کہا کہ جو یہ نہ چھوڑے وہ اللہ اور اس کے رسول ﷺ کی طرف سے اعلانِ جنگ سُن لے۔ اتنی زبردست وعید بیان فرمائی۔ اس کے بارے میں تو صحابہ کرامؓ یہ سوال کیسے کرتے کہ یہ کیوں حرام ہے؟ یہاں تک کہ بعد میں جب حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے اس سود کی حرمت کی طرف لے جانے والے کچھ معاملات کو بھی حرام کیا۔ مثلاً ایک بات یہ حرام کی کہ اگر کوئی شخص گندم کو گندم سے بیچ رہا ہے تو چاہے ایک طرف گندم اعلیٰ درجہ کا ہو اور دوسری طرف معمولی درجہ کا ہو تب بھی دونوں کا برابر ہونا ضروری ہے، اگر اعلیٰ درجہ کا گندم دو سیر ہو اور ادنیٰ درجہ کا گندم چار سیر ہو اور دونوں کو ایک دوسرے کے ذریعہ فروخت کیا جائے تو اس کو بھی آپ نے حرام اور ناجائز فرمایا، یا مثلاً اچھی کھجور ایک سیر اور خراب کھجور دو سیر اگر آپس میں بیچی جائیں تو فرمایا کہ یہ بھی حرام ہے۔ اب بظاہر تو عقل میں یہ بات سمجھ میں نہیں آتی کہ جب ایک اچھے درجے کا گندم ہے تو اس کی قیمت بھی زیادہ ہے، اس کا فائدہ بھی زیادہ ہے اور جو ادنیٰ درجے کا گندم ہے اس کی قیمت بھی کم ہے اور اس کا فائدہ بھی کم ہے تو اگر ادنیٰ درجے کے دو سیر اور اعلیٰ درجے کا ایک سیر ملا کر فروخت کیا جائے تو اس میں کیا خرابی ہے؟ لیکن جب نبی کریم سرور دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرما دیا کہ گندم کی بیع جب گندم سے ہوگی تو برابر سرابر ہونا چاہئے، چاہے اعلیٰ درجے کا ہو یا ادنیٰ درجے کا ہو، کسی ایک صحابیؓ نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ حکم سن کر نہیں فرمایا کہ یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کیوں؟ کیا وجہ ہے؟ جبکہ

وہ اعلیٰ ہے اور یہ ادنیٰ ہے۔ وجہ یہ تھی کہ لفظ "کیوں" کا سوال صحابہ کرامؓ کے ہاں نہیں تھا، اس لئے کہ انہیں اللہ تعالیٰ پر اور نبی کریم سرور دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم پر ایسا بھروسہ تھا کہ جو حکم یہ دے رہے ہیں وہ برحق ہے، ہماری سمجھ میں آئے تو برحق ہے، نہ آئے تو برحق ہے، ہمیں حکمت کے پیچھے پڑنے کی حاجت نہیں، جب ہمیں کہدیا کہ حرام ہے، تو حرام ہے۔

یہ تھا صحابہ کرامؓ کا طریقہ، آج سب سے زیادہ "کیوں" کا سوال ہے، آج جو گندم کی بات میں عرض کر رہا ہوں، یہ کسی کے سامنے عرض کر کے دیکھ لو، وہ چھوٹتے ہی یہ کہے گا "کیوں؟ یہ کیوں ناجائز ہے؟" سب سے پہلے اس کا سوال یہی ہوگا۔ اور اسے تو چھوڑ دو، آج کل جو قرض والا اصل سود ہے اس کے بارے میں لوگ کہتے ہیں کہ یہ حرام کیوں ہے؟

بہر حال، کثرتِ سوال ایک بڑی بیماری ہے، احکام شرعیہ کے بارے میں یہ سوال کرنا کہ یہ کیوں ہے، یہ سوال ٹھیک نہیں۔ البتہ اگر کوئی شخص ویسے ہی اپنی زیادتی اطمینان کے لئے پوچھے تو چلو گوارا ہے۔ لیکن اب تو باقاعدہ اسی لئے پوچھا جاتا ہے کہ اگر ہماری سمجھ میں اس کی وجہ آگئی تو حرام سمجھیں گے اگر نہیں آئی تو حرام نہیں سمجھیں گے۔ اللہ بچائے۔ یہ بات انسان کو بعض اوقات کفر تک لے جاتی ہے، اللہ تعالیٰ ہر مسلمان کو محفوظ رکھے، آمین۔ کثرتِ سوال میں ایک پہلو یہ ہے۔

دوسرا پہلو یہ ہے کہ ایسی چیزوں کے بارے میں سوال کرنا جن کا انسان کے عقیدے سے یا اس کی عملی زندگی سے کوئی تعلق نہیں، یا ایسے ہی فضول سوالات جیسے یہ سوال کہ یزید کی مغفرت ہوگی یا نہیں؟ جنگ میں کون باطل پر تھا اور کون حق پر تھا؟ یا تاریخی واقعات کی تفصیلات پوچھنا اور ان کے اندر جھگڑا

کرنا،یا ایسے عقائد کے بارے میں سوالات کرنا جو بنیادی عقائد نہیں ہیں، جن کے بارے میں حشر نشر کے اندر کوئی سوال نہیں ہونا ہے، یہ ٹھیک نہیں۔ بلکہ ان کے بارے میں سوالات کرنے کے بجائے جو تمہاری عملی زندگی کے معاملات ہیں، حرام و حلال کے، جائز وناجائز کے، ان کے بارے میں سوال کرو، اور ان کے اندر بھی جو سوالات ضروری ہیں، ان کے اندر اپنے آپ کو محدود رکھو۔ حضرات صحابہ کرامؓ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوتے تو سوال بہت کم کیا کرتے تھے، جتنی بات نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے سُن لی، اس پر عمل کرتے تھے، سوال کم کرتے تھے، لیکن سوال جو کرتے تھے وہ عملی زندگی سے متعلق کرتے تھے۔ اللہ تبارک و تعالیٰ ہم سب کو دین کی صحیح سمجھ عطا فرمائے اور ان باتوں پر عمل کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔

وآخر دعوانا ان الحمد للہ رب العٰلمین

بیان بر ختم قرآن کریم و دعا

شیخ الاسلام حضرت مولانا مفتی محمد تقی عثمانی صاحب مدظلہم

ضبط و ترتیب

محمد عبداللہ میمن

میمن اسلامک پبلشرز

۱۸۸/۱۔لیاقت آباد، کراچی ۱۹

مقام خطاب : جامع مسجد دار العلوم کراچی

اصلاحی خطبات : جلد نمبر ۱۲

صفحات :

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْم ط

ختم قرآن کریم ودعا

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ نَحْمَدُهٗ وَ نَسْتَعِيْنُهٗ وَ نَسْتَغْفِرُهٗ وَ نُؤْمِنُ بِهٖ وَنَتَوَكَّلُ عَلَيْهِ وَنَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنْ شُرُوْرِ اَنْفُسِنَا وَمِنْ سَيِّاٰتِ اَعْمَالِنَا ـ مَنْ يَّهْدِهِ اللّٰهُ فَلَا مُضِلَّ لَهٗ وَمَنْ يُّضْلِلْهُ فَلَا هَادِىَ لَهٗ وَنَشْهَدُاَنْ لَّا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَحْدَهٗ لَاشَرِيْكَ لَهٗ وَنَشْهَدُاَنَّ سَيِّدَنَا وَنَبِيَّنَا وَمَوْلَانَا مُحَمَّداً عَبْدُهٗ وَ رَسُوْلُهٗ صَلَّى اللّٰهُ تَعَالٰى عَلَيْهِ وَعَلٰى اٰلِهٖ وَاَصْحَابِهٖ وَبَارَكَ وَسَلَّمَ تَسْلِيْمًا كَثِيْرًا

أَمَّا بَعْدُ!

فاعوذ باللّٰہ من الشیطٰن الرجیم، بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ :اِنَّا اَنْزَلْنٰهُ فِىْ لَيْلَةِ الْقَدْرِ O وَمَا اَدْرٰكَ مَا لَيْلَةُ الْقَدْرِ O لَيْلَةُ الْقَدْرِ خَيْرٌ

مِّنْ اَلْفِ شَهْرٍ O تَنَزَّلُ الْمَلٰٓئِکَةُ وَالرُّوْحُ فِيْهَا
بِاِذْنِ رَبِّهِمْ مِنْ کُلِّ اَمْرٍ O سَلَامٌ هِیَ حَتّٰی
مَطْلَعِ الْفَجْرِ O صدق اللّٰه العظيم۔

(سورۃ القدر)

تمہید

بزرگان محترم و برادران عزیز! اس وقت کوئی لمبی چوڑی تقریر کرنا پیش نظر نہیں ہے، لیکن اللہ جل شانہ نے ہمیں اور آپ کو ایک بہت بڑے انعام سے نوازا ہے اور ایک بہت بڑا کرم فرمایا ہے، اس وقت اس انعام اور کرم پر شکر کا اظہار کرنا مقصود ہے، اور اس موقع سے فائدہ اٹھاتے ہوئے اللہ جل جلالہ کے حضور اپنے مقاصد اور حاجات کے لئے دعا کرنا مقصود ہے۔

عظیم انعام سے نوازا ہے

وہ انعام یہ ہے کہ اس وقت اللہ تبارک وتعالیٰ نے اپنے فضل وکرم سے ہمیں اور آپ کو تراویح کے اندر قرآن کریم مکمل کرنے کی سعادت عطا فرمائی ہے، آج جبکہ ہماری نگاہیں اور ہمارے خیالات مادہ پرستی کے ماحول میں بھٹکے ہوئے ہیں، اس ماحول میں قرآن کریم کی تلاوت اور تراویح کی اس نعمت کا صحیح صحیح اندازہ ہمیں اور آپ کو نہیں ہوسکتا کہ یہ اللہ تعالیٰ کی کتنی بڑی نعمت ہیں، لیکن جس وقت یہ آنکھیں بند ہوگئیں اور اللہ تعالیٰ کے حضور حاضری ہوگی، اس

وقت اندازہ ہوگا کہ یہ قرآن کریم کی تلاوت، یہ روزہ، یہ تراویح، یہ نمازیں، یہ تسبیح، یہ سب کتنی بڑی دولت ہیں۔ اس لئے کہ وہ جہاں ایسا ہے کہ وہاں کی کرنسی یہ روپیہ پیسہ نہیں ہے، بلکہ وہاں کی کرنسی یہ نیکیاں ہیں اور یہ اعمال ہیں، یہ نمازیں، یہ روزے، یہ تسبیحات، یہ تراویح، یہ سجدے، یہ تلاوت، یہ چیزیں وہاں کام آنے والی ہیں، یہ روپیہ پیسہ وہاں پر کام آنے والا نہیں۔

''تراویح'' ایک بہترین عبادت

یوں تو رمضان المبارک کو اللہ تعالیٰ نے ایسا بنایا ہے کہ اس کا ہر ہر لحہ رحمتوں کا لحہ ہے، برکات کا لحہ ہے، لیکن رمضان المبارک میں جو خصوصی عبادتیں مشروع فرمائیں، ان میں یہ تراویح کی عبادت ایک عجیب وغریب شان رکھتی ہے۔ عام دنوں کے مقابلے میں ان ایام کے اندر یہ نماز جناب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے سنّت قرار دی ہے۔ حدیث شریف میں جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔

اِنَّ اللّٰهَ فَرَضَ صِيَامَ رَمَضَانَ وَ سَنَنْتُ
لَكُمْ قِيَامَهٗ

(نسائی، کتاب الصیام، باب ثواب من قام رمضان)

یعنی اللہ تعالیٰ نے تمہارے لئے رمضان کے دنوں میں روزے فرض کئے اور میں نے تمہارے لئے رمضان کی راتوں میں کھڑے ہوکر عبادت کرنے کو سنّت قرار دیا۔ یہ سنّت ایسی ہے کہ اس کے نتیجے میں اور دنوں کے مقابلے میں بیس رکعتیں

زیادہ پڑھنے کی سعادت حاصل ہو رہی ہے، اور بیس رکعتوں کا مطلب یہ ہے کہ ہر صاحب ایمان کو روزانہ چالیس سجدے زیادہ کرنے کی توفیق حاصل ہو رہی ہے، اور اگر پورے مہینہ کا حساب لگایا جائے اور مہینے کو ۳۰ دن کا شمار کیا جائے تو ایک مہینے میں ایک صاحب ایمان کو بارہ سو سجدے زیادہ کرنے کی توفیق اللہ تعالیٰ کی طرف سے عطا ہو رہی ہے۔

''سجدہ'' ایک عظیم نعمت

اور یہ ''سجدہ'' ایسی عظیم نعمت ہے کہ روئے زمین پر اس سے زیادہ عظیم نعمت کوئی اور نہیں ہو سکتی۔ حدیث شریف میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ بندہ اپنے اللہ سے جتنا قریب سجدے کی حالت میں ہوتا ہے اور کسی حالت میں اتنا قریب نہیں ہوتا۔ قرآن کریم میں سورۂ اقرأ کی آخری آیت جو آیت سجدہ ہے، اس میں اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا:

وَاسْجُدْ وَاقْتَرِبْ

(سورۂ علق، آیت ۱۲)

یعنی سجدہ کرو اور میرے قریب آ جاؤ۔ یہ کتنا پیارا اور محبت کا جملہ ہے کہ سجدہ کرو اور میرے پاس آ جاؤ۔ لہٰذا اللہ تعالیٰ کے حضور اتنا قرب حاصل کرنے کا اس سے بہتر ذریعہ کوئی اور نہیں ہے کہ انسان سجدے میں چلا جائے۔ جس وقت بندے نے اللہ جل شانہ کے حضور سجدے میں پیشانی ٹیک دی تو اس دم ساری کائنات اس پیشانی کے نیچے آ گئی۔

''نماز'' مؤمن کی معراج ہے

حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کو اللہ تعالیٰ نے ''معراج'' عطا فرمائی، جس میں آپ کو ساتوں آسمانوں سے بھی اوپر اور ''سدرۃ المنتہیٰ'' سے بھی آگے پہنچایا، جہاں حضرت جبرئیل امین علیہ السلام بھی آپ کا ساتھ نہ دے سکے، اس مقام تک پہنچایا۔ جب آپ واپس تشریف لانے لگے تو حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے زبان حال سے اللہ تعالیٰ سے یہ درخواست کی کہ یا اللہ! آپ نے مجھے تو قرب کا یہ مقام عطا فرما دیا، لیکن میری امّت کا کیا ہوگا؟ تو اس وقت اللہ تعالیٰ نے آپ کی امّت کے لئے جو تحفہ عطا فرمایا، وہ پانچ نمازوں کا تحفہ عطا فرمایا، اور ان نمازوں میں سجدے کا تحفہ عطا فرمایا اور یہ اعلان فرما دیا گیا کہ:

اَلصَّلَاۃُ مِعْرَاجُ الْمُؤْمِنِيْنَ

یعنی نماز مؤمنوں کی معراج ہے۔ اگرچہ ہم نے آپ کو یہاں بلا کر معراج عطا فرمائی، لیکن آپ کی امّت کے لئے یہ اعلان ہے کہ جو بندہ میرا قرب چاہتا ہے، وہ جب سجدے میں سر رکھ دے گا تو اس کی معراج ہو جائے گی، جب بندے نے سجدے میں اللہ تعالیٰ کے حضور سر رکھ دیا تو بس اس سے بڑی دولت اور کوئی نہیں ہے۔

اللہ میاں نے مجھے پیار کر لیا

ہمیں تو اس دولت کے عظیم ہونے کا اندازہ نہیں ہے، اس لئے کہ دلوں

پر غفلت کے پردے پڑے ہوئے ہیں، جن لوگوں کو اللہ تعالیٰ اس کی لذت اور حلاوت عطا فرماتے ہیں، ان کو پتہ ہوتا ہے کہ یہ سجدہ کیا چیز ہے۔ حضرت مولانا فضل الرحمٰن صاحب گنج مرادآبادی رحمۃ اللہ علیہ جو بڑے درجے کے اولیاء اللہ میں سے گزرے ہیں، ایک مرتبہ حضرت مولانا اشرف علی صاحب تھانوی رحمۃ اللہ علیہ ان کی خدمت میں حاضر ہوئے تو وہ چپکے سے کہنے لگے کہ میاں اشرف علی! کیا بتاؤں، جب سجدہ کرتا ہوں تو ایسا لگتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے مجھے پیار کرلیا۔ ان کو سجدہ کے اندر یہ دولت نصیب ہوتی تھی۔

یہ پیشانی ایک ہی چوکھٹ پر ٹکتی ہے

حضرت خواجہ عزیز الحسن صاحب مجذوب رحمۃ اللہ علیہ جو حضرت حکیم الامّت رحمۃ اللہ علیہ کے خلیفہ خاص تھے، ان کا ایک شعر ہے:

اگر سجدہ میں سر رکھ دوں
زمیں کو آسماں کر دوں

بہرحال! یہ سجدہ معمولی چیز نہیں ہے، یہ پیشانی کسی اور جگہ پر نہیں ٹکتی، یہ پیشانی صرف ایک ہی بارگاہ میں، ایک ہی چوکھٹ پر، ایک ہی آستانے پر ٹکتی ہے، اور اس آستانے پر ٹکنے کے نتیجے میں اس کو جو قرب کی دولت حاصل ہوتی ہے، اس دولت کے آگے ساری دنیا کی دولتیں ہیچ ہیں۔

اللہ تعالیٰ اپنے کلام کی تلاوت سنتے ہیں

ہمارے حضرت ڈاکٹر عبدالحی صاحب رحمۃ اللہ علیہ فرمایا کرتے تھے کہ رمضان المبارک میں اللہ تعالیٰ نے ہمیں اور آپ کو روزانہ چالیس مقاماتِ قرب زیادہ عطا فرمائے ہیں، ہر صاحب ایمان کو اس تراویح کی بدولت روزانہ چالیس مقاماتِ قرب زیادہ حاصل ہو رہے ہیں، یہ معمولی دولت نہیں۔ پھر اس تراویح میں یہ مقاماتِ قرب تو تھے ہی، ساتھ ساتھ یہ حکم دیدیا کہ اس تراویح میں میرا کلام پڑھ کر اس کو پورا کرو۔ حدیث شریف میں آتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کسی چیز کو اتنی توجہ کے ساتھ نہیں سنتے جتنی توجہ کے ساتھ اپنے کلام کی تلاوت کو سنتے ہیں۔ لہٰذا تراویح کے موقع پر اللہ تعالیٰ کی رحمت متوجہ ہوتی ہے، اللہ تعالیٰ کا قرب حاصل ہو رہا ہوتا ہے۔

ختم قرآن کے موقع پر دو کام کریں

آج الحمدللہ قرآن کریم پورا ہوگیا، ہم نے غفلت کے عالم میں سن کر ختم کرلیا۔ حدیث شریف میں ہے کہ ایک ایک حرف پر دس دس نیکیاں لکھی جاتی ہیں، لہٰذا یہ معمولی نعمت نہیں ہے جو آج ختم قرآن کے موقع پر ہمیں آپ کو حاصل ہو رہی ہے، اس نعمت کا شکر ادا کرو۔ جب بھی اللہ تعالیٰ کسی عبادت کی توفیق عطا فرمائیں تو بزرگان دین کا کہنا ہے کہ اس موقع پر دو کام کرنے چاہئیں۔ ایک یہ کہ اس عبادت کی توفیق ملنے پر اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کرنا چاہئے

اور یہ کہنا چاہئے کہ اے اللہ! میں تو اس قابل نہیں تھا مگر آپ نے اپنے فضل سے مجھے اس عبادت کی توفیق عطا فرمادی۔ دوسرے یہ کہ استغفار کرو، اور یہ کہو کہ اے اللہ! آپ نے تو مجھے عبادت کی توفیق عطا فرمائی تھی، لیکن اس عبادت کا جو حق تھا، وہ مجھ سے ادا نہ ہوسکا، اس عبادت کے جو حقوق اور آداب تھے وہ میں بجا نہ لا سکا، اس میں مجھ سے کوتاہیاں اور غلطیاں ہوئیں، اے اللہ! اس پر مجھے معاف فرما۔

عبادت سے استغفار

قرآن کریم نے ''سورۃ ذاریات'' میں اللہ کے بندوں کی بڑی تعریف فرمائی ہے۔ چنانچہ فرمایا:

كَانُوْ قَلِيْلًامِّنَ الَّيْلِ مَايَهْجَعُوْنَ ۝
وَبِالْاَسْحَارِهُمْ يَسْتَغْفِرُوْنَ ۝

(سورۃ الذاریات، آیات ۱۷۔۱۸)

یعنی اللہ تعالیٰ کے نیک بندے رات کے وقت بہت کم سوتے ہیں، بلکہ رات کے اکثر حصے میں اللہ کی عبادت میں کھڑے رہتے ہیں، اور جب سحری کا وقت ہو جاتا ہے تو اس وقت استغفار کرتے ہیں اور اللہ تعالیٰ سے مغفرت طلب کرتے ہیں۔ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے پوچھا یا رسول اللہ! یہ استغفار کا کیا موقع ہے؟ استغفار تو اس وقت ہوتا ہے جب کسی سے کچھ گناہ ہوا ہو، کوئی غلطی ہوئی ہو، یہ تو ساری رات عبادت میں اللہ تعالیٰ کے حضور کھڑے رہے تو اب صبح

کے وقت استغفار کیوں کر رہے ہیں؟ جواب میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ یہ لوگ اپنی عبادت سے استغفار کر رہے ہیں کہ یا اللہ! ہم نے عبادت تو کی، لیکن عبادت کا جو حق تھا، وہ ہم سے ادا نہ ہوا، اس لئے اپنی اس کوتاہی اور غفلت پر استغفار کر رہے ہیں۔

عبادت کا حق کون ادا کر سکتا ہے؟

لہٰذا جس عبادت کی توفیق ہو جائے، اس توفیق پر اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کرو اور اپنی کوتاہی پر استغفار کرو کہ یا اللہ! عبادت کا حق ہم سے ادا نہ ہو سکا۔

مَاعَبَدْنٰكَ حَقَّ عِبَادَتِكَ

اور کون شخص ہے جو عبادت کا حق ادا کر سکے؟ جبکہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ حال تھا کہ ساری رات اس طرح کھڑے ہو کر عبادت کرتے تھے کہ پاؤں پر ورم آ جاتا تھا، اس کے باوجود آپ ﷺ فرماتے تھے کہ ہم عبادت کا حق ادا نہ کر سکے۔

مَاعَبَدْنٰكَ حَقَّ عِبَادَتِكَ

لہٰذا ہر عبادت کے موقع پر شکر بھی کرو اور اس کے ساتھ ساتھ استغفار بھی کرو۔

حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کا مقولہ

میں نے اپنے شیخ حضرت ڈاکٹر عبدالحی صاحب رحمۃ اللہ علیہ سے حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا ایک مقولہ سنا کہ حضرت ابوبکر صدیق

رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرمایا کرتے تھے کہ جب کوئی بندہ عبادت کرنے کے بعد یہ کہتا ہے "الحمدللہ، استغفر اللہ" تو شیطان کہتا ہے کہ اس نے میری کمر توڑ دی۔ وجہ اس کی یہ ہے کہ شیطان کا حملہ دو ہی طرح سے ہوتا ہے، یا تو اس طرح حملہ کرتا ہے کہ عبادت کے نتیجے میں انسان کے دل میں غرور پیدا کر دیتا ہے کہ میں نے بڑی عبادت کر لی، مجھ سے بڑا کام سرزد ہو گیا اور میں تو اعلیٰ مقام تک پہنچ گیا، جب دل میں یہ غرور پیدا ہوا تو ساری عبادت اکارت گئی۔ اس غرور کا راستہ لفظ "الحمدللہ" سے بند ہو گیا، اور اس کے ذریعہ یہ اقرار کر لیا کہ جو عبادت میں نے ادا کی، وہ حقیقت میں میری قوت بازو کا کرشمہ نہیں ہے، بلکہ اے اللہ! یہ عبادت آپ کے کرم اور توفیق سے انجام پائی ہے۔

عبادات رمضان پر شکر کرو

کتنے لوگ ایسے ہیں کہ رمضان المبارک آیا اور چلا گیا، لیکن اس کے باوجود ان کے گھر میں پتہ نہیں چلا کہ کب رمضان آیا تھا اور کب چلا گیا۔ لیکن اللہ تعالیٰ کا فضل و کرم ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ہمیں ان لوگوں میں سے نہیں بنایا، اللہ تعالیٰ کا کرم ہے کہ اس نے ہماری استعداد کے مطابق ہمیں جیسی تیسی عبادت کرنے کی توفیق عطا فرمائی، روزہ رکھنے کی، تراویح پڑھنے کی، تلاوت کرنے کی توفیق عطا فرمائی، اس پر شکر ادا کرو اور کہو "الحمدللہ" اے اللہ! آپ کا کرم اور شکر ہے کہ آپ نے ہمیں یہ عبادات کرنے کی توفیق عطا فرمائی۔ بہرحال! شیطان کا ایک حملہ تو دل میں غرور پیدا کرنے کے ذریعہ ہوتا ہے۔

اپنی کوتاہیوں پر استغفار کرو

شیطان کا دوسرا حملہ یہ ہوتا ہے کہ وہ انسان کے دل میں یہ خیال ڈالتا ہے کہ تیری نماز کیا، تیرا روزہ کیا؟ تو نے نماز کیا پڑھی، تو نے تو ٹکریں ماریں، اور غفلت کے عالم میں نماز پڑھ لی اور روزہ رکھ لیا، تو نے تو عبادت کا حق ادا نہیں کیا۔ یہ خیال ڈال کر اس کے اندر مایوسی پیدا کر دیتا ہے، اس مایوسی کا توڑ ''استغفر اللہ'' ہے، یعنی بیشک عبادت کے ادا کرنے میں میری طرف سے کوتاہی ہوئی، لیکن میں تو کوتاہیوں کا پلندا ہوں، اے اللہ! ان کوتاہیوں کی طرف سے میں آپ کے حضور استغفار کرتا ہوں۔ اور استغفار کی خاصیت یہ ہے کہ جس کوتاہی سے استغفار کیا جائے، اللہ تعالیٰ اس کوتاہی کو نامہء اعمال سے مٹا دیتے ہیں۔ لہٰذا جو شخص استغفار کرنے کا عادی ہو، اس کی کوتاہیاں اور گناہ نامہء اعمال سے مٹتے رہتے ہیں۔ اس لئے فرمایا کہ جو شخص عبادت کرنے کے بعد یہ دو کلمات زبان سے ادا کر لے، ایک ''الحمد للہ'' اور دوسرے ''استغفر اللہ'' اے اللہ! آپ کی توفیق پر شکر ہے اور میری کوتاہیوں پر استغفار ہے۔ تو اس کے بعد وہ عبادت اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں انشاء اللہ قبول ہو جائے گی اور شیطان کی کمر ٹوٹ جائے گی۔

ان کی رحمت پر نظر رہنی چاہئے

الحمد للہ، اللہ تعالیٰ نے ہمیں اپنے فضل و کرم سے رمضان المبارک میں

عبادت کرنے کی توفیق عطا فرمائی، ہماری طرف سے تو غفلت ہی غفلت ہے، کوتاہی ہی کوتاہی ہے، لیکن بقول حضرت ڈاکٹر عبدالحی صاحب قدس اللہ سرہ کے، ہم اپنی غفلت اور کوتاہی کو دیکھیں یا ان کی رحمت کو دیکھیں۔ ارے! ان کی رحمت ایسی وسیع اور زبردست ہے کہ جس کی کوئی حد و نہایت نہیں، اس کے مقابلے میں ہم اپنی کوتاہیوں کو کیوں لے کر بیٹھ جائیں اور اس کا مراقبہ کیوں کریں؟ ارے! ہم اللہ کی رحمت کا مراقبہ کریں۔ بہرحال! آج ہم دو کام کرنے کے لئے یہاں جمع ہوئے ہیں، ایک اس کی توفیق پر شکر ادا کرنے کے لئے اور دوسرے اپنی کوتاہیوں پر استغفار کرنے کے لئے، انشاء اللہ اگر ہم نے یہ دو کام کر لئے تو پھر اللہ تعالیٰ کی رحمت سے امید رکھنی چاہئے کہ اللہ تعالیٰ نے جو انوار و برکات، جو تجلیات، جو رحمتیں اور جو اجر و ثواب اس تراویح میں اور قرآن کریم کی تلاوت میں رکھا ہے، انشاء اللہ ہمیں اور آپ کو اس سے محروم نہیں فرمائیں گے۔

قبولیتِ دعا کے مواقع جمع ہیں

آج کی رات رمضان المبارک کی رات ہے، عشرۂ اخیرہ کی بھی رات ہے، اور عشرۂ اخیرہ کی بھی طاق رات ہے جس میں شب قدر ہونے کا بھی احتمال ہے اور قرآن کریم کے ختم کا موقع بھی ہے۔ اس لئے اللہ تعالیٰ کی رحمت سے امید ہے کہ اس موقع پر جو دعا کی جائے گی، انشاء اللہ تعالیٰ ضرور قبول ہوگی۔ حدیث شریف میں آتا ہے کہ بعض اوقات اللہ تعالیٰ کی طرف سے

رحمت کی ہوائیں چلتی ہیں، اور ان ہواؤں کے چلنے کے دوران جو بندہ اللہ تعالیٰ کی طرف رجوع کرتا ہے تو اللہ تعالیٰ کی رحمت اس کو ڈھانپ لیتی ہے۔ امید ہے کہ یہ لمحات بھی اللہ تعالیٰ کی رحمت کی ہواؤں کے لمحات ہیں، انشاء اللہ جو دعا کی جائے گی، وہ دعا قبول ہوگی۔

اہتمام سے دعا کریں

اب ہم سب مل کر اہتمام کے ساتھ اللہ تعالیٰ کے حضور دعا کرتے ہیں، اور اس دعا کے اندر اپنی ذاتی حاجتوں کو بھی اللہ تعالیٰ سے مانگیں، اپنے اعزہ و اقارب کے لئے بھی دعا کریں، اپنے دوست واحباب کے لئے بھی دعا کریں، اپنے ملک وملّت کے لئے بھی دعا کریں۔ عالم اسلام اس وقت دشمنوں کے نرغے میں پھنسا ہوا ہے، اس کے لئے دعا کریں کہ اللہ تعالیٰ اس نرغے سے عالم اسلام کو نکالے، جتنے لوگ ہیں جو اس وقت اللہ تعالیٰ کے راستے میں جہاد کر رہے ہیں، افغانستان میں، کشمیر میں، الجزائر میں، تیونس میں جہاد ہو رہا ہے، ان کے لئے دعا فرمائیں کہ اللہ تعالیٰ ان کی مشکلات کو دور فرمائے اور ان کو کامیابی عطا فرمائے۔ آمین۔

اجتماعی دعا بھی جائز ہے

دعا میں افضل یہ ہے کہ ہر آدمی انفرادی طور پر خود دعا کرے، بس وہ ہو اور اس کا اللہ ہو، تیسرے آدمی کا درمیان میں واسطہ نہ ہو۔ اور اجتماعی دعا سنت

نہیں ہے، لیکن جہاں مسلمان جمع ہوں، اور وہاں سب مل کر اکھٹے دعا کرلیں تو یہ بھی کوئی ناجائز بات نہیں ہے، اس لئے کہ بعض اوقات آدمی کے دل میں بہت سی دعائیں نہیں آتیں، تو وہ دوسرے کی دعا پر "آمین" کہہ دیتا ہے، تو اللہ تعالیٰ اس کو بھی اس دعا کی برکات عطا فرما دیتے ہیں۔ لہٰذا اس وقت یہ اجتماعی دعا کی جارہی ہے، اس میں پہلے وہ دعائیں کی جائیں گی جو حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم سے ثابت ہیں، اس کے بعد اردو میں اپنی حاجتوں کی دعائیں ہوں گی، اس کے بعد ہر شخص خاموشی سے اپنی اپنی حاجت اللہ تعالیٰ سے مانگے گا۔

دعا سے پہلے درود شریف

سب حضرات پہلے تین تین مرتبہ درود شریف پڑھ لیں۔

اَللّٰهُمَّ صَلِّ عَلٰی مُحَمَّدٍوَّ عَلٰی اٰلِ مُحَمَّدٍ کَمَا صَلَّیْتَ عَلٰی اِبْرَاهِیْمَ وَعَلٰی اٰلِ اِبْرَاهِیْمَ اِنَّكَ حَمِیْدٌ مَّجِیْدٌ ۔ اَللّٰهُمَّ صَلِّ عَلٰی مُحَمَّدٍوَّ عَلٰی اٰلِ مُحَمَّدٍ کَمَا صَلَّیْتَ عَلٰی اِبْرَاهِیْمَ وَعَلٰی اٰلِ اِبْرَاهِیْمَ اِنَّكَ حَمِیْدٌ مَّجِیْدٌ ۔ اَللّٰهُمَّ صَلِّ عَلٰی مُحَمَّدٍوَّ عَلٰی اٰلِ مُحَمَّدٍ کَمَا صَلَّیْتَ عَلٰی اِبْرَاهِیْمَ وَعَلٰی اٰلِ اِبْرَاهِیْمَ اِنَّكَ حَمِیْدٌ مَّجِیْدٌ۔

عربی دعائیں

رَبَّنَا ظَلَمْنَا اَنْفُسَنَا وَاِنْ لَّمْ تَغْفِرْلَنَا وَتَرْحَمْنَا لَنَكُوْنَنَّ مِنَ الْخٰسِرِيْنَ ـ رَبَّنَا آتِنَا فِي الدُّنْيَا حَسَنَةً وَّفِي الْآخِرَةِ حَسَنَةً وَّقِنَا عَذَابَ النَّارِ۔ رَبَّنَا لَا تُزِغْ قُلُوْبَنَا بَعْدَ اِذْهَدَيْتَنَا وَهَبْ لَنَا مِنْ لَّدُنْكَ رَحْمَةً اِنَّكَ اَنْتَ الْوَهَّابِ۔

اَللّٰهُمَّ اِنَّا نَسْتَعِيْنُكَ عَلٰى طَاعَتِكَ ـ اَللّٰهُمَّ اَعِنَّا عَلٰى ذِكْرِكَ وَشُكْرِكَ وَحُسْنِ عِبَادَتِكَ ـ اَللّٰهُمَّ اِنَّانَسْئَلُكَ تَمَامَ الْعَافِيَةِ وَنَسْئَلُكَ دَوَامَ الْعَافِيَةِ وَنَسْئَلُكَ الشُّكْرَ عَلَى الْعَافِيَةِ ـ اَللّٰهُمَّ اكْفِنَا بِحَلَالِكَ عَنْ حَرَامِكَ، وَاَغْنِنَا بِفَضْلِكَ عَمَّنْ سِوَاكَ يَا اَرْحَمَ الرَّاحِمِيْنَ ـ اَللّٰهُمَّ اِنَّا نَسْئَلُكَ التَّوْفِيْقَ لِمَحَآبِّكَ مِنَ الْاَعْمَالِ وَصِدْقَ التَّوَكُّلِ عَلَيْكَ وَحُسْنَ الظَّنِّ بِكَ ـ اَللّٰهُمَّ افْتَحْ مَسَامِعَ قُلُوْبِنَا لِذِكْرِكَ وَارْزُقْنَا طَاعَتَكَ وَطَاعَةَ رَسُوْلِكَ وَعَمَلاً بِكِتَابِكَ

اَللّٰهُمَّ اجْعَلْنَا نَخْشَاكَ كَاَنَّا نَرَاكَ اَبَداً حَتّٰى نَلْقَاكَ وَاَسْعِدْنَا بِتَقْوَاكَ وَلَا تُشْقِنَا بِمَعْصِيَتِكَ يَا اَرْحَمَ الرَّاحِمِيْنَ۔

اَللّٰهُمَّ اقْسِمْ لَنَا مِنْ خَشْيَتِك مَا تَحُوْلُ بِهٖ بَيْنَنَا وَبَيْنَ مَعَاصِيْكَ، وَمِنْ طَاعَتِك مَا تُبَلِّغُنَا بِهٖ جَنَّتَكَ، وَمِنَ الْيَقِيْنِ مَاتُهَوِّنُ بِهٖ عَلَيْنَا مَصَائِبَ الدُّنْيَا، وَمَتِّعْنَا بِاَسْمَاعِنَا وَاَبْصَارِنَا وَقُوَّا تِنَا مَا اَحْيَيْتَنَا، وَاجْعَلْهُ الْوَارِثَ مِنَّا، وَاجْعَلْ ثَأْرَنَا عَلٰى مَنْ ظَلَمَنَا، وَانْصُرْنَا عَلٰى مَنْ عَادَانَا، وَلَا تَجْعَلْ مُصِيْبَتَنَا فِىْ دِيْنِنَا وَلَا تَجْعَلِ الدُّنْيَا اَكْبَرَ هَمِّنَا وَلَا مَبْلَغَ عِلْمِنَا وَلَا غَايَةَ رَغْبَتِنَا وَلَا تُسَلِّطْ عَلَيْنَا مَنْ لَّا يَرْحَمُنَا۔

اَللّٰهُمَّ زِدْنَا وَلَا تَنْقُصْنَا وَاَكْرِمْنَا وَلَا تُهِنَّا وَاَعْطِنَا وَلَا تَحْرِمْنَا وَاٰثِرْنَا وَلَا تُؤْ ثِرْعَلَيْنَا، وَاَرْضِنَا وَارْضَ عَنَّا يَا اَرْحَمَ الرَّاحِمِيْنَ۔ اَللّٰهُمَّ اٰنِسْ وَحْشَتَنَا فِىْ قُبُوْرِنَا اَللّٰهُمَّ ارْحَمْنَا

بِالْقُرْاٰنِ الْعَظِيْمِ وَاجْعَلْهُ لَنَا اِمَاماً وَّنُوْراً وَّهُدًى وَّرَحْمَةً اَللّٰهُمَّ ذَكِّرْنَا مِنْهُ مَانَسِيْنَا وَعَلِّمْنَا مِنْهُ مَاجَهِلْنَا وَارْزُقْنَا تِلَاوَتَهُ اٰنَآءَ الَّيْلِ وَاٰنَآءَ النَّهَارِ وَاجْعَلْهُ لَنَا حُجَّةً يَّارَبَّ الْعٰلَمِيْنَ۔

اَللّٰهُمَّ اجْعَلْ قُرْاٰنَ الْعَظِيْمَ رَبِيْعَ قُلُوْبِنَا وَجِلَاءَ اَحْزَانِنَا يَا اَرْحَمَ الرَّاحِمِيْنَ ۔ اَللّٰهُمَّ اِنَّا نَسْئَلُكَ اَنْ تُخَلِّطَ الْقُرْآنَ بِلُحُوْمِنَا وَدِمَائِنَا وَاَسْمَاعِنَا وَاَبْصَارِنَا وَتَسْتَعْمِلُ بِهٖ اَجْسَادَنَا بِحَوْلِكَ وَقُوَّتِكَ يَااَرْحَمَ الرَّاحِمِيْنَ۔

اَللّٰهُمَّ اِنَّا نَسْئَلُكَ مِنْ خَيْرِ مَاسَئَلَكَ مِنْهُ عَبْدُكَ وَنَبِيُّكَ مُحَمَّدٌ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَنَعُوْذُبِكَ مِنْ شَرِّ مَااسْتَعَاذَ مِنْهُ عَبْدُكَ وَنَبِيُّكَ مُحَمَّدٌ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ۔

اردو میں دعائیں

یا ارحم الراحمین! اپنے فضل و کرم سے اور اپنی رحمت سے ہمارے تمام گناہوں کو معاف فرما۔ یا اللہ! اپنی رحمت سے ہماری تمام خطاؤں کو درگزر فرما۔

یا اللہ! ہماری تمام کوتاہیوں کو معاف فرما۔ یا اللہ! ہمارے تمام اگلے پچھلے، چھوٹے بڑے، خفیہ علانیہ ہر طرح کے گناہوں کو معاف فرما۔ یا اللہ! اپنی رحمت سے ہم کو اور ہمارے گھر والوں کو اور ہمارے متعلقین اور احباب سب کو اپنی مغفرت کاملہ عطا فرما۔ یا اللہ! آپ نے رمضان کے مبارک مہینے میں جن بے شمار انسانوں کی مغفرت کے وعدے فرمائے ہیں، یا اللہ! اپنی رحمت سے ہمیں بھی ان میں شامل فرما۔ یا اللہ! ہمارے استحقاق پر نظر نہ فرما، اپنی رحمت پر نظر فرما:

اَللّٰھُمَّ عَامِلْنَا بِمَا اَنْتَ اَھْلُهٗ وَلَا تُعَامِلْنَا بِمَا نَحْنُ اَھْلُهٗ۔

یا اللہ! اپنے فضل و کرم سے مغفرت کاملہ عطا فرما۔ یا اللہ! رمضان کے عشرۂ اخیرہ میں جن لوگوں کو آپ جہنم سے رہائی کا پروانہ عطا فرماتے ہیں، یا اللہ! ہم سب کو اور ہمارے گھر والوں کو اور متعلقین اور احباب کو ان میں شامل فرما۔ یا ارحم الراحمین! جو انوار و برکات آپ نے اس مبارک مہینے میں مقدر فرمائے ہیں، وہ سب ہمیں عطا فرما اور ان سے محروم نہ فرما۔

یا اللہ! اس مبارک مہینے میں جن جن عبادات کی توفیق عطا فرمائی، یہ سب آپ کا کرم اور انعام ہے، یا اللہ! اپنی رحمت سے ان کو قبول فرما۔ اور جو کوتاہیاں ہوگئیں، اپنی رحمت سے ان کو معاف فرما۔ یا اللہ! ہماری تراویح کو قبول فرما، تلاوت قرآن کریم کو اپنی رحمت سے قبول فرما اور جو ذکر کی توفیق

ہوئی، اپنی رحمت سے اس کو قبول فرما۔ یا اللہ! رمضان کی جو باقی ساعات ہیں، ان سے صحیح معنی میں فائدہ اٹھانے کی توفیق عطا فرما، ان ساعات میں تلافی مافات کی توفیق عطا فرما۔

یا اللہ! اپنے فضل و کرم سے تمام حاضرین کو ان کے تمام جائز مقاصد میں کامیابی عطا فرما۔ یا اللہ! جو لوگ اپنی اپنی حاجتیں لے کر آئے ہیں، اپنی رحمت سے ان سب کو پورا فرما۔ یا اللہ! ہم میں اور ہمارے متعلقین اور احباب میں جو جو بیمار ہیں، ان سب کو اپنی رحمت سے شفاء کاملہ عاجلہ عطا فرما۔ یا اللہ! ان کو تندرستی عطا فرما۔ یا اللہ! جو تنگ دست ہیں ان کی تنگ دستی کو دور فرما، یا اللہ! جو محتاج ہیں ان کی احتیاج کو رفع فرما۔ یا اللہ! جو مقروض ہیں ان کے قرضوں کی ادائیگی کا سامان فرما۔ یا اللہ! جو بے روزگار ہیں، ان کو روزگار عطا فرما۔ یا اللہ! جو بے اولاد ہیں، ان کو صالح اولاد عطا فرما۔

يَا اَللّٰهُ يَا اَرْحَمَ الرَّاحِمِيْنَ يَا غَيَاثُ الْمُسْتَغِيْثِيْنَ، يَا اَمَانُ الْمُسْتَجِيْرِيْنَ، يَا مُجِيْبَ دَعْوَةَ الْمُضْطَرِّيْنَ۔ رَحْمَانَ الدُّنْيَا وَ رَحِيْمَهَا، اِرْحَمْنَا بِرَحْمَةٍ تُغْنِيْنَا بِهَا عَنْ رَحْمَةِ مَنْ سِوَاكَ۔

یا ارحم الراحمین! جو جو دعائیں اس مبارک مہینے میں مانگنے کی توفیق ہوئی، اپنی رحمت سے ان ساری دعاؤں کو قبول فرما۔

اَللّٰهُمَّ لَا تَجْعَلْنَا بِدُعَائِكَ شَقِيًّا، وَكُنْ لَنَا رَؤُفًا رَحِيمًا، يَاخَيْرَ الْمَسْئُوْلِيْنَ وَيَاخَيْرَ الْمُعْطِيْنَ اِلَيْكَ نَشْكُوْ ضُعْفَ قُوَّتِنَا وَقِلَّةَ حِيْلَتِنَا ۔ رَبِّ تَقَبَّلْ دَعْوَتَنَا وَاغْسِلْ حَوْبَتَنَا وَاَجِبْ دَعْوَتَنَا وَثَبِّتْ حُجَّتَنَا وَسَدِّدْ لِسَانَنَا يَا اَرْحَمَ الرَّاحِمِيْنَ۔

یا اللہ! اس رمضان کے دنوں میں اور راتوں میں جو دعائیں کرنے کی ہمیں توفیق ہوئی، یا اللہ! ان سب دعاؤں کو قبول فرما۔ یا اللہ! جو حاجتیں ہمارے دلوں میں تھیں اور ہم ان کو آپ سے نہیں مانگ سکے، ان کو بھی قبول فرما۔ یا اللہ! اس رمضان کے مہینے میں آپ کے نیک بندوں نے جہاں کہیں جو جو دعائیں مانگیں اور وہ دعائیں ہمارے حق میں مناسب اور بہتر ہوں، یا اللہ! اپنی رحمت سے ان کو بھی ہمارے حق میں قبول فرما۔ یا اللہ! کسی رحمت سے محروم نہ فرما۔

یا ارحم الراحمین! اپنے فضل سے اس قرآن کریم کو جن جن لوگوں نے پڑھ کر ختم کیا، ان کو دنیا و آخرت میں جزاء خیر عطا فرما، ان کو اس قرآن کریم کے انوار و برکات عطا فرما۔ یا اللہ! سننے والوں کو بھی اس کی برکات سے بہرہ ور فرما۔

یا اللہ! ہمارے ملک میں امن و امان قائم فرما، اس کی حفاظت فرما۔ یا

اللہ! اس ملک کو شریعت کا گہوارہ بنا۔ یا اللہ! ہمیں اس ملک میں شریعت نافذ کرنے کی توفیق عطا فرما۔ یا اللہ! جو لوگ اس ملک میں شریعت کے نفاذ کی جدوجہد کر رہے ہیں، اپنی رحمت سے ان کی کوششوں کو بارآور فرما اور ان کی کوششوں میں صدق و اخلاص پیدا فرما، یا اللہ! ان کو ترقیاں عطا فرما۔ اور جو لوگ اس راستے میں رکاوٹیں ڈال رہے ہیں، اپنے فضل وکرم سے ان کو ہدایت عطا فرما، یا اللہ! ان کی ڈالی ہوئی رکاوٹوں کو دور فرما۔

یا اللہ! عالم اسلام میں جہاں جہاں مسلمان کسی مشکل کا شکار ہیں، اس مشکل کو آسان فرما۔ یا اللہ! مجاہدین افغانستان کی مدد فرما! یا اللہ! مجاہدین کشمیر کی مدد فرما۔ یا اللہ! الجزائر میں جو مسلمان ستم رسیدہ ہیں، اپنی رحمت سے ان کی مدد فرما اور ان کی مشکلات کو دور فرما۔ یا اللہ! اپنے کلمے کو سربلند فرما۔ یا اللہ! عالم اسلام دشمنوں کے جس نرغے میں ہے، اپنی رحمت سے اس نرغے کو توڑ دے۔ یا اللہ! مسلمانوں کو سربلندی عطا فرما، عزت و شوکت عطا فرما، اپنے دین کی طرف لوٹنے کی توفیق عطا فرما۔ یا اللہ! اپنی رحمت سے دلوں کو پھیر دے، دلوں میں دین کی عظمت اور محبت پیدا فرما اور دین پر چلنے کی توفیق عطا فرما۔

یا اللہ! سب کچھ آپ کے قبضۂ قدرت میں ہے، دل بھی اور دماغ بھی آپ کے قبضۂ قدرت میں ہیں، اعمال بھی آپ کے قبضۂ قدرت میں ہیں، ہمارے دلوں، ہمارے دماغوں اور ہمارے اعمال کو دین کے رُخ پر ڈال دے۔ یا اللہ! اپنی رحمت سے اسلام کو سربلند فرما، مسلمانوں کو سربلند فرما۔ یا اللہ! تمام حاضرین کی حاجتوں کو پورا فرما، ان کی دلی مرادوں کو پورا فرما۔ یا اللہ! جن

جن لوگوں نے ہم سے دعا کے لئے کہا ہے، ان سب کی دلی مرادوں کو پورا فرما۔

یا اللہ! اپنی رحمت سے اس دارالعلوم کو ظاہری اور باطنی ترقیات عطا فرما۔ یا اللہ! اس دارالعلوم کو دین کی خدمت کی توفیق عطا فرما۔ یا اللہ! یہاں کے اساتذہ، طلباء اور ملازمین کو صدق و اخلاص عطا فرما۔ یا اللہ! اس دارالعلوم کو دین کی خدمت کے لئے قبول فرما۔ یا اللہ! یہاں سے آپ کے دین کے خادم اور اللہ والے پیدا فرما، دین پر عمل کرنے والے پیدا فرما۔ یا اللہ! اس دارالعلوم کے تمام منصوبوں کو عافیت اور سہولت کے ساتھ پردہ غیب سے پورا فرما۔ یا اللہ! اس کی مشکلات کو آسان فرما۔ یا اللہ! اس دارالعلوم کے بانی حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحب رحمۃ اللہ علیہ کو جنّت الفردوس میں مقامات عالیہ عطا فرما۔ یا اللہ! اس دارالعلوم کے ساتھ تعاون کرنے والوں کو دنیا و آخرت میں بہترین جزا عطا فرما۔ آمین ثم آمین۔

اَللّٰهُمَّ اِنَّا نَسْئَلُكَ مِنْ خَيْرِ مَاسَئَلَكَ مِنْهُ عَبْدُكَ وَنَبِيُّكَ مُحَمَّدٌ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَنَعُوْذُبِكَ مِنْ شَرِّ مَااسْتَعَاذَكَ مِنْهُ عَبْدُكَ وَنَبِيُّكَ مُحَمَّدٌ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ ۔ رَبَّنَا تَقَبَّلْ مِنَّا اِنَّكَ اَنْتَ السَّمِيْعُ الْعَلِيْمُ، وَتُبْ عَلَيْنَا اِنَّكَ اَنْتَ التَّوَّابُ

الرَّحِيْمُ ۔ وَصَلَّى اللّٰه تَعَالٰى علٰى خَيْرِ خَلْقِهٖ مُحَمَّدٍ وَّعَلٰى آلِهٖ وَاَصْحَابِهٖ اَجْمَعِيْنَ ۔ آمِيْنَ ۔ بِرَحْمَتِكَ يَا اَرْحَمَ الرَّاحِمِيْنَ

وَآخِرُ دَعْوَانَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ

اجمالی فہرست

اصلاحی خطبات مکمل

جلد اول (۱)

عنوان — صفحہ نمبر

جلد دوم (۲)

جلد سوم (۳)

جلد چہارم (۴)

جلد پنجم (۵)

جلد ششم (۶)

جلد ہفتم (۷)

جلد ہشتم (۸)

جلد نہم (۹)

جلد دہم (۱۰)

جلد گیارہوں (۱۱)

جلد بارہویں (۱۲)